

سوچ نگر

رضیہ جمیل ایم اے

میرے ندیم

اک لڑکی پاگل پاگل سی

سوچ نگر کی رانی

رضیہ جمیل

خیام پبلشرز پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ —— لاہور

بار اوّل سنہ ۱۹۸۲ء

ناشر ——— رشید سائل

باہتمام ——— محمد جمال

سرورق ——— بانی

تعداد ——— پندرہ سو (۱۵۰۰)

تزئین ——— ایم شہزاد

قیمت بارہ روپے پچاس پیسے

اشرف پریس لاھور میں طبع ھوئی

نادرہ خاتون کے نام

ناول کے کردار اور واقعات سب فرضی ہیں کسی قسم کی مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی۔ جس کے لیے مصنف پبلشر یا پرنٹر ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

کون تھا وہ
کہاں سے آیا
میرے دل کے دروازے
وا کرنے کو
دستک دینے
میرے سوتے دل کو جگانے

برآمدے کی ریلنگ پر دونوں کہنیاں ٹیکے سوچ رہی تھی۔ کیسے کیسے خیال تھے کہ آئے چلے جا رہے تھے۔ خیالات کا ایک ریلا، ایک دھارا ——— کبھی وہ ماضی میں ڈوب جاتی اور کبھی مستقبل سامنے آجاتا۔ کچھ دھندلے دھندلے چہرے، کچھ دھندلے دھندلے واقعات، کچھ نامربوط قصے، جنہیں وہ پھر خیالات کے تاروں میں پرو کر مربوط کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ انجم آدھمکی،

"امی کو دوا کس وقت دینی ہے شبو؟"

"اوہ - میں تو بھول ہی گئی تھی نجو ——— بس دوا کا وقت ہونے ہی والا ہے!"

"تم تو اکثر اوقات اپنے وجود کو بھی بھول جاتی ہو شبنم رانی!"

"بالکل غلط ——— تم سراسر الزام لگا رہی ہو مجھ پر ——— !"

"نہیں مائی ڈیر شبو ——— میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

یقیناً نجو ٹھیک کہہ رہی ہوگی ــــ اس نے پلکیں جھپکا کر سوچا۔

"ہارون بھائی نے بڑا سا نچے میں ڈھلا ہوا نام رکھا ہے تمہارا۔"

"سوچ نگر کی رانی۔" انجم نے اندر جاتے ہوئے کہا۔

کتنی بری بات ہے شبنم رانی ــــ تم نے اپنے سوچ نگر کی وسعتوں پر پرواز کرتے ہوئے اس بات کو بالکل فراموش کر دیا کہ آج شام ہی بھابی اور امی میں جھگڑا ہوا ہے اور اختلاجِ قلب کی وجہ سے امی کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔

اس نے خود کو لعنت ملامت کی۔

لیکن یہ جھگڑا کوئی نیا تو نہیں ہے۔ یہ تو آئے دن کا قصہ ہے۔ کہاں تک ان بیکار کے جھگڑوں کے متعلق سوچ کر میں اپنے ذہن کو پراگندہ کروں"!

لیکن آج کے جھگڑے میں تو قصوروار اسی کی ذات تھی۔ نہ آج وہ مباحثے میں شرکت کرنے جاتی اور نہ یہ جھگڑا ہوتا ــــ !

"لیکن سوال یہ ہے کہ وہ مباحثے میں شرکت کرنے کیوں نہ جاتی ــــ" اب یہ تو ہونے سے رہا کہ گھر کے قضیوں میں الجھ کر وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر ہونے سے روک دے ــــ اور پھر ــــ یہاں پر تو سوال صرف اس کی ذہنی صلاحیت کا ہی نہیں تھا بلکہ کالج کی پرسٹیج کا بھی تھا۔ اگر آج وہ مباحثے میں اپنے کالج کی نمائندگی نہ کرتی تو "نشانِ ظفر" ٹرافی، یقیناً دوسرے کالج کو مل جاتا۔

روزانہ تو وہ شام کا کھانا پکاتی ہے۔ اگر آج ناغہ ہو گیا تو اس کا یہ مطلب تو

نہیں ہے کہ بھابی یہ جانتے ہوئے بھی کہ امی کی طبیعت خراب ہے، انجم کیمسٹری پریکٹیکل کی وجہ سے دیر سے گھر آئے گی اور اسماء باجی کو پھوپھی اماں نے روک لیا ہے، بن ٹھن کر میکے جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔

امی بیچاری کا اتنا کہنا غضب ہو گیا کہ دُلہن آج نہ جاؤ کل چلی جانا ۔۔۔!
بھابی تو جیسے طوفان کھڑا کرنے کے لئے تیار ہی بیٹھی تھیں بے شمار صلواتیں ہم تینوں کو سنا کر رکھ دیں۔

امی بیچاری کا دل ویسے ہی کمزور ہے۔ یہ بھی خیال نہیں کرتیں بھابی ۔۔۔!
شبنم کی آنکھوں میں دکھ کی پرچھائیاں رقص کرنے لگیں۔ اس نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر سامنے والی سڑک کی طرف دیکھا۔ اندھیرے جانے کب چپ چاپ ہی سرک آئے تھے ۔۔۔؟ سڑکوں کی بتیاں جل گئی تھیں اور زرد زرد سی روشنی زمین پر بکھر گئی تھی۔ سیاہ کولتار کی سڑک پر بکھرتی ہوئی مدّھم سی روشنی اندھیروں کا تعاقب کرتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ "عنبر ہاؤس" کی دیوار پر آم کے گھنے درخت کا سایہ پڑ رہا تھا۔ فضا میں دور دور تک رات کی رانی، بیلے اور چنبیلی کی مہک بکھری ہوئی تھی۔ شبنم نے اس بھینی بھینی سی سگندھ کو اپنی سانسوں میں جذب کرتے ہوئے آسمان کی بیکراں وسعتوں کی طرف دیکھا۔ اودے اور سرمئی بادلوں کے ٹکڑے تیرتے ہوئے افق کے اس پار بڑی خاموشی سے چلے جا رہے تھے۔ دم بخود چاندنی کا روپہلا غبار کائنات پر بکھر گیا تھا۔ جامن کے درختوں سے پرے سات ستاروں کی جوڑی سے

جوڑے ہوئے مدھم سی مسکراہٹیں نچھاور کر رہی تھی۔ زرد اور بیمار چاند چمپا کی شاخوں میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ نیم کے گھنے درخت کا سایہ ہر لمحہ پھیلتا جا رہا تھا اور موتیا کی کلیاں افسانہ خواں دھندلکے میں ڈوب گئی تھیں۔ سناٹے نے خاموش فضا میں زہر سا گھول دیا تھا اور مضمحل افسردہ رات کے آنگن میں تنہائی دبے قدموں چلی آئی تھی ـــــ اس نے کھوئی کھوئی نظروں سے چاند کے قریب چمکتے ہوئے ستارے کی طرف دیکھا اور اس کے قدم امی کے کمرے کی جانب اٹھ گئے۔ انجم امی کے بستر کے قریب کرسی پر خاموش اور تھکی تھکی سی بیٹھی تھی۔ شبنم نے بڑی ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا اور آہستگی سے امی کے قریب بیٹھ گئی۔

"طبیعت کچھ سنبھلی امی؟"

"ہوں ـــــ شکر ہے خدا کا۔"

"آپ ہر بات کا اتنا اثر نہ لیا کیجئے امی!"

امی چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہیں۔

"یہ لڑائی جھگڑے تو زندگی کے ساتھ ہی لگے رہتے ہیں۔ خواہ مخواہ سوچ سوچ کر اپنی صحت خراب کرنے سے کیا فائدہ؟"

"شبو ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے امی۔ آپ خوش رہا کریں۔"

امی نے آہستہ سے شبو کا ہاتھ تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔ تبھی ریحان بھائی اندر آ گئے۔

"دوائی پلادی امی کو؟"

"ہاں پلادی۔" انجم نے کہا۔

ریحان بھائی امی کے قریب آئے تو شبنم کھڑی ہوگئی۔ انہیں دیکھ کر شبنم کو اتنی شدید بیزاری کا احساس ہوا کہ وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

"ہنتہہ — آئے ہیں ہمدردی کرنے۔ اپنی بیگم کی بھی خبر لیتے ہیں کبھی جو آئے دن بیکار باتیں کر کے امّی کو پریشان کرتی ہیں؟" اس نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سوچا۔

قدموں کی چاپ ہوئی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ انجم بھی اس کے پیچھے ہی آرہی تھی۔

"کیا فرما رہے ہیں بھائی صاحب؟"

"معافی مانگ رہے ہیں بھابی کی طرف سے —!"

"کیوں — ؟ کیا بھابی کے منہ میں زبان نہیں ہے؟"

انجم خاموش رہی۔

"میں کہتی ہوں آخر ایسی معافی سے فائدہ کیا ہے — ؟ سات آٹھ دن بعد پھر یہی فساد ہوگا —!"

"چھوڑو تم کیوں اپنا دماغ پریشان کرتی ہو؟ آؤ کھانا کھالیں —!"

شبنم خاموش بیٹھی جانے کیا سوچتی رہی۔

"اٹھو بھی ——!" انجم نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"یہ عمران کہاں رہ گیا ——؟ اس نے بھی تو کھانا نہیں کھایا ہے۔"

"وہ پڑوس میں واجد کے پاس پڑھنے گیا ہے۔"

"تھوڑی دیر انتظار کر لو اس کا۔"

"نہیں وہ کہہ گیا ہے میں دیر سے آؤں گا۔"

"اچھا ——!" شبنم کھڑی ہو گئی۔

کھانے کے دوران بالکل خاموشی رہی۔ ان دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے سے بات نہیں کی۔ کھانا کھا کر شبنم امی کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ دیوار کی طرف منہ کئے لیٹی تھیں۔ اس نے جھک کر ان کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ شاید نیند آگئی تھی۔

اس نے میز پر رکھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا اور بڑی کاہلی سے کرسی پر بیٹھ گئی

وہ ایک لمحوں بعد ہی ذہن سوچوں کے تانے بانے میں الجھنے لگا۔ اسے دور دراز لیبیا میں بسے ہوئے سلیمان بھائی، بھابی اور ان کے بچوں کا خیال آگیا۔

کاش وہ لوگ یہاں ہوتے ——!

بڑی بھابی کتنی شفیق، پر خلوص اور نیک ہیں۔ سلیمان بھائی بھی ہم سب کو بے پناہ چاہتے ہیں اور ایک ریحان بھائی اور چھوٹی بھابی ہیں ——

لیکن کیا خبر ——؟ سلیمان بھائی اور بڑی بھابی کا سلوک بھی ایسا ہی ہوتا ہے اگر وہ ہم لوگوں کے ساتھ ہی رہتے ہوتے۔ دور کے ڈھول ہمیشہ سہانے ہوتے ہیں۔

مگر امّی تو کہتی ہیں شادی کے بعد بڑی بھابی پانچ چھ سال ساتھ رہیں۔ ایک دن بھی انہوں نے ایسی بات نہیں کی جو دوسروں کی دلآزاری کا باعث ہو۔ تب میں اور نجو تو بہت چھوٹے تھے۔

بقول امّی کے بڑی بھابی نے تو انہیں رانی ہی بنا دیا تھا۔ ہل کے پانی بھی نہیں پینے دیتی تھیں۔ ہر کام اپنے ہاتھوں سے بڑی خوشی خوشی کرتی تھیں۔ امّی ایک دفعہ بہت بیمار پڑ گئی تھیں تو ساری ساری رات ان کے سرہانے بیٹھ کر گزار دیتی تھیں۔ میں، عمران اور نجو تب بہت چھوٹے تھے مگر بالکل اپنی اولاد کی طرح خیال رکھتی تھیں۔

چھوٹی بھابی ــــ کاش آپ بھی اپنی سوچوں کا دھارا بدل دیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ امّی کو ملکہ، ہمیں شہزادیاں بنا کر بٹھا دیں اور خود نوکرانیوں کی طرح تمام کام کریں ــــ لیکن خدارا! یہ طنزیہ اور جلی کٹی باتیں کرنا چھوڑ دیجیے۔ بات بے بات فساد کھڑا کر کے گھر کے ماحول کو ناخوشگوار بنانا چھوڑ دیجیے۔ کیا آپ کے دل میں شفقت و محبت جیسے جذبات نہیں ہیں؟

ہم لوگ آپ کے اوپر مکمل بوجھ بنے ہوئے ہوتے تو پھر بھی اس سلوک کی گنجائش تھی لیکن سلیمان بھائی اور ذیشان بھائی ہر ماہ اتنی رقم بھیج دیتے ہیں کہ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گھر کا کل خرچہ آپ لوگوں کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ امّی بے چاری تو کبھی ان دونوں کی بھیجی ہوئی رقم کا حساب بھی نہیں مانگتیں۔

چھوٹی بھابی ۔۔۔! کیا آپ کے بدلنے کی کوئی امید نہیں ہے؟

آپ شروع میں تو ایسی نہیں تھیں۔ شادی کے ایک سال بعد تک آپ کا سلوک ہم لوگوں کے ساتھ بہت اچھا رہا۔ مجھے یاد ہے ہم لوگ بڑی چاہت سے آپ کو دلہن بنا کر گھر لائے تھے۔ تب میں نویں جماعت میں پڑھتی تھی۔

اور پھر ۔۔۔ ایک دم ہی اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

"شبنم! پانی پلانا بیٹی ۔۔۔!"

وہ امی کی آواز پر چونک پڑی۔

"اچھا امی ۔۔۔!"

"تم اب تک جاگ رہی ہو؟" امی نے اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔ نیند نہیں آ رہی ۔۔۔!"

امی نے پانی کا گلاس منہ سے لگاتے ہوئے اس کے مضمحل چہرے کی طرف دیکھا۔

"عمران آ گیا ۔۔۔؟"

"ابھی نہیں آیا۔"

اس نے گلاس لے کر میز پہ رکھ دیا اور باہر برآمدے میں آ گئی۔ برآمدے کی ریلنگ کے قریب رک کر اس نے گیٹ کی طرف دیکھا اور اس کا ذہن پھر بھٹک گیا۔

'معلوم نہیں ذیشان بھائی کب واپس آئیں گے؟'

'انہیں جرمنی گئے ہوئے چار سال ہو چکے تھے۔'

"مگر کیا کریں گے واپس آکر — وہاں عیش کر رہے ہیں۔ صحت بھی ماشاءاللہ بہت اچھی ہو گئی ہے۔" اسے ان کی حال ہی میں بھیجی ہوئی تصویر کا خیال آ گیا۔ امی کے پاس ابّا میاں کی جوانی کی ایک تصویر اس نے دیکھی تھی۔ اس نے ذیشان بھائی کی تصویر دیکھتے ہی دل میں سوچا تھا — ابّا میاں کی جوانی کی کاپی!!

اس نے سوچا، ابّا میاں کی جوانی کی اس نے تصویر تو دیکھی ہے لیکن — ادھیڑ عمری کی نہ تصویر دیکھی نہ تصویر کو جیتے جاگتے روپ میں دیکھا ہے۔ اب تو زندگی بھر وہ ابّا میاں کا کوئی روپ نہ دیکھ سکے گی۔

ابّا میاں کا خیال آتے ہی اس کے سینے میں دکھ کی ایک شدید لہر سی اٹھی اور زندگی کے اس خلاء کا احساس ہوا جسے وہ بچپن سے اب تک محسوس کرتی آئی تھی۔ باپ کی شفقت اور محبّت کیا چیز ہوتی ہے —؟ کیسی ہوتی ہے —؟ وہ اور انجم دونوں اس سے بالکل ناآشنا تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اور انجم ایک دوسرے کے بے حد قریب تھیں اور ایک دوسرے کے احساسات وجذبات کو زیادہ اچھی طرح سمجھتی تھیں۔

انجم کو اگرچہ کورس کی کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں کو دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود شبّو نے انجم کو بارہا ابّا میاں کی لائبریری میں کتابوں کو بڑی عقیدت سے چھوتے اور ان کے اوراق الٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ کئی دفعہ شبّو نے یہ بھی دیکھا تھا کہ سنسان، گرم دوپہر کے سنّاٹوں میں انجم لائبریری کے کسی گوشے میں

بالکل گم سم بیٹھی اّبا میاں کی اس تصویر کو دیکھے جاتی جو مشرقی دیوار کے وسط میں لگی ہوئی تھی۔ بڑی سی تصویر ــــ جس کی آنکھوں میں ذہانت و فراست کے بے پناہ ذخائر پوشیدہ تھے۔

'اللہ میاں ــــ! آپ نے اّبا میاں کو ہم سے چھین کر ہرگز اچھا نہیں کیا'، شبنم کی سوچوں کے دھارے اسے پھر اّبا میاں کی سمت لے آئے تھے۔

'تم پھر اّبا میاں کے متعلق سوچنے لگی ہو شبّو رانی ــ!' اس نے اپنے آپ سے کہا اور اپنے سر کو جھٹک کر ریلنگ کے قریب سے ہٹ گئی۔ تبھی گیٹ کے قریب اسے عمران نظر آیا۔ وہ عمران کے ساتھ اندر آ گئی۔

"کھانا کھا لو عمران!"

"نہیں، میں نے واجد کے یہاں کھا لیا ہے۔"

"کیوں؟"

"اس کی امّی بہت اصرار کر رہی تھیں۔"

عمران امّی کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

'بے چارہ عمران ــــ! اس کے لئے تو امّی ہی سب کچھ ہیں۔ اس نے نہ تو اپنی ماں کی محبت دیکھی ہے اور نہ باپ کی ــ! کیا چھوٹے ماموں اور ممانی کی زندگی کے دن اتنے تھوڑے تھے ــــ؟' شبنم نے بڑی افسردگی سے سوچا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

چند لمحے وہ کمرے کے وسط میں بڑی مضمحل سی کھڑی رہی۔ پھر ٹیبل لیمپ جلا کر پڑھنے کے لئے بیٹھ گئی۔ انجم اپنے بستر پر چپ چاپ لیٹی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سوچوں کے سائے بہت طویل اور گہرے تھے۔

'ہم دونوں کی قسمت میں شاید زندگی بھر صرف سوچنا ہی لکھا ہے ——'، شبنم نے سوچا اور اپنی کاپی کھول کر نوٹس پڑھنے لگی۔

اور — اس روز کالج سے واپسی پر اسے پھر کچھ دیر ہوگئی تھی۔ کلاسیں ختم ہونے کے بعد وہ لائبریری میں بیٹھی دوسرے دن کے ٹیسٹ کی تیاری کرتی رہی۔ کتاب کھول کر پڑھنے بیٹھی تو اسے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ اور جب ہوش آیا تو وہ ایک دم ہی خوفزدہ سی ہوگئی۔ جلدی جلدی کتابیں سمیٹ کر باہر آگئی۔

"معلوم نہیں، اب بس کے لئے کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا؟" اس نے بس اسٹاپ کی طرف جاتے ہوئے سوچا۔

اور اس دن صبح صبح ہی بس کے انتظار نے اسے بے حد تھکا دیا۔ ناظم آباد جانے والی ہر بس اتنی بھری ہوئی آرہی تھی کہ بس کی طرف قدم اٹھانے کی اسے

ہمت بھی نہ ہوئی۔ فٹ بورڈ پر کھڑے ہوکر آنے جانے سے اسے ہمیشہ بہت ڈر لگتا تھا۔ اپنی موت سے تو وہ کبھی بھی خوفزدہ نہیں ہوئی تھی لیکن اپاہج ہوکر دوسروں کے رحم و کرم پر بے بسی کی زندگی گزارنے سے اسے بہت خوف آتا تھا۔

بڑی مشکل سے اسے ایک بس میں فٹ بورڈ سے اوپر اندر کی طرف جانے کی جگہ ملی تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ تمام راستے وہ یہی سوچتی رہی کہ کہیں آج پھر بھابی کا موڈ خراب نہ ہوگیا ہو۔ اس کے اور انجم کے دیر سے گھر آنے پر وہ بہت چڑتی تھیں۔ یہ نہیں سمجھتی تھیں کہ ہر روز بسوں کی مصیبت اٹھا کر کالج سے گھر اور گھر سے کالج جانا ماؤنٹ ایورسٹ کو فتح کرنے سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔

وہ کچھ سہمی ہوئی سی گیٹ میں داخل ہوئی۔ سامنے ہی سکوٹر کھڑا نظر آیا۔

'ہارون بھائی آئے ہوں گے۔'

وہ آہستہ قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس نے ایک نظر بھابی کے کمرے کی طرف دیکھا۔ سب کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔

'ممکن ہے اپنے میکے گئی ہوں —!' یہ سوچ کر اس کے دل کو قدرے اطمینان ہوا۔

"آج تمہیں بڑی دیر ہوگئی شبّو —!"

شبنم کے کمرے میں داخل ہوتے ہی انجم نے کہا۔

"ہاں ——!" شبنم نے کتابیں میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں —؟"

"کچھ دیر لائبریری میں ہوئی۔ کچھ دیر بس کے انتظار میں!"

"جب لائبریری میں رکنے کا پروگرام ہو تو کہہ جایا کرو۔"

"اچھا ——!"

"امی اور اسماء باجی بے حد پریشان ہو جاتی ہیں۔"

"اور تم —— ؟"

"میں تو تمہاری دشمن ہوں نا! اس لئے میرے پریشان ہونے کا کیا سوال؟"

انجم ناراض ہو گئی۔

"ناراض ہو گئیں؟"

"نہیں جی، بہت خوش ہوئی۔"

"ارے بیوقوف! اتنی معمولی سی بات پر ناراض ہو گئی —— تجھ سے زیادہ کون دوست ہے میرا ——؟" شبنم کی آنکھوں میں پیار امنڈ آیا۔

"جاؤ جی —— دل جلا کے رکھ دیا تم نے ہمارا؟"

"مگر غلطی تمہاری ہے بجو —— ! تم نے تو صرف امی اور اسماء باجی کا نام لیا تھا۔"

"اچھا بابا —— ! چلو میری ہی غلطی ہے۔ اب ختم کرو اس بحث کو۔!"

"بہت بہتر ——!"

"اور جا کے کھانا کھاؤ ـــــ"

"جو حکم ہو سرکار کا ـــــ!"

"پہلے امّی اور اسماء باجی کو اپنی شکل دکھا دو۔ بہت پریشان ہیں۔"

"اور کچھ ـــــ؟"

"بس، اور کچھ نہیں ـــــ!"

"بھابی نہیں ہیں نا گھر میں ـــــ؟"

"نہیں ـــــ بچوں سمیت اپنے گھر گئی ہیں۔" انجم نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہا۔

شبنم کپڑے بدل کر امّی کے کمرے میں آگئی۔ اسماء باجی اور ہارون بھائی بھی وہیں موجود تھے۔

"آگئیں سوئٹ نگر کی رانی ـــــ!" ہارون بھائی نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

"ہاں صاحب، آگئے!"

"جاؤ، کھانا کھاؤ۔" امی نے کہا۔

"اب تو شام ہو رہی ہے امّی۔ کھانے کا وقت کہاں ہے؟"

"تھوڑا سا کھا لو۔ صبح سے بھوکی ہو۔"

"اچھا ـــــ!" شبنم اسماء باجی کے بستر پر پڑا ہوا رسالہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"رسالہ کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ پھر دیکھ لینا۔ جاؤ کھانا کھاؤ۔" اسماء باجی نے

رسالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

شبنم نے منہ بسور کر ان کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آئی تو ہارون بھائی وہاں موجود تھے۔ بک شیلف کے قریب کھڑے کتابیں دیکھ رہے تھے۔ قدموں کی آہٹ پر انہوں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"چائے نہیں پلاؤ گی؟"

"انجم بنا رہی ہے۔"

"تم بھی کچھ کام کرتی ہو؟"

"ہاں — بہت کچھ — !"

"مثلاً —"

"شام کا کھانا پکاتی ہوں۔"

"ارے بس رہنے دو۔ میں تو جب بھی آتا ہوں اسماء کو ہی باورچی خانے میں دیکھتا ہوں —"

"وہ، دراصل بات یہ ہے ہارون بھائی کہ میں اکثر و بیشتر کالج سے آکر اس قدر تھک جاتی ہوں کہ اسماء باجی کو مجھ پر ترس آجاتا ہے اور وہ ۔ ۔ ۔ ۔"

"کیوں —؟ کیا ہل چلاتی ہو کالج میں؟"

"پڑھنا لکھنا ہل چلانے سے کسی طرح کم نہیں —"

"اچھا — ؟"

"ہاں بالکل — !"

"مگر بھئی — یہ اسماء کے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔ صبح کا بھی سارا کام وہی کرتی ہے۔ بھابی تو صرف نام کرنے کو باورچی خانے میں آجاتی ہیں۔"

"کہتے تو آپ ٹھیک ہی ہیں — !"

"لیکن — ؟"

"لیکن یہ کہ میں تو اسما باجی کو بہت منع کرتی ہوں کہ وہ شام کا کام نہ کیا کریں مگر مجھے تھکا ہوا دیکھ کر۔۔۔۔ !"

"اب تم خواہ مخواہ ہی اپنے آپ کو تھکا ہوا پوز کرنے لگو تو اس کا کیا علاج — ؟"

"اچھا میں پوز کرتی ہوں — ؟" شبنم ناراض ہوگئی۔

"بالکل — !"

ہارون بھائی نے اس کی ناراضگی کی بالکل پروا نہ کی۔

"ٹھیک ہے — اب میں اسماء باجی کو کسی کام میں بھی ہاتھ نہیں لگانے دیا کروں گی — !"

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔"

"پڑھنا لکھنا سب چھوڑ دوں گی۔"

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔"

"آخر آپ میرے لکھنے پڑھنے سے کیوں خار کھاتے ہیں؟"

"دراصل میں تمہاری قابلیت سے بہت خائف ہوں۔"

"کیوں مذاق اڑاتے ہیں۔"

"حقیقت بیان کر رہا ہوں۔"

"شبنم چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی۔

"تم واقعی بہت عالم فاضل ہو شبنم میری بات کو مذاق مت سمجھو۔"

شبنم پھر بھی کچھ نہیں بولی۔

"اب دیکھو نا! تم پڑھتی تو انٹر میں ہو لیکن تمہاری معلومات کا یہ عالم ہے سقراط، ارسطو، افلاطون، آدم اسمتھ، ہیگل۔ کانٹ، نٹشے، ٹیگور، گوتم کنفیوشش اور لاؤ تزے کے بارے میں جتنا کچھ تم جانتی ہو ہیں یا اسماء ہرگز نہیں جانتے۔"

"لیکن آپ کو اپنی ڈاکٹری کی کتابوں ہڈیوں اور ڈھانچوں سے کب فرصت ملی ہوگی جو آپ ان مفکرین کے فلسفے کا مطالعہ کرتے ـــــ!"

"اسماء۔ تو آرٹس کی اسٹوڈنٹ رہی ہے۔ اس بے چاری کی معلومات تو صفر کے برابر ہیں ـــــ!"

"خیر یہ تو بالکل غلط کہہ رہے ہیں آپ ـــــ!"

"گننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو بی۔ اے پاس کر چکی ہے اور تم انٹر میں ہو۔ تمہارے مقابلے میں اس کی معلومات بہت محدود ہیں۔"

"اُفوہ بھئی ___ چھوڑیئے اس ذکر کو ___!" شبنم اکتا کر بولی۔

"نہیں شبّو رانی! یہ کیس بہت سیریس ہے ___!"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہاری عمر کی لڑکیوں کا دماغ تو گڈے گڑیوں کے بیاہ اور شرارتوں میں اور پھر ظالم بادشاہ، بہادر شہزادہ، بدنصیب شہزادی جیسی کہانیوں میں الجھا رہتا ہے۔"

"خیر۔ اب ایسا اندھیر بھی نہیں ہے ___!"

"تمہاری ہم عمر لڑکیاں نہ تو ہر وقت سوچوں میں ڈوبی رہتی ہیں اور نہ ہی فلسفے، قانون اور سیاست کے چکّر میں الجھی رہتی ہیں۔"

"فرصت کے اوقات میں انسائیکلوپیڈیا دیکھ کر اگر دو چار باتوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو گئیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں عالم فاضل ہو گئی۔"

"یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بڑی بی۔ تم تو اپنی قدر ہی نہیں کرتیں۔"

"آپ تو کرتے ہیں میری قدر!" شبنم مسکرائی۔

"کیا کریں بھئی ___ غیر معمولی بات کی طرف تو ہر شخص کو متوجہ ہونا ہی پڑتا ہے۔"

"اچھا بابا کان پکڑتی ہوں۔ اب کسی کے سامنے اس قسم کی بات نہیں کرونگی۔"
"کیا بحث ہو رہی ہے آپ دونوں میں؟" انجم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ارے نجو بی بی۔۔۔! ہماری سوچ نگر کی رانی کی پرواز بہت بلند ہے۔" ہارون بھائی نے انجم کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہارون بھائی۔۔۔ کوئی ہو بھی ہماری شبو جیسا۔ مجھے تو بڑا فخر ہے اپنی آپا پر۔۔۔!" انجم نے بے حد پیار سے شبو کی طرف دیکھا۔

ہارون بھائی جانے کن سوچوں میں ڈوب گئے؟

"اسماء باجی کیا کر رہی ہیں؟" شبنم نے انجم سے پوچھا۔

"کھانا پکانے کی تیاری کر رہی ہیں۔"

"بھئی۔۔۔ یہ تو زیادتی ہے۔ میں ان کو منع کرتی ہوں۔" شبنم کمرے سے باہر چلی گئی۔

اسماء باجی کہتی رہی کہ تم تھکی ہوئی ہو، میں پکا لوں گی کھانا۔ مگر شبنم نے ان کی ایک نہ سُنی۔

اور تب۔۔۔ وہ روٹیاں پکا رہی تھی ہارون بھائی باورچی خانے میں آگئے۔

"اچھا۔۔۔ سوچ نگر کی رانی۔۔۔! اب ہم چلتے ہیں۔"

"کھانا کھا کر جائیے گا ہارون بھائی۔"

"پھر کبھی سہی — !"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"تم کب آ رہی ہو گھر؟"

"آجاؤں گی کسی دن۔ امّی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے — !"

"اچھا — خدا حافظ!"

"خدا حافظ! خالہ امّی، بھابی اور فاروق بھائی کو سلام کہئے گا — !"

"اچھا — !" ہارون بھائی نے باورچی خانے کے دروازے کے قریب رُک کر سگریٹ سُلگایا اور لائٹر جیب میں رکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

"ہارون بھائی — !" شبنم نے انہیں پکارا۔

"ہوں — !" ہارون بھائی نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اب تو آپ نے دیکھ لیا کہ میں بھی تھوڑا بہت کام کرتی ہوں۔"

"ہاں۔ میرے اُوپر رعب جمانے آگئی ہو باورچی خانے میں۔"

"چلئے یہی سہی۔" شبنم مسکرائی۔

ہارون بھائی مسکراتے ہوئے چلے گئے۔"

ان دنوں شبنم، عمران اور انجم کے سالانہ امتحان ہو رہے تھے۔ بڑی سنجیدگی کے ساتھ تینوں اپنی کتابوں میں سر دیئے بیٹھے رہتے تھے۔ اسما۔ باجی نے بی۔اے کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ گھر کا سارا کام انہوں نے اور امّی نے سنبھال رکھا تھا۔ بھابی کو تو گھومنے ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی۔

شبنم جس روز آخری پرچہ دے کر آئی تو اسے محسوس ہوا جیسے سر سے منوں بوجھ اُتر گیا ہو۔ وہ بے حد سکون کے ساتھ شام کو دیر تک سوتی رہی۔ مغرب کے وقت انجم کے بے تحاشا جھنجھوڑنے پر ہی اس کی آنکھ کھلی۔ پھر بھی پانچ دس منٹ وہ بڑی کاہلی سے بستر میں پڑی رہی۔

"اب اٹھ جاؤ شبّو! خالہ امّی کب سے آئی بیٹھی ہیں۔"

"اور کون ہے ؟"

"یاسمین بھابی بھی آئی ہیں۔"

"ارے تو مجھے پہلے کیوں نہیں اٹھایا؟" شبنم ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ انجم کھڑکی کے پردے ایک طرف سرکا کر کمرے سے باہر چلی گئی اور شبنم منہ دھوتے ہوئے یاسمین بھابی کے متعلق سوچتی رہی۔

یاسمین بھابی اسے بہت پسند تھیں۔ فاروق بھائی اور یاسمین بھابی کی لَومیرج ہوئی تھی۔ فاروق بھائی پائلٹ تھے اور یاسمین بھابی ایئر ہوسٹس! ملازمت کے دوران ہی ان دونوں کی دوستی ہوئی تھی اور پھر یہ دوستی ایک دوسرے کی چاہت میں بدل گئی۔ یہ سب کچھ اتنی آہستہ آہستہ ہوا کہ شروع میں ان دونوں کو خبر ہی نہ ہوئی کہ ان دونوں کے قدم کس سمت اُٹھ رہے ہیں۔ اور جب احساس ہُوا تو بات بہت آگے بڑھ چکی تھی ۔۔۔ مگر فاروق بھائی اس بات کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے کہ وہ یاسمین کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوب چکے ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ یاسمین تو صرف ان کی دوست ہے۔ اس سے شادی کرنے کے بارے میں تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا لیکن دِل کے خاموش ایوان میں جانے کیوں ہر لمحہ یاسمین کے مدھم مدھم قدموں کی چاپ گونجتی تھی۔ نفس کے تار ہر لمحے بجتے ہوئے جانے کیوں پکارتے تھے؛ یاسمین ۔۔۔! یاسمین ۔۔۔! ان کا ذہن اور دماغ فرصت کے لمحات میں جانے

کیوں صرف یاسمین کے بارے میں سوچتا تھا۔ یاسمین کے بارے میں اُن کے احساسات، خیالات اور جذبات اتنے عجیب سے ہو گئے تھے کہ ابتدا میں وہ سخت ذہنی کشمکش کا شکار رہے۔ ان احساسات اور جذبات کو جب انہوں نے دوستی کا نام دینے کی کوشش کی۔ تو ذہن، دل اور دماغ نے "نہیں" "نہیں" کی تکرار کی۔

"پھر ان احساسات اور جذبات کو آخر کیا نام دوں ۔۔۔؟" انہوں نے سوچا۔ ذہن، دل اور دماغ کے نہاں خانوں میں مدھم مدھم سی سرگوشیاں اُبھریں محبت ۔۔۔ الفت ۔۔۔ چاہت!

"نہیں ۔۔۔ یہ بالکل غلط ہے ۔۔۔" وہ جھنجلا گئے۔

"نہیں یہ بالکل سچ ہے ۔۔۔! دوستی نے روپ بدل لیا ہے۔" دل نے کہا۔ اگر یہ سچ ہے

"اگر یہ سچ ہے تو یہ بہت بُرا ہوا۔" وہ پریشان ہو گئے "امی ہرگز پسند نہیں کریں گی کہ ان کی بہو ایک ایئر ہوسٹس ہو۔"

اور پھر ۔۔۔۔ انہوں نے یاسمین سے کترانا شروع کر دیا لیکن دل تھا کہ اس سے دور رہ کر غم کے ویران صحراؤں میں بھٹکنے لگتا تھا۔ ہر لمحہ ایک خلش، ایک چبھن سی رگِ جاں کے قریب محسوس ہوتی تھی۔ دماغ تھا کہ ہر لمحہ اُلجھا ہی رہتا تھا۔ دل کو بھی سمجھانے کی کوشش کی اور دماغ کو بھی ۔۔۔!

لیکن نہ دل ہی سمجھنے پر آمادہ تھا اور نہ دماغ — ! اور تب انہیں بڑی شدّت سے یہ احساس ہوا کہ یاسمین کو کھو کر مرتے دم تک وہ زندگی میں ایک خلاء سا محسوس کریں گے — پھر — کتنی منّتوں اور سماجتوں سے وہ اپنی امّی کو راضی کر سکے تھے۔

"امّی۔آپ اسے غلط نہ سمجھیں۔ وہ کوئی بُری لڑکی نہیں ہے۔ بہت نیک اور معصّوم ہے۔ آپ نہیں جانتیں اُس نے کن حالات کے تحت مجبور ہو کر یہ لائن اختیار کی ہے۔ اس کے ناتواں کندھوں پر اس وقت پانچ افراد کی کفالت کا بوجھ تھا۔ مظلوم لڑکی اگر یہ راہ اختیار نہ کرتی تو اس کے بھائی بہنیں اور ماں در در کی ٹھوکریں کھانے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جاتے۔ بُرا وقت آتا ہے تو اپنے پرائے سب آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ اس نے بڑی ہمت سے اپنی ذمّہ داریوں کو نبھایا ہے اور آج اپنے بھائیوں کو اس قابل کیا ہے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں — اور پھر — آپ کی بہو بننے کے بعد وہ اس کام کو چھوڑ دے گی۔ وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے جو محض شوقیہ طور پر اور دنیا زمانے کی سیر کرنے کے لیئے یہ پیشہ اختیار کر لیتی ہیں۔"

کتنے دنوں تک فاروق بھائی اپنی امّی کی خوشامد کرتے رہے اور آخر وہ ہار گئیں — اور جب — یاسمین ان کی بہو بن کر آگئی تو تھوڑے

دنوں بعد آہستہ آہستہ اس کی خوبیاں سب پر واضح ہوگئیں۔ اتنا سلیقہ، اتنا سگھڑاپا —! سب دنگ ہی تو رہ گئے! — اور پھر — اخلاق اور خلوص نے تو سب کے دل جیت لیئے۔

شبنم تو یاسمین بھابی کی دیوانی تھی۔ اپنی سگی بھابیوں سے اتنی محبت اسے نہیں تھی جتنی یاسمین بھابی سے — ہاں! اس کی اپنی بھابی کو تو یاسمین ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی کیونکہ وہ تو فاروق بھائی کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کرنے کے خواب، دیکھ رہی تھیں۔

اور اب جبکہ فاروق بھائی کے ساتھ بندھی ہوئی امید ٹوٹ چکی ہے تو چھوٹی بھابی ہارون بھائی کے لیئے آس لگائے بیٹھی ہیں۔ جبھی آئے دن اپنی بہنوں کو یہاں بلا بلا کر رکھتی ہیں! شبنم نے طنز سے سوچا اور چوٹی کو آخری بل دے کر کمرے سے باہر آگئی۔ امّی کے کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ شبنم ادھر ہی چلی گئی۔

"نیند پوری ہوگئی تمہاری؟" یاسمین بھابی نے کہا۔

"نیند پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن آپ کی آمد کے متعلق سن کر تو مابدولت ایک منٹ بھی نہیں لیٹ سکتے تھے۔"

"ہاں جبھی —! مجھے آئے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا اور تم نے خبر بھی نہ لی۔"

"لیکن مجھے تو ابھی کچھ دیر پہلے ہی معلوم ہوا کہ آپ آئی ہیں۔"

"پرچے کیسے ہوئے شبنم ؟" خالہ امی گھر میں داخل ہوتے ہوئی بولیں۔
"تسلیم خالہ امی! بس آپ کی دعا سے ٹھیک ہی ہو گئے ہیں پرچے۔"
"اب تو فرصت ہی فرصت ہے تمہیں!"
"جی ہاں!"
"پھر آج میرے ساتھ چلی چلو۔"
"آج نہیں!"
"پھر کب؟"
"تین چار روز بعد!"
"تین چار روز بعد کیوں؟" یاسمین نے پوچھا
"بس یونہی۔"
"نہیں۔ ہم تو آج ہی لے جائیں گے۔"
"کہیں ایسا نہ ہو بھابی، میں آپ کو ہی روک لوں۔"
"نہیں بھئی ہم بالکل نہیں رکیں گے۔"
"ہاں آپ فاروق بھائی کے بغیر بھلا کہاں رک سکتی ہیں!"
شبنم نے انہیں چھیڑا۔
"یہ بات نہیں ہے۔" یاسمین بھابی جھینپ گئیں۔
"پھر کیا بات ہے؟"

"بس ایسے ہی!"

"بس تو ایسے ہی ہم بھی نہیں جائیں گے۔" شبنم مسکرائی۔ تبھی چھوٹی بھابی اندر آگئیں۔

"تم نے ابھی چائے نہیں پی شبنو ——؟" بھابی کا موڈ آج خاصا اچھا تھا۔

"ابھی نہیں پی۔"

"جاؤ پی لو ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"باقی لوگوں نے پی لی؟"

"ہاں سب پی چکے۔"

"آپ لوگوں کے لئے اور چائے بناؤں خالہ امی؟"

"نہیں بیٹی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو پی ہے۔"

"اچھا۔ جیسی آپ لوگوں کی مرضی!" شبنم کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولی۔

اس دن اسماء باجی نے خالہ امی اور یاسمین باجی کو کھانے پر روک لیا۔ رات کو تقریباً نو بجے وہ دونوں واپس گئیں تو شبنم ڈائجسٹ کا تازہ شمارہ لے کر اپنے بستر پہ دراز ہو گئی۔ انجم، عمران اور اسماء باجی تاش کھیلنے میں لگے ہوئے تھے۔

"آپی ——!" عمران نے پتہ پھینکتے ہوئے شبنم کی طرف دیکھا۔

"ہوں!"

"ہم تینوں کے لئے چائے بنا لاؤ!"

"افوہ بھئی عمران! تم نے بہت غلط وقت پر مجھ سے کام کے لئے کہا ہے"

"غلط وقت پر ــــ ؟"

"ہاں جس وقت میرے ہاتھ میں کوئی کتاب ہوا کرے مجھ سے کسی کام کے لیئے مت کہا کرو۔"

"اچھا۔ آئندہ خیال رکھیں گے مگر اس وقت تو ۔۔ ۔۔ !"

"پلیز عمران ــــ! اس وقت بغیر چائے کے ہی کام چلا لو۔"

"بہت مشکل ہے آپی۔۔"

"دنیا میں کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔" شبنم نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"آئی ایم سوری آپی! آپ کی فلسفیانہ باتیں چائے کی کمی کو پورا نہیں کر سکتیں۔"

شبنم سوچ میں پڑ گئی۔

"کن سوچوں میں گم ہو گئیں؟" انجم مسکرائی۔

"ہاں ــــ!" شبنم چونک گئی۔

"یا اللہ! یہ لڑکی تو ایک سیکنڈ میں معلوم نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے ــــ؟" اسماء باجی نے کہا۔

اور یہ حقیقت تھی کہ فلسفیانہ باتوں کا لفظ سنتے ہی شبنم کا ذہن خلیل جبران کے فلسفہ "زندگی، قوانین اور مذاہب" میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

"اگر آپ اپنے موشخ نگر کی سیر کا لطف اٹھا رہی ہیں تو میں چائے بنا لاتا ہوں۔"

"جاؤ بنا لاؤ!"

"آپ اتنی دیر میری جگہ کھیلئے۔"

"کیوں جیتی ہوئی بازی ہارنا چاہتے ہو عمران!" انجم نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے عقلمند انسان کہ اگر یہ محترمہ سوشخ نگر کی سیر کرتے میں الٹے سیدھے پتّے پھینکنے لگیں تو بس تمہارا کباڑا ہو جائے گا۔"

"بہت بری بات ہے۔ تم دونوں تو اس کے پیچھے ہی پڑ گئے۔" اسماء باجی نے شبّو کی حمایت لی۔

"برا تو نہیں مانا آپی؟" عمران نے پوچھا۔

"بالکل نہیں جناب!"

"بس! پھر اسی بات پہ چائے بنا لایئے!"

"تم پیچھا نہیں چھوڑو گے نالائق!" شبنم نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

عمران نے کنکھیوں سے اسے کمرے سے باہر جاتے ہوتے دیکھا اور انجم کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

اور چائے بناتے ہوئے شبنم کا ذہن خلیل جبران کے فلسفۂ محبت میں

اُلجھ گیا۔

"محبت ایک جبلی کمزوری ہے جسے ہم نے ابوالبشر سے وراثت کے طور پر حاصل کیا۔ محبت ایک عزم ہے جو ہماری زندگی کا ہم رکاب ہے اور ماضی کو مستقبل کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔ محبت ایک کثیف دُھند ہے جو روح کو ڈھانپ لیتی ہے اور زندگی کے مناظر کو اس کی نظروں سے چھپا دیتی ہے جس کے سبب وہ پتھریلی چٹانوں میں گم ہو کر اپنی آرزوؤں کے سائے کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتی اور وحشت و بربادیوں کی وادیوں سے اپنی آواز کے سوائے اور کسی چیز کی صدائے بازگشت نہیں سنتی۔ محبت ایک نادانی ہے جو شباب کی صبح کے ساتھ نمودار ہوتی ہے اور شام کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے —" شبنم نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جبران کے فلسفۂ محبت کو یاد کیا۔

"اگر وقت اور زمانہ فلسفیوں کو پیدا نہ کرتا تو زندگی کے کتنے ہی رازوں پر پردہ پڑا رہتا۔" شبنم نے چائے دانی میں پانی ڈالتے ہوئے سوچا۔

"لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ فلسفی اپنے دل و دماغ، ذہن اور روح کو نچوڑ کر دنیا والوں کو زندگی کے حقائق سے آشنا کرتا ہے اور دنیا والے اس کی ناقدری کرتے ہیں۔"

"حقائق ہمیشہ تلخ ہوتے ہیں۔ دنیا میں کتنے انسان ہیں جو تلخیوں کو ہنسی خوشی برداشت کرتے ہیں۔" اس نے ٹی کوزی کو چائے دانی پر ڈھانکتے ہوئے

سوچا۔" انسان کی زندگی میں ہمیں اس کی قدر کا احساس نہیں ہوتا۔ چاہے کوئی کتنا ہی بڑا فنکار ہو، شاعر ہو، ادیب ہو یا فلسفی اور مصلح! خلیل جبران نے اس موقع کے لیے کتنی اچھی بات کہی ہے:

"ہمیشہ موت ہی حقیقت کے چہرے سے نقاب الٹتی ہے اور اگر درحقیقت موت کے ذریعے میری حقیقت پہچاننی چاہتے ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ میری زبان پر ہے اس سے کہیں زیادہ میرے دل میں ہے اور جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس سے کہیں زیادہ میری تمناؤں میں ہے۔"

شبنم خلیل جبران کے فلسفے کو دل ہی دل میں سراہتے ہوئے ٹرے اٹھا کر باورچی خانے سے نکل گئی۔ کمرے میں بڑے زور و شور سے کھیل جاری تھا۔ اس نے چائے بنا کر ان تینوں کے سامنے رکھ دی اور دوبارہ ڈائجسٹ اٹھا کر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

پھر اس رات تقریباً دو بجے تک وہ جونک کی طرح ڈائجسٹ سے چمٹی رہی اور شروع سے لے کر آخر تک اسے ختم کر کے ہی دم لیا۔ ڈائجسٹ ختم ہو گیا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے اب بھی کوسوں دور تھی۔ وہ اٹھ کر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔ رات اپنا آنچل پھیلائے چپ چاپ کھڑی تھی۔ درختوں میں بڑی مدھم سی سرگوشیاں تھیں۔ چنبیلی اور رات کی رانی کی سگندھ چاروں طرف بکھری ہوئی تھی۔ "عنبر ہاؤس" کی دیوار پر کیلے کے جھالر دار پتوں کے لہراتے ہوئے سائے

طویل اور بلند ہو گئے تھے۔ چاندنی کا روپہلا غبار زمین پر برس رہا تھا۔ چاند بلند ہو گیا تھا اور خاموش آسمان پر ابرِ طبقی [1] ہیکل روحوں کی مانند بکھرے ہوئے تھے۔

٭

---

[1] ابرِ طبقی سب سے کم بلند بادل ہوتے ہیں۔ تہ در تہ دکھائی دیتے ہیں۔ عموماً غروبِ آفتاب کے بعد ہی آسمان پر نمودار ہوتے ہیں اور سورج طلوع ہونے سے پیشتر غائب ہو جاتے ہیں۔

اور ــــ اس روز جب شبنم عمران کے ساتھ خالہ امی کے گھر پہنچی تو شام ہو چکی تھی۔ گھر میں سوائے خالہ امی کے اور کوئی نہیں تھا۔ یاسمین بھابی اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ فاروق بھائی ڈیوٹی پر تھے اور ہارون بھائی ہاسپٹل گئے ہوئے تھے۔ خالہ امی اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ بیچاری تنہائی میں بور ہو رہی تھیں۔

"بڑے اچھے وقت پہ آئیں شبو!"

"آپ تنہا بور ہو رہی تھیں؟"

"ہاں ــــ!"

"یاسمین بھابی کو کیوں جانے دیا آپ نے؟"

"بے چاری آج دوپہر کو ہی تو گئی ہے۔ اس کی امی بیمار ہیں۔"

"کیا ہو گیا انہیں — ؟"

"ملیریا ہو گیا ہے۔"

"اچھا۔ کب سے ؟"

"تین روز ہو گئے۔"

"آپ نہیں گئیں انہیں دیکھنے ؟"

"کل گئی تھی۔"

"ہوں — !" شبنم جانے کس سوچ میں کھو گئی۔

"شاید رات تک آ ہی جائے یاسمین۔ میں نے تو کہہ دیا تھا دو ایک روز رہ جانا۔ مگر وہ منع کر رہی تھی۔"

عمران اخبار دیکھ رہا تھا۔ شبنم نے ننداسی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی :

"مگر میں تو رات ہونے سے پہلے ہی گھر چلی جاؤں گی۔"

"کیوں ؟"

"بس میں تو ملنے کے لئے آ گئی تھی۔"

"یہ غلط بات ہے شبو۔ میری اجازت کے بغیر تم نہیں جا سکتیں !"

"مگر خالہ امی ۔ ۔ ۔"

"اگر مگر کچھ نہیں ۔ ۔ ۔"

"دیکھیے نا! میں تو اپنے کپڑے تک نہیں لائی۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عمران سے منگوا لینا یا ہارون لے آئیں گے۔"

"میں نے امی سے کہا بھی تو نہیں ہے۔"

"بیکار باتیں نہ کرو شبو۔ میں عمران سے کہلوا دوں گی۔"

"کیوں نخرے دکھا رہی ہیں آپی؟" عمران مسکرایا۔

"نخرے کی کیا بات ہے؟"

"اور کیا — ! خوشامد کروائے جا رہی ہیں مسلسل!"

"میں خوشامد کروا رہی ہوں؟" شبنم نے خالہ کی طرف دیکھا۔

"بالکل — ! مجھ سے اگر پھوپھی جان ایک دفعہ بھی کہتیں تو میں چاروں ہاتھوں پاؤں سے راضی ہو جاتا۔"

"تچ تچ — تچ! مگر افسوس! خالہ امی نے تم سے جھوٹے منہ بھی نہ کہا۔"

"ارے اپنا کیا ہے۔ ما بدولت تو اکثر بغیر کسی کے درخواست کیے بھی اس کے غریب خانے کو رونق بخشنے پہ آمادہ ہو جاتے ہیں۔" عمران کا انداز شاہانہ تھا۔

"ماشاء اللہ! کیا کہنے ہیں شہنشاہ عمران کے!"

خالہ امی ان دونوں کی باتیں سن کر مسکرا رہی تھیں۔

"پھوپھی جان! ان محترمہ کو کوئی کام بتائیے ورنہ یہ ابھی کوئی کتاب یا رسالہ ڈھونڈ کر اس سے چپک جائیں گی۔"

"میں نے اسے کام کروانے کے لئے تو نہیں روکا!"

"بہت خسارے میں رہیں گی پھوپھی جان اگر آپ نے ان سے کوئی کام نہیں کروایا!"

"تم سے کیا مطلب؟ تم کیوں پٹر پٹر بولے جا رہے ہو؟" شبنم نے کہا۔

"بھئی اب خدا نے زبان دی ہے تو بولیں گے ہی!"

"ہاں زبان اسی لئے دی ہے کہ فضول باتیں کرو۔"

"آپ کی طرح میں نے ارسطو، کانٹ، ہیگل اور خلیل جبران کا مطالعہ تو کیا نہیں ہے جو ہر وقت فلسفیانہ باتیں کروں۔"

"کسی نے منع تو نہیں کیا تمہیں مطالعہ کرنے سے۔"

"منع کون کرے گا؟ لیکن اپنی کھوپڑی میں بھیجہ بہت تھوڑا سا ہے۔"

"بے کار باتیں کرتے وقت اس تھوڑے سے بھیجے کا خیال نہیں آتا؟"

"بیکار باتیں کرتے وقت مجھے بھیجے کا استعمال بالکل نہیں کرنا پڑتا۔"

"اچھا بھئی۔ تم میرا بھیجہ مت کھاؤ۔ بھاگو یہاں سے۔"

"ایک پیالی چائے تو پلا دیجئے۔ پھر بے شک بھاگ جاؤں گا۔"

"کھانا کھا کے جانا عمران!" خالہ امی نے کہا۔

"ارے پھوپھی جان، ہم غریبوں کو کون پوچھتا ہے۔"

"کوئی پوچھے نہ پوچھے نورِ اسلام تو تمہیں ضرور پوچھتا ہے۔"

"دیکھو تمہارے لئے چائے بنا کر لا رہا ہے!" شبنم نے نورِ اسلام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سلام بی بی ___!" نورِ اسلام نے چائے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا

"وعلیکم السلام!"

"جیتے رہو ___!" عمران نے بزرگوں کی طرح کہا۔

نورِ اسلام کی بتیسی باہر نکل آئی۔

"نورِ اسلام! میرا خیال ہے تمہیں کسی ٹوتھ پیسٹ کے اشتہار کے سلسلے میں متعلقہ کمپنی والوں کی مدد کرنی چاہیئے۔" عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

نورِ اسلام ہنستا ہوا باہر چلا گیا۔

"چائے بنایئے آپی ___!"

"اچھا ___!"

میرے لئے مت بنانا شبنو!" خالہ امی نے کہا۔

"کیوں؟"

"میں عصر کی نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔"

"کوئی فکر کی بات نہیں۔ آپ اطمینان سے نماز پڑھئے۔ آپ کے حصے کی چائے بھی میں پی لوں گا۔"

خالہ امی مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

عمران نے نمک پاروں کی پلیٹ اٹھا کر بڑے اطمینان سے ان کی صفائی کرنی شروع کی۔ شبنم نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور چائے بنانے لگی۔

"اگر آپ مجھ سے دس روپے کی شرط لگائیں آپی تو میں آپ کو پوری پلیٹ صاف کر کے دکھا سکتا ہوں۔"

"مجھے اس بات کا مکمل یقین ہے اس لئے شرط لگانا غیر ضروری سمجھتی ہوں۔"

"اور اگر آپ مجھ سے مزید دس روپے کی شرط لگائیں تو میں مٹھائی کی پلیٹ بھی صاف کر سکتا ہوں۔"

"میرے پاس فالتو روپے نہیں ہیں۔!"

"میرا کیا ہے آپ خود ہی گھاٹے میں رہیں گی!"

"میں کیسے گھاٹے میں رہوں گی؟"

"میں نے تو سوچا تھا کہ آپ سے بیس روپے قرض لے کر پہلی کے بعد مع سود کے ادا کر دوں گا۔"

"اوہ ___ نالائق لڑکے!" شبنم نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"اگر روپے قرض لینے والے نالائق ہوتے ہیں تو بے شک آپ مجھے نالائق کہنے میں حق بجانب ہیں!"

"آر یو سیریس عمران؟"

"یس، آف کورس!"

"کیا دس روپے میں کام نہیں چل سکتا؟"

"ناٹ ایٹ آل!"

"کیوں؟ تمہارا جیب خرچ اتنی جلدی کیسے ختم ہوگیا؟"

"میں نے بھی اپنی رقم کسی کو سود در سود پر اُدھار دے رکھی ہے۔"

"کس کو؟"

"اس سے آپ کو کیا مطلب؟"

"بس تو پھر نہیں ملے گی ایک پائی بھی!"

"پلیز آپی ——!"

"آئی ایم سوری مسٹر عمران! میں آپ کو ایک پیسہ بھی نہیں دے سکتی۔"

"کیوں بھئی ایسی کیا خطا ہوگئی ہے اس سے جو تم اسے ایک پیسہ بھی نہیں دو گی؟" خالہ نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔

"آپ ہی کچھ سفارش کیجئے پھوپھی جان!"

"کیسی سفارش؟"

"ان محترمہ سے مجھے بیس روپے دلوا دیجئے!"

"مجھ سے لے لو!"

"نہیں اِنہی سے چاہئیں!"

"لو بابا پکڑو ۔۔۔!"

"اوہ تھینکنگ یو مائی ڈیئر آپی!" عمران نے جلدی سے ہاتھ بڑھایا مگر صرف دس روپے دیکھ کر منہ لسبورانے لگا۔

"اس سے زیادہ میں نہیں دے سکتی۔ گھر جا کر امی سے لے لینا یا انجم سے!"

"ارے صاحب اتنے بھی غنیمت ہیں۔"

"باقی مجھ سے لے لو۔" خالہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"شکریہ پھوپھی جان۔ حقیقت میں تو مجھے صرف دس روپے ہی چاہیئے تھے۔"

"پھر بیس کے لئے کیوں شور مچا رہے تھے ۔۔۔؟"

"اس لئے کہ اگر میں دس روپے کے لئے شور مچاتا تو آپ صرف پانچ ہی دیتیں۔" عمران نے ہنستے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا پھوپھی جان چل دیئے ہم۔"

"ابھی نہیں کھانا کھا کے جانا۔"

"وہ دراصل مجھے اپنے ایک دوست کے پاس جانا ہے۔"

"اچھا۔۔!"

"خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

شبنم چائے کے برتن اٹھا کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ بانو رات کا کھانا

تیار کر رہی تھی۔

"آپ کیوں لے آئیں بی بی ——؟ میں اٹھا لاتی برتن!"

"کوئی بات نہیں بانو۔" شبنم نے برتن رکھتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟"

"ہاں بی بی۔ اللہ کا شکر ہے۔"

"میں تمہاری کچھ مدد کروں کھانا پکانے میں؟"

"نہیں آپ بیگم صاحب کے پاس جا کر بیٹھئے۔ بے چاری اکیلے میں بہت گھبراتی ہیں —— !"

"اچھا —!" شبنم مسکراتی ہوئی باورچی خانے سے نکل گئی۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد شبنم کافی دیر تک خالہ امی کو نسیم حجازی کا ناول "انسان اور دیوتا" سناتی رہی۔ پھر جب خالہ اونگھنے لگیں تو وہ کتاب رکھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ ہارون بھائی اب تک نہیں آئے تھے۔ وہ ریڈیو آن کر کے بیٹھ گئی اور میز پر پڑا اخبار اٹھا لیا۔ لیکن اخبار وہ صبح ہی پڑھ چکی تھی۔ یونہی ورق الٹ پلٹ کر اخبار میز پر ڈال دیا اور صوفے کی پشت سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ یوں بیٹھے ہوئے بے شمار لمحے چپکے سے بیت گئے۔ اور تب —— باہر سکوٹر کی آواز آئی۔ اس نے ایک لمحہ کے لئے آنکھیں کھولیں اور بند کر لیں۔ قدموں کی آواز بتدریج قریب آ رہی تھی۔ پھر ہارون بھائی کی آواز آئی۔ وہ نوراسلام سے کچھ کہہ رہے تھے۔ دوسرے ہی چند لمحوں میں وہ پردے سرکا کر ڈرائنگ روم

میں آگئے:

"کیوں جناب! آپ کب تشریف لائیں؟" ہارون بھائی نے اس کی طرف جھک کر پوچھا۔

"شبنم نے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے محترمہ!"

"جی وہ میں شام کو آئی تھی۔"

"اس وقت یقیناً آپ سوئزہ نگر کی سیر کر رہی تھیں۔"

"بیٹھئے نا بھئی — مجھے الجھن ہو رہی ہے!"

"کس بات سے؟"

"آپ کے کھڑے رہنے سے۔"

"مجھے خود الجھن ہو رہی ہے۔"

"آپ کو کس بات سے الجھن ہو رہی ہے؟"

"تمہارے بیٹھے رہنے سے۔"

"آپ کا مطلب ہے میں بھی کھڑے پیر کا روزہ رکھ لوں؟"

"ہاں — بالکل صحیح سمجھیں!"

"یہ لیجئے —!" شبنم بھی کھڑی ہو گئی

"ٹھیک ہے اب صبح تک اسی پوزیشن میں کھڑی رہو۔" ہارون بھائی کمرے سے

باہر جاتے ہوئے بولے۔

شبنم خاموش کھڑی مسکراتی رہی۔

ہارون بھائی اپنے کمرے میں گئے تو شبنم ریڈیو بند کر کے باہر آگئی۔ برآمدے کے سفید ستون کے قریب کھڑے ہو کر اس نے رات کی رانی کی بھینی بھینی خوشبو کو اپنی سانسوں میں جذب کیا اور نندا سی آنکھوں سے نیلگوں آسمان کی وسعتوں پر چپ چاپ اڑتے ہوئے بادلوں کو دیکھا۔ آم کے گھنے درختوں کی شاخوں میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑا ہوا کوئی پنچھی بڑی بے بسی سے پھڑپھڑایا۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور بادام کے درخت سے چند سوکھے ہوئے زرد پتے ٹوٹ کر دھرتی کی آغوش میں سما گئے۔ شبنم کو اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنائی دی لیکن وہ ستون سے سہارا لے کر اسی طرح کھڑی رہی۔

"حکم عدولی کرنے والوں کے ساتھ میں بڑی سختی سے پیش آتا ہوں۔" ہارون بھائی اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔

"اس بہت بڑی سختی کی کوئی چھوٹی سی مثال پیش کیجئے۔" شبنم نے ان کی طرف دیکھا۔ تاریکی اور مدھم سی روشنی کے امتزاج میں ہارون بھائی کا دراز قد نمایاں ہو رہا تھا۔

"مثال کے طور پر میں تمہیں اس وقت یہ حکم دے سکتا ہوں کہ تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

"لیکن میں تو کھانا کھا چکی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"پھر——؟"

"خالی پیٹ میں اگر کسی کو کھانا کھلایا جائے تو اسے آپ سختی کی مثال قرار دیں گی؟"

شبنم خاموش رہی۔

"پھر غائب ہو گئیں؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تخیلات کے اڑن کھٹولے پر اڑنے لگیں؟"

"بالکل نہیں!"

"تو پھر مہربانی فرما کر مجھے کھانا دے دیجئے۔"

"چلئے ——!"

"بالکل چلیں گے۔ یہاں تھوڑی منگوائیں گے آپ سے کھانا!"

ہارون بھائی اس کے ساتھ کھانے کے کمرے میں آ گئے۔ بانو ان کے لئے میز پر کھانا رکھ رہی تھی۔

"ارے بانو تم کھانا گرم کر کے بھی لے آئیں؟"

"ہاں بی بی!"

"بھئی میں تو جاگ ہی رہی تھی۔"

"کوئی بات نہیں!"

"کوئی بات کیسے نہیں بانو —— جب یہ تمہاری شبنم بی بی گھر آیا کریں تو تم مکمل آرام کیا کرو ——!"

بانو مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

"تشریف رکھئے محترمہ!" ہارون بھائی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"بہت تکلّف سے بات کر رہے ہیں۔"

"ہوں — ہم جناب کی لیاقت سے بہت مرعوب ہیں۔"

شبنم خاموش رہی۔

"خاموش کیوں ہو؟" ہارون بھائی نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"بس یونہی!"

"مگر مجھے تمہارا خاموش رہنا بالکل پسند نہیں۔"

"اور میری کون کونسی عادتیں آپ کو ناپسند ہیں؟"

"مجھے تو تم مجسّم ناپسند ہو!"

"اس بات کا تو مجھے ہمیشہ سے یقین ہے۔" شبنم بڑی شگفتگی سے مسکرائی۔

"اور تمہیں اس بات کا ذرا ملال نہیں؟"

"قطعی نہیں!"

"شاباش! لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے!"

"شکریہ!"

"اسی بات پر چائے پلاؤ گی؟"

"بالکل نہیں!"

"کیوں؟"

"میں سوتے وقت چائے نہیں پیا کرتی!"

"لیکن میں تو اپنے لئے بنوا رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"پھر ــــ؟"

"پھر یہ کہ مجھے یقین ہے کہ میری یہ بہت اچھی عادت ہے اور۔۔۔ اور۔۔۔ میں چاہتی ہوں کہ اس اچھی عادت کو آپ بھی اپنائیں۔"

"لیکن مجھے اپنی اچھی عادتوں کی بنسبت بُری عادتوں سے زیادہ پیار ہے۔"

"بہت چونکا دینے والا انکشاف ہے۔"

"میں اس وقت اور بھی انکشافات کر سکتا ہوں۔"

"انہیں کل پر اٹھا رکھئے۔"

"کیوں؟"

"مجھے نیند آ رہی ہے۔" شبنم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ اتنی جلدی نہیں سو سکتیں۔"

"پلیز!"

"اچھا دو منٹ تو انتظار کرو۔ میں بھی بس اٹھنے ہی والا ہوں۔"

"دو سے تیسرا منٹ نہ ہونے پائے!"

"یہ تمہارا حکم ہے؟"

"جی نہیں درخواست!"

"مگر انداز تو حکمانہ ہے!"

"وہ۔ دراصل نیند کے عالم میں بول رہی ہوں۔"

"مگر آنکھوں میں تو نیند کے خمار کا کوسوں پتہ نہیں!"

"یقیناً اس میں میری غلطی نہیں ہے۔"

"نہیں میری غلطی ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے!" شبنم مسکرائی۔

"ایڈیٹ ——!" ہارون بھائی پانی کا گلاس رکھتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ شبنم آہستہ قدموں سے ان کے ساتھ باہر آ گئی۔

"شب بخیر!" شبنم نے خالہ امی کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"شب بخیر!" ہارون بھائی نے اس کی پشت پہ لہراتی ہوئی چوٹی کی طرف دیکھا اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔

دوسرے روز صبح ہارون بھائی ہاسپٹل جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ تب شبنم ان کے کمرے میں آ گئی:

"ہارون بھائی!"

"ہوں ــــ؟"

"آپ کب تک واپس آ جائیں گے؟"

"دوپہر تک۔ کیوں؟"

"آج مجھے گھر چھوڑ آیئے گا۔"

"دماغ صحیح ہے؟"

"جی ہاں۔ بالکل صحیح ہے۔"

"بے کار باتیں کرنے کی ضرورت نہیں!"

"میں بیکار باتیں کر رہی ہوں؟"

"جی!"

"دیکھئے نا — !"

"دکھایئے!"

"میں اپنے کپڑے ساتھ لے کر نہیں آئی ہوں۔"

"کپڑوں کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ پہنے تو ہو کپڑے۔"

"اور جب یہ میلے ہو جائیں گے تب کیا کروں گی؟"

"تب بھی انہی کپڑوں کو پہنے رہنا!"

"جی ہاں ضرور — !"

"بھئی زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ گھر آنے جانے والے لوگ یہ سمجھیں گے کہ نوکرانی ہے گھر کی۔"

شبنم کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"یا پھر جمعدارنی سمجھ لیں گے۔" ہارون بھائی نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"اور کچھ؟" شبنم پھر ہنس پڑی۔

"اور کچھ نہیں۔ چلو ناشتہ لاؤ ہمارے لیئے۔"

"وہیں چلیئے۔ خالہ امی انتظار کر رہی ہیں۔"

"اچھا صاحب وہیں چلتے ہیں۔" وہ اس کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئے۔

"پلیز ہارون بھائی!" شبنم کا انداز ملتجیانہ تھا۔

"کیا ہے۔ کہیئے!"

"آج شام گھر چھوڑ آیئے!"

"گھر جانے کی اتنی جلدی کیوں ہے؟"

"آپ جانتے تو ہیں ہارون بھائی، بھابی کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔" شبنم کچھ اداس سی ہو گئی۔

"ہو جانے دو!"

"خواہ مخواہ گھر کا ماحول خراب ہو جاتا ہے۔"

"تم پرواہ مت کیا کرو۔"

"ایک گھر میں رہتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اگر تم اسی طرح پریشان ہوتی رہیں تو گھٹ گھٹ کر ختم ہو جاؤ گی۔"

شبنم سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔

"کیا سمجھیں؟"

شبنم نے پلکیں جھپکا کر ان کی طرف دیکھا اور آنکھوں میں افسردگی کے سائے

کانپ گئے۔

"زیادہ مت سوچا کرو بیوقوف!"

شبنم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"آؤ ناشتہ کرو۔"

وہ بوجھل قدموں سے ان کے ہمراہ کھانے کے کمرے میں آگئی۔ ناشتے کے دوران شبنم زیادہ تر خاموش رہی۔ ہارون بھائی نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا لیکن وہ بھی چپ ہی رہے۔ پھر وہ جب امی کو خدا حافظ کہہ کر باہر آئے تو انہوں نے شبنم کو چنبیلی کی بیل کے پاس تنہا کھڑے دیکھا۔ ان کے بڑھتے قدم رک گئے۔ ایک لمحے کے لئے ٹھہر کر انہوں نے گہری نظر سے اس کی طرف دیکھا، پھر قریب آگئے۔

"کہنا ماننا بالکل نہیں سیکھا تم نے!"

"جی!!!" شبنم چونک اٹھی

"سوچ سوچ کر ایک دن پاگل ہو جاؤ گی۔"

"ہارون بھائی!" شبنم کی پلکوں کے سائے کانپ گئے۔ ہارون بھائی نے اس کی بھیگی ہوئی پلکوں کی طرف دیکھا۔

"آپ بات کو سمجھا کریئے ہارون بھائی!"

ہارون بھائی خاموش رہے۔

"بھابی الٹی سیدھی باتیں کرتی ہیں اور امی ان کی باتوں کا اثر لیتی ہیں۔ ان کا دل ویسے

ہی کمزور ہے۔"

"اچھی بات ہے شام کو چھوڑ آؤں گا۔"

شبنم نے اطمینان کا سانس لیا۔

"کہو تو اسی وقت چھوڑ آؤں؟" ہارون بھائی مسکرائے

"نہیں!" شبنم بھی مسکرا دی۔

"اچھا خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

ہارون بھائی نے سکوٹر اسٹارٹ کیا۔ شبنم نے آہستہ سے ہاتھ ہلایا اور اندر آ گئی۔

اور اسی شام جب وہ ہارون بھائی کے ساتھ گھر پہنچی تو بھابی کا موڈ بہت خراب تھا۔ شبنم نے بڑی عجیب نظروں سے ہارون بھائی کی طرف دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ بھابی نے پیشانی پر سینکڑوں بل ڈال کر شبنم کی طرف دیکھا اور برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر گھاس کی سبز روش کی طرف چلی گئیں۔ ہارون بھائی پندرہ بیس منٹ اپنی خالہ اور اسماء باجی کے ساتھ باتیں کر کے واپس چلے گئے۔

امتحان ختم ہونے کے بعد اب فرصت ہی فرصت تھی۔ گھر کے کاموں سے وقت ملتا تو شبنم کچھ دیر بھابی کے بچوں روفی اور سمیں سے دل بہلاتی۔ پھر ابا میاں کی لائبریری میں گھس جاتی۔ الماریوں میں سجی ہوئی کتابوں کی طرف دیکھتے ہوئے چند لمحے کے لئے کچھ سوچتی۔ اس سمے اس کا دل دکھوں کے بوجھ تلے دب جاتا اور اپنے چاروں طرف ایک بے نام سی اُداسی

اور پراسرار سے سناٹے کا احساس ہوتا۔ ابا میاں کی تصویر نگاہوں کے سامنے گھوم جاتی۔ پھر ایک دم چونک کر وہ اپنے ارد گرد دیکھتی۔ سر کو جھٹک کر اپنے دماغ کو تخیلات کے گہرے سمندر سے نکالتی۔ اور اپنی مطلوبہ کتاب نکال کر پڑھنے بیٹھ جاتی۔

انہی مصروفیتوں میں لمحات رک رک کر سرک رہے تھے۔ ہر آنے والا لمحہ بڑی خاموشی سے پیچھے دھندلکوں میں گم ہوتا رہتا تھا اور یونہی دو ماہ گزر گئے۔ آہستہ آہستہ سب کے رزلٹ آچکے تھے۔ عمران اور انجم پاس ہو کر سیکنڈ ایئر میں آگئے تھے۔ شبنم کی سیکنڈ ڈویژن آئی تھی۔ اخبار میں اپنا رزلٹ دیکھ کر چند لمحوں کے لئے اس نے زندگی میں آنے والے ان لمحات کے بارے میں سوچا جن کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سارا مستقبل خواب کا نگر ہو کچھ نہیں معلوم تھا ان خوابوں کی تعبیر ملے گی یا نہیں ملے گی۔ ان خوابوں کے حقیقت میں بدل جانے کی بھی موہوم سی امید تھی اور — یہ بھی ممکن تھا کہ ان خوابوں کی تعبیر تلاش کرتے کرتے زندگی درد کے انباروں تلے دب جائے۔

یہ دشتِ طلب بھی کیا شے ہے؟ تمام زندگی آرزوؤں اور امیدوں کے دیئے پلکوں پہ جلائے اسے چھانتے رہو، اسے کھوجتے رہو۔ کچھ مل جائے تو زندگی سراپا بہار ہے اور نہ ملے تو خود اپنی ہی ہستی اس دشت میں صدیوں اور قرنوں کی تھکی ہوئی صدائے بازگشت کی مانند گونجتی رہتی ہے — شبنم نے پلکیں جھپکاتے ہوئے سوچا اور امی کے کمرے میں آگئی۔

"امی میں پاس ہو گئی ہوں۔" اس نے اخبار امی کے بستر پر ڈال دیا۔ امی نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جن میں پیار محبت، خوشی و مسرت

اور ہلکے سے رنج و غم کا ایک سمندر تھا، پرسکون اور خاموش سمندر — !

اور شبنم ان متضاد کیفیتوں کے سبب سے بے خبر نہیں تھی۔

"کون سی ڈویژن آئی شبو؟"

"سیکنڈ"

امی نے اپنی عادت کے مطابق گیارہ مرتبہ "الوھاب" پڑھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ شبنم سر جھکائے سوچوں میں ڈوب گئی۔ اسماء باجی، عمران اور انجم بھی کمرے میں آ گئے تھے۔

"امی!" شبنم نے چند لمحوں بعد آہستہ سے کہا۔

"ہوں!"

"میں آنرز میں ایڈمیشن لے لوں؟"

"کیوں؟"

"میرے ساتھ کی سب لڑکیاں آنرز کریں گی۔"

"کرنے دو — !"

"میری بھی بہت خواہش ہے امی!"

"نہیں بیٹی! بی۔ اے کر لو کالج سے۔ آگے دیکھا جائے گا۔"

"نہیں امی!" شبنم نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بڑوں کی بات مانا کرتے ہیں شبو!"

"میں تو ہمیشہ ہی آپ کی بات مانتی ہوں امّی!"

شبنم کی آواز مدھم تھی۔

امّی خاموش رہیں۔ اسماء باجی، انجم اور عمران بھی چپ تھے۔

"کیا میں نے بہت بڑی خواہش کا اظہار کیا ہے امّی؟" شبنم نے افسردگی سے پوچھا۔

"خواہش کے چھوٹے اور بڑے ہونے کا سوال نہیں شبّو!"

"پھر؟"

"میں نہیں چاہتی کہ تم لڑکوں کے ساتھ پڑھو!"

"آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں؟"

"بہت اعتماد ہے لیکن ——!"

"لیکن —— ؟"

"میں نہیں چاہتی کہ دوسروں کو باتیں بنانے کا موقع ملے۔"

"دوسروں سے آپ کا مطلب بھائی سے ہے؟"

امّی خاموش رہیں۔

"یہی بات ہے نا امّی؟"

"ہاں بیٹی! تم جانتی تو ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ گھر کا ماحول اور خراب ہو۔"

شبنم سر جھکا کر سوچنے لگی۔

"میں نے اسی لئے بی۔ اے کے بعد اسماء کی پڑھائی بھی ختم کروا دی۔"

"کہنے والوں کو کہنے دیجیے، امّی!" اسماء باجی نے کہا۔

"اور کیا! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ دوسروں کی خاطر اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا جائے۔" انجم بولی۔

"بس یہ بات طے ہو گئی کہ ہماری باجی ضرور آرزو کریں گی۔" عمران کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"کیوں گھر میں فساد کھڑا کرنا چاہتے ہو۔" امّی نے مدھم آواز سے کہا۔

"ارے امّی! یوں اگر ہم سارے زمانے کی پروا کرنے لگے تو جینا دشوار ہو جائے گا!" عمران نے کچھ طنز سے کہا۔

"آخر بی۔ اسے کرنے میں کیا حرج ہے؟" امّی نے کہا۔

"بہت حرج ہے!" عمران مسکرایا۔ "ہماری آپی کو اگلے پچھلے سارے خلاسفروں کے ریکارڈ توڑنے ہیں نا!"

"تم چپ رہو جی۔ ہر وقت مذاق سوجھتا ہے تمھیں۔" انجم نے منہ بنا کر کہا۔

"بھئی ہم تو خاموش، سوگوار اور پریشان کن ماحول کو پرلطف بنانے کی سعیٔ جمیل کر رہے تھے۔"

"رہنے دو اپنی سعیٔ جمیل کو۔"

"اچھا اس وقت لڑائی جھگڑا مت کرو۔ دیکھتی نہیں ہو کس قدر سیریس ٹاپک (SERIOUS TOPIC) زیرِ بحث ہے!" عمران نے کہا۔

"بیوقوف ـــــ!" انجم نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"تم بیوقوف بلکہ مجسم بے وقوفی!"

"چپ رہو عمران!" اسماء باجی نے کہا۔

"بہت بہتر! ہاں امی پھر آپی کے حق میں کیا فیصلہ ہوا؟"

امی خاموش رہیں۔ تبھی بھابی اندر آگئیں۔ ان کی گود میں سیمیں تھیں۔ انہوں نے آتے ہی مسکراتے ہوئے کہا:

"ارے بھئی شبو!"

"جی ___!"

"سُن لو تمہاری بھتیجی کیا کہہ رہی ہے!"

"کیا کہہ رہی ہے؟" شبنم قدرے مسکرائی۔

"کہتی ہے میں بھی آنٹی کے ساتھ کالج جاؤں گی!"

"ارے چل توتلی! پہلے ٹھیک سے بولنا تو سیکھ لے!" شبنم نے اسے بھابی کی گود سے لے لیا۔

"بڑی بی۔ گھر سے ایک دم کالج میں چھلانگ لگا دو گی!" عمران نے آہستہ سے اس کے گلابی گلابی رخساروں کو چھوا۔

سیمیں نے اپنی کالی کالی آنکھوں سے عمران کو گھورا۔

بھابی نے بستر پر پڑا ہوا اخبار اٹھا لیا۔ کچھ دیر بعد اخبار دیکھتے ہوئے بولیں:

"ارے آج تو تمہارا رزلٹ آیا ہے شبو!"

"جی!"

"کس ڈویژن میں پاس ہوئیں؟"

"سیکنڈ!"

"چلو بھئی مبارک ہو!" بھابی نے کہا۔

"شکریہ!" بھابی کا موڈ خوشگوار دیکھ کر عمران ایک دم بول پڑا۔

"اب مسئلہ یہ ہے بھابی کہ۔۔۔"

"کیا مسئلہ ہے؟"

"آپی کہتی ہیں میں آنرز کروں گی اور امی کہتی ہیں چپ چاپ سے کالج میں بی اے کرلو۔۔۔!"

"اے ہے۔ کہاں یونیورسٹی کی خاک دھول چھانتی پھرو گی۔ امی جان ٹھیک ہی تو کہتی ہیں۔"

"مگر بھابی۔۔۔" انجم نے کہنا چاہا۔

"بھئی میں تو یہ کہتی ہوں کہ لڑکیوں کو زیادہ پڑھانا لکھانا بیکار ہے۔ اوّل بھی چولھا جھونکنا ہے آخر بھی۔"

اسماء باجی نے دل میں سوچا: "تو پھر خود کیوں بی۔ اے کیا، اپنی بہنوں کو کیوں پڑھنے دے رہی ہیں؟" مگر وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکیں۔

"بس جی! تم بی۔ اے کرلو اگر ایسا ہی شوق ہے پڑھنے کا!" بھابی نے غنبو کی طرف دیکھا۔

شبنم خاموش رہی۔

"میلوں دور تو یونیورسٹی ہے۔ اتنی دور جا کر اپنی صحت خراب کرنے سے کیا فائدہ؟"

"پھر ٹیوشنوں کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں۔" بھابی نے مزید لقمہ دیا۔

"لیکن بھابی اور لڑکیاں بھی تو جاتی ہیں آخر اتنی دور!" اسماء باجی نے دبی زبان سے کہا۔

"ہاں جاتی کیوں نہیں۔ مگر ان کی صورتیں دیکھو چہرے پر رونق نام کو نہیں۔ آنکھیں ہیں کہ اندر کو دھنسی ہوئی، چشمہ چڑھا ہوا۔ بال ہیں وہ سفید ہوتے جا رہے ہیں وقت سے پہلے ہی اور کمر ہے تو وہ بوڑھوں کی طرح جھکی جا رہی ہے۔"

سب خاموش بیٹھے ان کی صورت تکتے رہے

"اور پھر یہ شبو تو ویسے ہی ایک پسلی کی ہے نہ چہرے پہ رونق ہے نہ رنگ و روپ"

اپنی عادت کے مطابق بھابی باتوں باتوں میں جلی کٹی سنا ہی گئیں۔

عمران، انجم اور اسماء باجی کا تو دل جل گیا۔ انہوں نے دل میں سوچا۔

شبو کی تعریف تو ایک زمانہ کرتا ہے، انہی کو اس کا چہرہ بے رونق نظر آتا ہے؟

"بھئی۔ ہم نے تو تمہارے بھلے کی بات کی ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔" بھابی نے منہ بنا کر کہا اور کمرے سے چلی گئیں۔ شبو بھی چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اس روز شبو تمام وقت بالکل چپ رہی، کالج بھی نہیں گئی۔ تمام وقت ابا میاں کی لائبریری میں گھسی کتابوں سے دل بہلاتی رہی۔

لمحات چپ چاپ بیتتے رہے۔ دوپہر ڈھل کر شام آئی اور پھر ــــ شام کے سائے بھی طویل ہونے لگے۔ اس نے تھک کر کتاب رکھ دی اور آہستہ قدموں سے باہر برآمدے میں آگئی۔ پھر اس کے قدم خود بخود ہی زینے کی طرف بڑھ گئے۔ وہ چھت پر آگئی منڈیر پر بیٹھی کالی سفید بلّی اسے دیکھتے ہی چھجّے پر کود گئی۔ شبنم نے اپنے بالوں کی ادھ کھلی چوٹی کو بل دیتے ہوئے سامنے دیکھا۔ شام کی مدھم اور پیلی پیلی سی دھوپ مکان کی دیواروں کے آخری سرے پر پہنچ گئی تھی۔ داہنے ہاتھ کی طرف میدان میں چند بچے کھیل رہے تھے۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی الوداعی کرنیں ہر طرف بکھری اپنی دن بھر کی تھکن اور صبح سے شام تک کے سفر کی داستان سنا رہی تھیں۔ درختوں میں سرگوشیاں بہت مدھم تھیں۔ چنبیلی کی بیل سفید نازک کلیوں سے بھری ہوئی تھی اور گھاس پر کوّوں کے کترے ہوئے چند بادام بکھرے پڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر اسے سر آئزک نیوٹن کے نظریہ "کشش ثقل" کا خیال آگیا۔

زمانے کی تاریخ نے کیسے کیسے لوگوں کو جنم دیا اور انہیں ان کے انجام تک پہنچایا ہے۔ پوری انسانی تاریخ کی کہانی اسی ابتداء، ارتقاء اور انتہا کی کہانی ہے۔" اس کا ذہن زندگی اور موت کے فلسفے میں اُلجھ گیا اور تبھی اس نے سامنے والی سڑک پر ہارون بھائی کو سکوٹر پر آتے دیکھا۔ کچھ دیر بعد ہارون بھائی گیٹ سے اندر آگئے۔ شبنم نے انہیں برآمدے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا لیکن وہ نیچے نہیں اتری۔ ذہن پھر خیالات کے تانے بانے میں الجھ کر رہ گیا۔ تخیلات کے البیلے جزیروں کی سیر کرتے ہوئے اسے وقت کے گزرنے کا احساس بھی نہ ہوا۔ اس کے چاروں اور مدھم سی تاریکیاں چپ چاپ سرک آئی تھیں۔ اس نے اپنے

سوزنی نگہ سے واپس پلٹ کر نیچے اترنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ زینے پر اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ہارون بھائی کو اوپر آتے دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ ہارون بھائی قریب آگئے۔

"گھر کے کسی اور گوشے میں تمہارے لئے جگہ نہیں ہے ؟"

ہے کیوں نہیں !"

"پھر یہاں کیوں کھڑی ہو ؟"

"بس یونہی !"

"نیچے چلنے کا ارادہ نہیں ہے ؟"

"چلتے ہیں !"

"لاحول ولا قوۃ ! اوپر آیا تھا تمہیں مبارک باد دینے اور یہاں آتے ہی بھول گیا۔ ہارون بھائی نے اس کے ساتھ زینے سے اترتے ہوئے کہا۔

"اب تو یاد آگیا !"

"ہاں !"

"تو پھر دیجئے مبارکباد !"

"جناب کو انٹرمیں کامیاب ہونا مبارک ہو۔"

"جناب کا بہت بہت شکریہ !" شبنم مسکرائی۔ اور ان کے ساتھ امی کے کمرے میں آگئی۔ ہارون بھائی تھوڑی دیر کے بعد چلے گئے۔ شبنم کھانا کھا کر پھر باہر آگئی۔ باہر کھڑی

پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اپنی سانسوں میں جذب کرتی رہی اور اِدھر اُدھر کی باتیں سوچتی رہی۔ تب امّی اس کے قریب آگئیں۔

"سلیمان اور ذیشان کو خط لکھا تھا؟" امّی نے پوچھا۔

"جی لکھ دیا تھا۔"

"کب؟"

"کئی روز ہو گئے!"

"جواب نہیں آیا اب تک؟"

"آجائے گا دو ایک روز میں!"

"ہوں ـــــ!" امی نے ایک سرد آہ بھری۔

"امّی!"

"ہاں ـــــ!"

"میں نے بڑے بھائی جان اور ذیشان بھائی سے بھی پوچھا ہے آنرز میں داخلہ لینے کے لئے ـــ!"

"اچھا ـــ!"

"اگر ان لوگوں نے لکھ کر بھیج دیا تو میں ضرور آنرز کروں گی۔"

"خط تو آنے دو پہلے!"

"خط بھی آجائے گا۔ چند روز کی بات ہے!"

"اپنے کمرے میں جاؤ۔ معلوم نہیں باہر کھڑے رہنے کا کیا مرض ہے تمہیں!"

"اچھا لگتا ہے مجھے تنہائی میں!"

"صبح جلدی اٹھا کرو۔ فجر کی نماز تم عموماً قضا پڑھتی ہو!"

شبنم ہنس پڑی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

شبنم کا رزلٹ آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ وہ صرف ایک دفعہ کالج گئی تھی اور اپنی سہیلیوں سے آنرز کا فارم لانے کے لئے کہہ آئی تھی۔ ذیشان بھائی اور بڑے بھائی جان کو اس نے دوبارہ خط لکھ دیا تھا۔ ریحان بھائی کے سامنے بھی اس نے آنرز کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ پہلے تو انہوں نے بڑی خوشی سے اجازت دے دی تھی مگر دوسرے روز بھابی نے انہیں جانے کیا پٹی پڑھائی کہ ان کا خیال بالکل بدل گیا۔ انہوں نے بھابی کی طرح ہی کہہ دیا کہ کالج سے بی اے کر لو۔ شبنم نے ان سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور بڑی بے چینی سے بڑے بھائی جان کے خط کا انتظار کرنے لگی۔

اور جب ـــــ بڑے بھائی جان کا خط آیا تو شبنم خوش ہو کر انجم سے لپٹ گئی۔ بڑے بھائی جان نے نہ صرف اسے آنرز میں داخلہ لینے کی اجازت دے دی تھی بلکہ ریحان بھائی

کو بھی لکھا تھا کہ وہ خود شبنم کے ساتھ جا کر اس کا داخلہ کروائیں۔ امی نے ایک دفعہ پھر دبے لفظوں میں اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن عمران، انجم اور اسماء باجی نے اس کی اتنی زبردست حمایت کی کہ امی کو خاموش ہو جانا پڑا۔ دوسری طرف یاسمین بھابی، ہارون بھائی اور فاروق بھائی بھی اس کے طرف دار تھے۔

جب وہ پہلے دن یونیورسٹی گئی تو اگرچہ ہارون بھائی اس کے ساتھ تھے لیکن پھر بھی وہ نروس ہو رہی تھی۔ ماحول کے اجنبی پن کا احساس اسے بڑی شدت سے ہوا۔ اس سے پہلے اس نے یونیورسٹی کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ ہاں یونیورسٹی کے بارے میں سنا ضرور تھا، ان لڑکیوں کی زبانی — جن کی بڑی بہنیں اور بڑے بھائی یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھے۔ گاڑیوں اور سکوٹروں کی قطاریں، بسوں کا شور و غل، ٹائپ رائٹرز کی کھٹ کھٹ، چائے اور کولڈ ڈرنکس کی افراط، بیروں کی مصروفیت، لڑکے لڑکیوں کا ہجوم، بلند قہقہے اور دبی دبی مسکراہٹیں اور ہنگامے۔!

شبنم کو یہ سب کچھ دیکھ کر ایک عجیب سی وحشت کا احساس ہوا۔ اس نے سوچا:
زندگی کے چار طویل سوال ان ہنگاموں میں کیسے گزریں گے۔ اسے تو تنہائی اور خاموشی پسند تھی۔ کیا وہ اس اجنبی ماحول میں اپنے دن کا بیشتر حصہ گزار سکے گی؟ گھر آ کر اس نے اس موضوع کے متعلق بے تحاشا سوچا۔ سچ تو یہ تھا کہ اسے یہ سب کچھ بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔ مگر پھر اس نے اپنے آپ کو سمجھا لیا۔

زندگی کا سفر بہت طویل ہوتا ہے شبنم فیاض! اور قدم قدم پر آرزوئیں، امنگیں،

تمنائیں اور خواہشیں انسان کا دامن تھامتی ہیں۔ وقت کے لامتناہی اور گہرے سمندر سے ہر لمحہ کچھ پالینے کی، کچھ حاصل کر لینے کی تڑپ انسان میں پیدا ہوتی ہے۔ زندگی میں ولولے اور جستجو ہی حرارت اور تلاطم پیدا کرتے ہیں ورنہ اس کے بغیر تو زندگی صرف اور صرف جمود کا نام ہے۔

زندگی میں آنے والا ہر لمحہ انسان کو نئے تجربات اور نئے حادثات سے دوچار کرتا ہے۔ زندوں کی طرح زندہ رہنے کے لئے بے شمار آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اونچی نیچی، ناہموار کٹھن راہوں سے گزر کر ہی منزل ملا کرتی ہے۔ وہ منزل ہی کیا جس تک پہنچنے کے لئے راستے میں نشیب و فراز سے واسطہ نہ پڑے۔ تم اپنے سوخ نگر کی سیر کرتے ہوئے خوابوں کے بنے انہیلے سے جزیروں میں جا پہنچتی ہو۔ تو اُن خوابوں کی تعبیر آسانی سے تو نہیں مل جائے گی۔ زندگی میں آنے والے ہر نئے حادثے کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیئے۔ اگر دل میں خود اعتمادی یقینِ محکم اور عزم راسخ کے جذبات ہیں تو دنیا میں کچھ مشکل نہیں۔ اگر یونیورسٹی کا ماحول تمہارے لئے اجنبی ہے تو کیا ہوا۔ اپنے آپ کو اس ماحول میں اس طرح ڈھالو کہ اپنی انفرادی حیثیت بھی برقرار رہے۔ شبنم اپنے آپ کو سمجھا کر مطمئن سی ہو گئی اور اس روز کئی دنوں کے بعد وہ بڑے سکون سے سوئی۔

یونیورسٹی میں وہ فارم تو جمع کروا چکی تھی، لسٹ ابھی تک نہیں لگی تھی لیکن وہ اس کے بارے میں زیادہ فکر مند نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کا ایڈمیشن ضرور ہو جائے گا لسٹ چاہے جب لگے۔ وہ بڑے سکون کے ساتھ ابا میاں کی لائبریری سے کتابیں نکال کر پڑھتی ہی

اور پھر ــــــ وہ ایڈمیشن لسٹ بھی لگ گئی۔ تزئین نے آکر اسے بتایا وہ تو اتنے دنوں سے یونیورسٹی ہی نہیں جا رہی تھی۔ شبنم کے ساتھ کی چار لڑکیاں تزئین، ارجمند، شمیم اور کلثوم کو شعبۂ معاشیات میں داخلہ مل گیا تھا لیکن سائرہ کے نمبر معاشیات میں کم ہونے کی وجہ سے اسے داخلہ نہیں مل سکا تھا۔ شعبۂ سیاسیات کی لسٹ میں اس کا نام آگیا تھا۔ شبنم کو افسوس ہوا کیونکہ سائرہ اس کی سکول کی ساتھیوں میں سے تھی۔

یونیورسٹی میں ایڈمنسٹریشن کا کام اس قدر سست تھا کہ شبنم کو کوفت ہونے لگی۔ ذرا ذرا سے کام کے لئے دس چکر لگانے پڑتے تب کہیں جا کر کام پورا ہوتا تھا۔ بڑی سست رفتاری سے ایڈمیشن کا سلسلہ ختم ہوا تو کلاسیں شروع ہونے کے آثار نظر آتے اور جب کچھ عرصہ بعد پڑھائی باقاعدہ شروع ہوئی تو شبنم نے اطمینان کا سانس لیا۔ آنرز فرسٹ ایئر معاشیات میں ابتداً کل بیس طلبا و طالبات تھیں۔ بعد میں ان میں سے پانچ ٹرانسفر کروا کے دوسرے ڈیپارٹمنٹس میں چلے گئے۔ شمیم نے بھی شعبہ سیاسیات میں ٹرانسفر کروا لیا تھا۔ اب کلاس میں کل چھ لڑکیاں اور نو لڑکے تھے۔ تین لڑکے شرقِ اردن کے تھے، ایک نائیجیریا کا اور ایک مصر کا تھا۔ بے چارے اردو بالکل نہیں سمجھتے تھے۔

"اپنے عزیزوں اور اپنے وطن سے دور رہ کر انہیں کیا محسوس ہوتا ہوگا۔"

شبنم نے سوچا۔

ڈیپارٹمنٹ کا اسٹاف بہت اچھا تھا۔ جنرل ہسٹری اور سیاسیات شبنم کے سب سی ڈیری (SUBSIDIARY SUBJECTS) تھے۔ تمام استاد اتنی توجہ اور محنت

اور خلوص سے پڑھاتے تھے کہ خواہ مخواہ ہی دلچسپی سے سننے کو دل چاہتا تھا۔ کلاس کے لڑکے مہذب، شریف اور خوش اخلاق تھے۔ البتہ دو لڑکے جاوید حسن اور مسعود اختر بے حد شریر تھے لیکن تہذیب سے گری ہوئی کوئی حرکت نہیں کرتے تھے۔ ہاں ایم۔ اے سوپریویس کے لڑکوں میں سے چند لڑکے بدتمیز تھے لیکن شبنم وغیرہ کو تو ان لوگوں سے واسطہ نہیں پڑتا تھا۔

کلاسیں شروع ہونے کے ساتھ ہی شبنم کی مصروفیت بڑھ چکی تھی اور بھابی کا موڈ اکثر خراب رہنے لگا تھا گھر کا ماحول اکثر و بیشتر اتنا خراب ہو جاتا تھا کہ شبنم باوجود کوشش کے کچھ نہیں پڑھ سکتی تھی۔ ذہن پر منوں بوجھ لئے وہ سوچتی رہتی اور اندر ہی اندر کڑھتی رہتی اور اندر ہی اندر

یونیورسٹی میں وہ زیادہ تر یہی کوشش کرتی تھی کہ کلاسیں ختم ہونے کے بعد جلدی سے جلدی گھر پہنچ جائے حالانکہ یونیورسٹی کی شاندار لائبریری اور بے شمار کتابیں دیکھ کر بے اختیار اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ شام تک بیٹھی پڑھتی رہے مگر گھر کے ماحول کا خیال آتے ہی اس کے قدم بس اسٹاپ کی طرف اٹھ جاتے۔

اور تب ـــ دوسرے روز اس کا جنرل ہسٹری کا ٹیسٹ ہونے والا تھا ـــ وہ کلاسیں اٹینڈ کرنے کے بعد لائبریری چلی گئی۔ مگر جس کتاب کی اسے ضرورت تھی، اس کی دونوں جلدوں پر دوسرے لوگوں کا قبضہ تھا اور کچھ نہیں معلوم تھا کہ یہ قبضہ کتنے گھنٹوں تک کے لئے تھا۔ اس نے ایک لڑکی سے پوچھا تو معلوم ہوا شام تک وہ ریڈنگ روم میں ٹھہرے

گی۔ شبنم نے درخواست کر کے اس سے ایک گھنٹہ کے لیے کتاب مانگی اور چند ضروری پوائنٹس نوٹ کر کے لائبریری سے چلی گئی۔ یونیورسٹی کی بس سے گرومندر پر اتر کے اسے ناظم آباد کی بس کے لئے کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ گھر پہنچی تو سبھی آرام کر رہے تھے۔ انجم کا بھی شاید آج پریکٹیکل نہیں تھا۔ وہ بھی چادر اوڑھے ٹھاٹھ سے سو رہی تھی۔ شبنم کتابیں میز پر رکھ کر کپڑے بدلنے جا رہی تھی۔ تب باہر سکوٹر کی آواز آئی۔ وہ دریچے میں آگئی۔ پردے سرکا کر دیکھا۔ ہارون بھائی تھے۔ وہ برآمدے میں آگئی۔

"ہیلو مس یونیورسٹی۔ کیا حال ہے تمہارا۔" وہ اس کے قریب آکر بولے۔

شبنم نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ ہارون بھائی کے چہرے پر دن بھر کی تھکن تھی اور ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ۔ دھوپ کی شدت سے سانولا چہرہ تمتایا ہوا سا تھا۔

"لوگ اب بہت مصروف رہتے ہیں!" ہارون بھائی اس کے ساتھ کمرے میں آگئے

"کیا مطلب؟"

"لوگوں سے ملاقات ہی نہیں ہوتی۔" ہارون بھائی نے سگریٹ سلگایا

"آج تو ہو گئی۔"

"ہاں آج کا دن ہمارے لئے بڑا مبارک ثابت ہوا۔"

"اچھا ــــ؟"

"ہاں!"

"ابھی تشریف لائی ہیں آپ غالباً!"

"جی!"

"اتنی دیر تک کیا کرتی رہیں؟"

"گھاس نہیں کھودتے!"

"میں نے یہ کب کہا کہ آپ گھاس کھودتی ہیں!"

شبنم خاموش رہی۔

"ہماری انجم رانی سو رہی ہیں؟"

"ہوں!"

"آپ کا ارادہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے!"

"نہیں!"

"پھر!"

شبنم کچھ نہیں بولی۔

"کھانا کھالیا؟"

"ابھی نہیں!"

"جاؤ کھانا کھاؤ۔"

"آپ نہیں کھائیں گے؟"

"نہیں!"

"کیوں؟"

بھاگ کر آیا ہوں۔"

"کہاں سے؟"

"دوست کے گھر سے۔"

"مگر وہ تو آتے آتے ہضم ہو گیا ہوگا۔"

"پیدل چل کر نہیں آیا۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

شبنم بھی مسکرا دی

"میں جاؤں پھر؟" شبنم نے پوچھا۔

"شوق سے۔ مگر کھانے کی میز کو جلدی خدا حافظ کہئے گا محترمہ!"

"اچھا!" شبنم باہر جاتے ہوئے بولی۔

ہارون بھائی رائٹنگ ٹیبل کے قریب آگئے اور اس کی کتابیں کاپیاں الٹنے پلٹنے لگے۔ پھر ایک میگزین اٹھا کر دریچے کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔ بمشکل تمام چند ہی منٹ پڑھا ہوگا کہ نیند کا جھونکا آگیا۔ انہوں نے میگزین سینے پر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ شبنم کھانا کھا کر آئی تو ہارون بھائی کو یوں سوتے دیکھ کر اسے ان پر بے تحاشا ترس آیا اور اس کا دل ان کے لئے ہمدردی کے جذبات سے پُر ہو گیا۔

"بیچارے ڈاکٹروں کی بھی کیا مصروف زندگی ہوتی ہے!" اس نے سوچا اور ہارون بھائی کے قریب آگئی۔

"ہارون بھائی!" اس نے آہستہ سے پکارا۔

وہ ایک دم چونک گئے۔ انہوں نے نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ ڈرائنگ روم میں آرام سے سو جائیے!"

"نہیں!"

"کیوں؟"

"بس اب گھر سے جائیں گے!"

"شام کو چلے جائیے گا۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شام کو جائیں یا اس وقت!" ہارون بھائی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"میں تو اس لئے کہہ رہی تھی آپ کو نیند آ رہی ہے نا!"

"ٹھیک ہے سب چلتا ہے۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

شبنم خاموش ہو گئی۔ ہارون بھائی نے میگزین میز پر ڈالا اور ایک ہاتھ سے بکھرے ہوئے بالوں کو ٹھیک کرتے ہوئے اس کے قریب آ گئے۔

"اچھا سوچ نگر کی رانی خدا حافظ!"

"خدا حافظ!" شبنم کی آواز مدھم تھی۔

"تم کب آؤ گی؟"

"معلوم نہیں!"

"پھر کسے معلوم ہے؟"

"یہ بھی نہیں معلوم!"

"احمق!"

"کل تو شاید اسماء باجی آپ کے یہاں جائیں گی!"

"تو پھر؟"

"ظاہر ہے پھر میں تو نہیں جا سکتی!"

"کیوں؟"

"کام کون کرے گا، خواہ مخواہ بھابی کا موڈ خراب ہوگا۔"

"ان کا موڈ اچھا کب رہتا ہے!"

"آپ کے ساتھ تو ہمیشہ ہی اچھا رہتا ہے!"

"ہاں ہم بڑے خوش نصیب ہیں اس معاملے میں!" وہ مسکرائے۔

"مگر وہ ایک بات پر اکثر آپ سے ناراض ہو جاتی ہیں۔"

"ہوں ۔ میں ان کے گھر نہیں جاتا۔"

"کیوں نہیں جاتے؟"

"ہماری مرضی!" انہوں نے بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"شبنم جانے کیا سوچنے لگی تھی؟

"سورج نگر سے واپس آجایئے" انہوں نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔

شبنم دھیرے سے مسکرا پڑی۔

"اچھا جناب! آپ آرام کیجئے!" ہارون بھائی میز پر سے گاگلز اٹھا کر کرے

سے نکل گئے اور دروازے پر پڑا ہوا پردہ ہلتا رہ گیا۔ شبنم کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی۔ کمرے میں آئی تو انجم کو دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے اس کا دل چاہا کہ وہ بھی چادر تان کر لیٹ جائے مگر پھر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ چوٹی کھول کر بالوں میں ربن باندھتے ہوئے وہ باہر برآمدے میں آگئی۔ چنبیلی کی بیل کے نزدیک کھڑے ہو کر اس نے ایک لمحہ کیلئے امی اور اسماء باجی کے کمرے کی طرف دیکھا اور پھر —— اس کا ذہن بھی بھٹک گیا۔ چنبیلی کی ایک پتی توڑ کر اسے مسلتے ہوئے وہ بڑی عجیب وغریب باتیں سوچنے لگی۔ ایسی باتیں جن کا تعلق دھندلکوں میں کھوئے ہوئے ماضی سے تھا، ہر لمحہ گزرتے ہوئے زمانہ حال سے تھا اور افسانہ خواں خوابوں کے جھروکوں سے جھانکتے ہوئے مستقبل سے تھا۔ اسے اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے گہرے اور گھمبیر سناٹوں کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے —— جیسے وہ تپتے ہوئے سنسان ویران صحرا کے غبار آلود دھندلکوں میں ڈوبی کھڑی ہو اور اس کے چاروں طرف اس کی آرزوئیں، اس کی خواہشوں اور اس کے سپنوں کے بکھرے ہوئے اداس کھنڈر اپنی ویرانیوں پر نوحہ کناں ہوں۔ اس نے آہستہ سے سر کو جھٹک کر اپنے ذہن کو طویل اور لامتناہی سوچوں کی زنجیروں سے آزاد کیا اور پلکیں جھپکا کر گیٹ کے اس پار دیکھا جہاں دوپہر کی ڈھلتی ہوئی دھوپ کے سائے مکانوں اور زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔ کالی سیاہ سڑک سوچ میں ڈوبی ہوئی بالکل ساکت اور بے آباد تھی۔ اور مکانوں کی چار دیواری پر درختوں کے سائے طویل ہو چلے تھے۔

یونیورسٹی میں ان دنوں الیکشن کی مہم چلی ہوئی تھی۔ ہنگامے عروج پر تھے لیکن شبنم کو ان ہنگاموں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ دوسرے لوگوں کو بہت کم ہی اس کا موقع دیتی تھی کہ وہ اس سے مخاطب ہوں۔ اپنے فری پیریڈ وہ زیادہ تر لائبریری میں گزارتی تھی۔ بے شمار کتابوں اور رسالوں کو دیکھ کر اس کا دل ایک عجیب سی خوشی اور سرشاری سے معمور ہو جاتا تھا۔

الیکشن کے روز شبنم نے اپنا تمام وقت لائبریری میں گزارا بس آخری وقت پر خاموشی سے جا کر اپنا ووٹ ڈال آئی۔ مختلف عہدوں کے امیدواروں کے اچھے یا برے ہونے کے سلسلے میں اس نے کسی سے زیادہ بحث نہیں کی۔ اس قسم کی گفتگو سے وہ زیادہ تر دامن بچایا کرتی تھی۔

الیکشن ختم ہونے پر یونیورسٹی کی فضا بالکل پرسکون ہوگئی۔ ہنگامے تھم گئے اور طالب علموں کی زندگی اپنی ڈگر پر واپس لوٹ آئی۔ پڑھائی کے ساتھ دوسری سرگرمیاں بھی جاری تھیں۔ مختلف شعبوں کی افتتاحی تقاریب (INAUGURAL FUNCTIONS) بھی وقتاً فوقتاً ہو رہی تھیں۔ وقت آگے بڑھ رہا تھا اور لمحات پیچھے سرک رہے تھے۔ زندگی آہستہ آہستہ اپنی مسافت طے کر رہی تھی۔

اور ـــــ اس روز شعبۂ سیاسیات کی یونین نے بین الشعبہ جاتی مباحثے کا اہتمام کیا تھا۔ مقررین کی فہرست میں شبنم کا نام بھی شامل تھا۔ اس سے پہلے اسے لڑکوں کے مجمع میں سے تقریر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ نروس سی اپنی نشست پر بیٹھی تھی۔ مقررین اپنی اپنی باری پر آ رہے تھے اور بہتر سے بہتر طریقے سے بولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اپنے اپنے دلائل پیش کر رہے تھے لیکن لڑکے بے پناہ ہوٹنگ کر رہے تھے خصوصاً جب لڑکیاں اسٹیج پر آتی تھیں تو ایک طوفانِ بدتمیزی کا عالم ہوتا تھا۔

آخر کار اناؤنسر نے شبنم فیاض کا نام پکارا۔ اپنی نشست پر سے اٹھتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے شبنم کے پیر لڑکھڑائے۔ ہاتھ برف کی طرح سرد اور منجمد ہوگئے۔ دل کی دھڑکنیں ایک دم ہی تیز ہوگئیں لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خود پر قابو پالیا اور بڑی خود اعتمادی سے اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔ مائک کے قریب پہنچتے پہنچتے وہ بالکل نارمل (NORMAL) ہو چکی تھی۔ باوجود اس کے کہ لڑکے اپنی عادت کے مطابق مسلسل

ہٹونگ کر رہے تھے وہ پرسکون انداز سے بولتی رہی اور موضوع کی مخالفت میں اپنے ٹھوس دلائل دیتی رہی۔ اس کا انداز یقیناً دوسروں کے لئے متاثر کن تھا۔ سبھی کو خاموش ہو کر سننا پڑا اور جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکی اسٹیج سے اتری تو ہال تالیوں کے شور سے گونج اٹھا——

مباحثہ ختم ہونے کے بعد جب ججوں نے اپنے فیصلے کا اعلان کیا تو شبنم فیاض کو پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ اُسے "کمسن مقررہ" کا خطاب دیتے ہوئے اس کے اندازِ تقریر اور ٹھوس دلائل کی تعریف کی گئی۔ اس کے شعبہ کی یونین کے صدر، جنرل سیکرٹری اور جوائنٹ سیکرٹری نے اسے مبارکباد دی۔ اس کے چاروں طرف ایک مجمع سا لگ گیا۔ اس نے سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پریشان نظروں سے اپنی سہیلیوں کی طرف دیکھا اور بمشکل تمام مجمع سے باہر نکلی۔

لیکن اس روز——شام کو جب وہ گھر پہنچی تو ایک ہنگامہ برپا تھا۔ بھابی کا موڈ بہت خراب تھا اور امی طبیعت خراب ہونے کے باوجود باورچی خانے میں گھسی کھانا پکا رہی تھیں۔ انجم تھوڑی دیر پہلے ہی کالج سے آئی تھی۔ اسماء باجی تیز بخار میں پھنک رہی تھیں۔ شبنم کتابیں رکھ کر کپڑے بدلے بغیر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ بھابی کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے شبنم کی نگاہیں اٹھ گئیں۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے والی میز کے قریب کھڑی جانے کیا کر رہی تھیں۔ چہرہ غصے سے تمتمایا ہوا تھا۔ اور پیشانی پر لاتعداد سلوٹیں تھیں۔ شبنم نظریں جھکا کر باورچی خانے میں چلی گئی۔

قدموں کی آہٹ پر امی نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور بے حد سرد لہجے میں بولیں،

"آگئیں واپس؟"

شبنم خاموش رہی۔

"میں کہتی ہوں ایسی پڑھائی سے آخر فائدہ کیا ہے جو روز گھر میں جھگڑے فساد برپا کرے!"

"آج مباحثہ تھا امی! اس لئے دیر ہو گئی!"

"کیا ضرورت تھی تمہیں مباحثے میں حصہ لینے کی؟"

شبنم چپ رہی۔

"آئندہ سے تم کسی چیز میں حصہ نہیں لو گی!"

"امی ——!" شبنم نے کچھ کہنا چاہا۔

"انہی سب جھگڑوں کی وجہ سے منع کیا تھا تمہیں کہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن مت لو۔"

شبنم سر جھکائے اپنے دوپٹے کے آنچل کو مروڑتی رہی۔

"بس ختم کرو پڑھنا لکھنا!" امی سارا غصہ اس پر اتار رہی تھیں اور شبنم بڑے صبر و تحمل سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ تبھی اسماء باجی وہاں آگئیں

"امی خدا کے لئے اب بس بھی کیجئے!" اسماء باجی نے کہا۔

"تم کیوں ہوا میں نکل آئیں؟"

"کب تک لیٹی لیٹی سنتی رہتی۔ آپ سارا غصہ اس غریب پر اتار رہی ہیں۔"

"پھر کیا کروں؟ دیر سے آئے یہ اور باتیں سنوں میں؟"

"مباحثہ تھا امی۔ وہ بیچاری کہیں گھومنے تو نہیں گئی تھی۔"

"اس کے یہ بحث مباحثے تو ایک روز میرے جی کا روگ بن جائیں گے۔" امی کا غصہ اب تک کم نہیں ہوا تھا۔

"کچھ تو خیال کیجیے امی! وہ مظلوم تھکی ہاری آئی ہے۔ کسی نے نہ اس سے کھانے کو پوچھا نہ پانی کو! بس آتے ہی ڈانٹ ڈپٹ پڑنے لگی۔" اسماء باجی نے باورچی خانے سے جاتے ہوئے کہا۔

"امی بغیر کوئی جواب دیئے آٹا چھاننے لگیں۔

"روٹی میں پکالوں گی آپ رہنے دیجیے!" شبنم نے آہستہ سے کہا۔

"انجم پکالے گی۔ تم کھانا کھالو۔" امی نے نرم لہجے میں کہا۔

"انجم تھکی ہوئی ہے۔ ابھی تو آئی ہے کالج سے!"

امی خاموشی سے اس کے لئے کھانا نکالنے لگیں۔

"ذرا انجم کو آواز دینا!" امی نے کہا۔

"نجو ــــــ!" شبنم نے وہیں سے پکارا

انجم جانے کہاں تھی۔ اس نے شاید سنا نہیں۔ شبنم اسے بلانے چلی گئی۔

"امی بلا رہی ہیں نجو!"

"موڈ کیسا ہے امی کا؟" نجو نے شبنم کی طرف دیکھا۔

"پہلے جیسا خراب نہیں!" شبنم مسکرائی
"آج کے مباحثے کا رزلٹ کیا رہا؟"
"بہت اچھا — !"
"یعنی —— ؟"
"فرسٹ پرائز!"
"مجھے یقین تھا اس بات کا!" انجم خوش ہو کر بولی اور شبنم کے ساتھ باورچی خانے میں آ گئی۔
"امّی! شبو کو پہلا انعام ملا ہے آج کے مباحثے میں۔"
"اچھا — !" امی کی آواز مدھم تھی۔
"ہاں امّی!"
"شبو تم کھانا کھاؤ ٹھنڈا ہو رہا ہے!"
"اچھا — !"
"اور نجو تم شبو کے لئے چائے بنا کر روٹیاں پکا لو۔"
"ٹھیک ہے۔ آپ جائیے!" انجم نے کہا۔
امی باورچی خانے سے چلی گئیں۔ انجم چائے کے لئے پانی رکھنے لگی۔
"روٹیاں میں پکا لوں گی انجم! تم تھکی ہوئی ہو۔"
"اور تم جیسے بالکل تازہ دم ہو۔"

"ہاں —— !"

"اچھا زیادہ نخرے دکھانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کھانا کھا کر چائے پیئیں۔ اور یہاں سے تشریف لے جایئے۔"

"انجم نے شبنم کے بے حد اصرار کے باوجود اسے کام نہیں کرنے دیا۔ شبنم چائے پی کر اسماء باجی کے پاس آگئی۔ انہیں کافی تیز بخار تھا۔ پھر بھی وہ اس سے مباحثے کے متعلق تفصیلات پوچھتی رہیں۔ شبنم کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھی آہستہ آہستہ ان کا سر دباتی رہی اور باتیں کرتی رہی۔ پھر عصر کی نماز پڑھنے اپنے کمرے میں آگئی۔ دعا مانگتے ہوئے اس کا دل جانے کیوں بہت اداس ہو گیا؟ جا نماز رکھ کر وہ اپنی میز کے قریب آگئی اور کتابوں کو بلا مقصد الٹ پلٹ کرنے لگی۔ دل کی اتنی عجیب کیفیت ہوتی جا رہی تھی کہ وہ خود اسی کیفیت کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ وہ بڑی بے دلی سے کرسی پر بیٹھ گئی اور دونوں بازوؤں میں منہ چھپا کر سر میز پر ٹکا دیا۔ بے شمار لمحات چپکے سے بیت گئے۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہی اور تب باہر سکوٹر رکنے کی آواز آئی۔ اور یہ ہارون بھائی کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ برآمدے میں ان کے قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر یہ آواز بتدریج دور ہوتی گئی۔ شاید امّی کے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔ کافی دیر کے بعد ہارون بھائی اس کے کمرے میں آئے تو شبنم اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ ہارون بھائی نے ایک لمحے کے لئے دروازے میں رک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر قریب آگئے۔

"شبنم !" ہارون بھائی نے آہستہ سے پکارا۔

شبنم اسی طرح بیٹھی رہی۔

"شبو!" انہوں نے آہستہ سے جھک کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا، شبنم نے میز پر سے سر اٹھایا اور وہ ایک لمحے پلکیں جھپکائے بنا ان کی طرف دیکھتی رہی۔

"کیا بات ہے مس؟" ہارون بھائی مسکرائے۔

"کچھ نہیں!"

"پھر اس طرح کیوں بیٹھی تھیں؟"

"دل چاہ رہا تھا!"

"کیا کہنے تمہارے دل کے! میں تو سمجھا رو رہی ہو۔"

"شبنم بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کونسی بات ہے؟"

"ہنسنے کی یہ بات ہے ہارون بھائی کہ آپ میری عادت سے واقف ہوتے ہوئے بھی ایسے غلط اندازے لگا بیٹھے!"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ بڑی سے بڑی بات ہو جانے پر بھی میں یہی کوشش کرتی ہوں کہ میری آنکھوں میں آنسو نہ آنے پائیں۔"

"مگر یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے شبنم!"

"کیوں؟"

"اس طرح دل پر بہت برا اثر پڑتا ہے!"

"اپنے دل کو مضبوط بنانے کے لئے ہی تو میں ایسا کرتی ہوں۔"

"تم ابھی بچی ہو شبنم! تم کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں!"

شبنم خاموش رہی۔

"تم عمر کے جس دور سے گزر رہی ہو اس عمر کی لڑکیاں تو رونے کی بات پر پھوٹ پھوٹ کر روتی ہیں اور ہنسنے کی بات پر بے تحاشا ہنستی ہیں!"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں ہارون بھائی مگر۔۔۔"

"مگر ــــ؟"

"کچھ نہیں!" شبنم اٹھ کر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔ ہارون بھائی بھی اس کے پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے۔

"آج گھر میں کوئی بات ہوئی تھی؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے!"

"جب تم جانتی ہو کہ یہ اس گھر کا دستور بن جاتا ہے پھر خواہ مخواہ سوچنے سے فائدہ؟ اب ان باتوں کا اثر لینا چھوڑ دو۔"

"میں تو ان باتوں کا قطعی اثر نہیں لیتی!"

"یہ بات تم اس سے کہو جو تمہیں جانتا نہ ہو۔"

"آپ مجھے جانتے ہیں؟" شبنم نے پلٹ کر ان کی جانب دیکھا۔

"بہت اچھی طرح ۔" ہارون بھائی مسکرائے۔

"اور کس کس کو جانتے ہیں آپ ؟"

"اس سے تمہیں کیا مطلب ؟"

"اچھا چھوڑیئے جانے دیجئے ۔"

ہارون بھائی نے بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"چائے لاؤں آپ کے لیے ؟"

"نہیں ۔"

"کیوں ؟"

"ابھی پی کر آ رہا ہوں ۔"

"کہاں سے ؟"

"امی کے کمرے سے ۔ انجم بنا کر لائی تھی ۔"

"اچھا ؟"

"ہوں ۔"

"سب ٹھیک ہیں گھر میں ؟"

"بالکل ٹھیک ہیں ۔"

"آپ یو۔کے کب جا رہے ہیں ؟"

"ابھی کچھ ٹھیک نہیں ۔ ممکن ہے ڈیڑھ دو سال بعد جاؤں ۔"

"میرے لئے وہاں سے بہت اچھی اچھی کتابیں بھیجیے گا!"

"اچھا!" ہارون بھائی نے ایک لمحے کے لئے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر جانے کیا سوچنے لگے۔

شبنم دریچے میں کھڑی اپنی سوچوں میں گم تھی۔ چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔ ہارون بھائی نے ہونٹوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ بکھیر کر اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولے

"میں تمہاری اس عادت سے تنگ آ چکا ہوں۔"

"کس عادت سے؟"

"ہر وقت سوچنے کی عادت سے۔"

"آپ خود بھی تو سوچ رہے تھے ابھی!"

"ہر وقت تو نہیں سوچتا!"

شبنم خاموش رہی۔

"آج تمہارے یہاں مباحثہ تھا؟"

"جی!"

"بتایا نہیں کچھ اس کے بارے میں؟"

"دلچسپی ہی کس کو ہے؟"

"تمہارا مطلب ہے میں اس قدر بدذوق واقع ہوا ہوں۔"

"میرا مطلب آپ سے نہیں!"

"پھر کس سے ہے!"

"کسی سے بھی نہیں!"

"اس قدر اوندھی سیدھی باتیں کیوں کر رہی ہو!"

"معلوم نہیں!"

"یقیناً تمہیں اس وقت آرام کی ضرورت ہے۔" ہارون بھائی مسکرائے اور اٹھ کر اس کے قریب آگئے۔

"اچھا ہم چلتے ہیں تم آرام کرو۔"

"میں نے آپ سے جانے کے لئے تو نہیں کہا۔"

"ہاں یقیناً! لیکن مجھے تو احساس ہے کہ تم دن بھر جنابِ صدر کو مخاطب کرتے کرتے تھک چکی ہو گی۔"

شبنم مسکرا دی۔

ہارون بھائی خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئے۔

اور اس روز شبنم یونیورسٹی سے ارجمند کے گھر چلی گئی تھی۔ شام کو واپس آئی تو اس کی کتابوں والی میز پر "پرواز" کا تازہ شمارہ پڑا تھا۔ اس نے فائل میز پر ڈال کر پرچہ اٹھا لیا۔ فہرست پر نظریں دوڑاتے ہوئے اس کے چہرے پہ ایک رنگ سا چھا کر رہ گیا۔ اس کا افسانہ "زخمِ بہار" دوسرے نمبر پر شائع ہوا تھا۔ اپنی عادت کے مطابق وہ سب سے پہلے اپنا ہی افسانہ پڑھنے بیٹھ گئی۔ جبھی اسما۔ باجی ادھر آگئیں۔ اسے

رسالہ پڑھتے دیکھ کر ایک دم مسکرا دیں۔

"توبہ ہے شبو! رسالہ کہیں بھاگا تو نہیں جاتا۔"

شبنم اس کی طرف دیکھے بغیر مسکرا دی۔

"کم از کم منہ ہاتھ دھو کر کھانا تو کھا لیتیں!"

"ابھی کھا لوں گی!"

"اس وقت تم سے کچھ کہنا بیکار ہے۔" اسماء باجی کمرے سے جاتے ہوئے بولیں۔

شبنم بے حد تنقیدی نگاہ سے اپنا افسانہ پڑھتی رہی۔ افسانہ پڑھ کر بڑی بے دلی سے اس نے رسالہ میز پر ڈال دیا۔

"کچھ نہیں بالکل بے کار۔" اس نے زیر لب کہا۔

"تم زندگی بھر ایسے افسانے لکھتی رہو، صفحے کے صفحے سیاہ کرتی رہو لیکن دنیائے ادب میں اپنے لئے کوئی مقام پیدا نہ کر سکو گی۔ یہ زندگی کی حقیقتوں سے فرار حاصل کرنے والی کہانیاں! ان کا بھلا ادب میں کیا مقام ہو سکتا ہے۔ ایسی کہانیوں اور ایسے افسانوں کی حیثیت تو ادب کے بحرِ ذخار میں چند بلبلوں کی سی ہوتی ہے۔ پانی کے بلبلے! جو ابھر کر پل بھر میں غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ ان کا کوئی نام ہوتا ہے اور نہ نشان ۔ ۔ ۔ حسن عشق، محبت اور وصل ہی کو تو افسانوں کا موضوع نہیں بنایا جاتا۔ کیا حسین و دلکش چہروں، عالی شان کوٹھیوں اور لمبی چمکدار گاڑیوں میں گھومنے والے انسان ہی افسانوں کے کردار بنائے جا سکتے ہیں۔ غربت و افلاس کی گود میں پلنے

والے معمولی صورت کے انسانوں سے کیا خطا ہوئی ہے جو انہیں کہانیوں کے کردار بننے کا اہل نہیں سمجھا جاتا؟

جبکہ درحقیقت انہی کے مسائل کا حل قابل توجہ ہے معاشرے کے صرف ایک طبقے کے احساسات کی ترجمانی کرنے والا شخص ہرگز ادیب کہلانے کا مستحق نہیں۔ ادیب کا فرض صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اونچی سوسائٹی کے مسائل اور ان کی الجھنوں کے حل تلاش کرتا رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ لوگ جیب کترے، چور اور ڈاکو کیوں بن جاتے ہیں؟ ایک ہی دھرتی پر جینے والے انسانوں کے درمیان غربت اور امارت کی ناقابلِ شکست اور آہنی دیوار معاشرے میں کن خرابیوں کو جنم دیتی ہے اور اکثر اوقات اچھے شریف اور نیک نام گھرانوں کی لڑکیاں کوٹھے کی زینت کیوں بن جاتی ہیں؟

تو کیا یہ ممکن نہیں ہے شبنم فیاض کہ تم اپنے افسانوں میں رومانوی رنگ کو تھوڑا سا کم کر کے زندگی کے ان حقائق کے بارے میں چند سطریں لکھو؟

اور شبنم نے سوچا کہ ناممکن تو کچھ بھی نہیں لیکن آج کل کے بیشتر انسان زندگی کی حقیقتوں کی طرف سے گونگے، بہرے اور اندھے ہو کر جینے کو پسند کرتے ہیں۔ فلموں میں، افسانوں میں اور ناولوں میں، غرض کہ ہر چیز میں تفریح کو تلاش کرتے ہیں۔ محض اپنی ذہنی آسودگی کی خاطر — ! لیکن کاش کہ وہ سوچ سکیں کہ ان کی یہ ذہنی آسودگی ادیب کے لئے اور اس معاشرے کے لئے کتنی مہلک، کتنی مضر اور کتنی نقصان دہ ہے۔

شبنم نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر چند لمحوں میں اتنی ساری باتیں سوچ ڈالیں اور اٹھ کر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔ شام ڈوب چلی تھی اور زندگی اپنی عمر کے بے شمار قیمتی لمحات سے محروم ہو چکی تھی۔ دن کے ہنگامے پیچھے دھندلکوں میں کہیں گم ہو چکے تھے۔ خاموشیاں اور ویرانیاں دبے پاؤں چلی آئی تھیں۔ مدھم سے اجالوں اور اندھیروں کی وادی میں درخت سر جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ پھیلی ہوئی شاخیں بڑی بے کسی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف تکتے ہوئے اپنی عمر کے ان لمحات کی داستانیں سنا رہی تھیں جو بیت گئے تھے۔ جو ختم ہو گئے تھے اور جو اب کبھی لوٹ کر نہیں آ سکتے تھے۔

گزرا ہوا زمانہ، پیچھے رہ جانے والے لوگ بیتے ہوئے لمحات اور بھولی بسری باتیں، ان سب کی ہماری زندگی میں کتنی قدر ہے! کتنی اہمیت ہے! شبنم نے سوچا اور دریچے سے ہٹ گئی۔ کمرے میں اندھیرے چپ چاپ سرک آئے تھے اور خاموشیوں کے ڈھیر میں بجھے ہوئے تنہائی کے لمحات اذیت ناک سے محسوس ہو رہے تھے۔ شبنم کپڑے بدل کر امی کے کمرے میں آ گئی۔ امی اسی وقت نماز پڑھ کر اٹھی تھیں، اسماء باجی دونوں ہاتھ پھیلائے بڑے خشوع و خضوع سے دعا مانگ رہی تھیں۔ عمران بستر پر بیٹھا بغیر کسی مقصد کے مسلسل ٹانگیں ہلائے جا رہا تھا۔

"پیر مت ہلاؤ عمران ——" شبنم نے اسے ٹوکا۔

"کیوں ——؟"

"منحوس ہوتا ہے مغرب کے وقت پیر بلانا۔" شبنم نے بزرگوں سے سنی سنائی بات دہرا دی۔

"ہنہہ! سب فضول باتیں ہیں۔"

"تمہارے نزدیک تو ہر بات فضول ہے۔"

"اچھا آپ یہ بتایئے اتنی دیر میں کیوں آئی ہیں؟"

"ارجمند کے گھر گئی تھی۔"

"کیوں؟ کیا دعوت تھی؟"

"ہاں —" شبنم مسکرا دی۔

"مجھے کیوں نہیں لے گئیں ساتھ؟"

"تمہارا بلاوا نہیں تھا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم بن بلائے مہمان بن جاتے۔"

"کوئی اچھی بات تو نہیں بن بلایا مہمان بن جانا۔"

"اجی سب چلتا ہے۔"

"پیٹو!" شبنم ہنس پڑی۔

"چلئے پیٹو ہی سہی۔ لیکن آج آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

"زیادتی کی کیا بات ہے؟"

"اور کیا آپ مجھے دعوت میں نہیں لے گئیں!"

"دعوت نہیں تھی میرے بھائی۔"

"نہ سہی دعوت۔ پھر بھی دوپہر کا کھانا تو کھایا ہی ہوگا آپ نے اس کے گھر"

"نہیں ——!"

"جھوٹ!"

"بالکل سچ!"

"اچھا پھر ٹھیک ہے!" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسما، باجی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

"انجم کہاں ہے امی —؟" وہ اسما، باجی کے بستر میں لیٹتے ہوئے بولی۔

"انجم سامنے والے گھر میں گئی ہے۔"

"کیوں؟"

"دولہن کی بہن آئی تھیں وہی ساتھ لے کر چلی گئی ہیں!"

"ثروت آپا کے پاس گئی ہوں گی۔"

"ہاں —! سویٹر کا کوئی نمونہ پوچھنے گئی ہیں۔"

شبنم سر کے نیچے ہاتھ رکھے لیٹی جانے کیا سوچنے لگی۔ چند لمحوں بعد امی کی طرف اس کی نظر اٹھیں تو وہ کچھ حیران سی رہ گئی۔ امی بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی نگاہوں میں بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔ شبنم اس کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکی۔ وہ جلدی جلدی پلکیں جھپکا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

مگراس کے بعد شبنم نے کئی مرتبہ امی کی نگاہوں کو اپنے چہرے پر محسوس کیا۔ وہ اٹھ کر امی کے قریب آگئی:

"طبیعت ٹھیک ہے امی؟"

"ہاں ٹھیک ہے!" امی نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بھابی کا موڈ کیسا ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" امی دھیرے سے مسکرائیں۔

"کوئی خط آیا ہے؟"

"نہیں!"

"پھر آپ کیا سوچ رہی ہیں؟"

"تو کیوں پریشان ہو رہی ہے؟"

"بس آپ سوچا نہ کریں۔"

تبھی اسماء باجی وہاں آگئیں۔

"تم کھانا کھا لیتیں شبنم!" اسماء باجی نے کہا۔

"ابھی سے؟"

"تو کیا ہوا۔ دن میں بھی تو نہیں کھایا تم نے!"

"سب کے ساتھ ہی کھالوں گی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ اور اسماء باجی کے کمرے میں آگئی۔

"آج خالہ امی آئی تھیں۔" اسماء باجی نے اس کے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا؟ یاسمین بھابی نہیں آئیں؟"

"وہ بھی آئی تھیں۔"

"کیا کہہ رہی تھیں؟"

"تمہیں پوچھ رہی تھیں۔" اسماء باجی مسکرائیں۔

"اچھا!"

"امی سے کہہ رہی تھیں شبنم کو ہمیں دے دیجئے!"

"کیا مطلب ــــ؟"

"خالہ امی کو اب دوسری بہو کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں باجی آپ؟" شبنم کو اُلجھن ہونے لگی۔

"ابھی انجم آئے گی اس سے پوچھ لینا۔"

"کیا پوچھ لینا؟"

"یہی کہ میں جھوٹ کہہ رہی ہوں یا سچ؟"

"میرا کیا سوال ہے ابھی؟"

"کیوں نہیں ہے؟"

"مجھ سے بڑی آپ ہیں!"

"بڑے چھوٹے سے کوئی فرق نہیں پڑتا!"
"کیوں نہیں پڑتا؟"
"یہاں ہارون بھائی کی پسند کا سوال ہے۔"
"لیکن ہارون بھائی تو آپ ——"
"بہت غلط خیال ہے تمہارا!" اسماء باجی اس کے سر پر چپت مار کر ہنسیں۔
"میرا خیال بالکل صحیح ہے۔"
"تم تو دیوانی ہوئی ہو۔"
"دیکھئے نا باجی! ہارون بھائی نے تو کبھی مجھ سے اس انداز سے بات نہیں کی۔"
"نہ سہی —— !"
"بس تو پھر اس میں ان کی پسند کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا؟"
"بھئی ہم یہ سب کچھ نہیں جانتے۔ ہم سے تو جو کچھ خالہ امی اور یاسمین بھابی کہہ کر گئی ہیں وہی جانتے ہیں۔"
"کہیں ایسا تو نہیں باجی کہ خالہ امی نے سننے میں غلطی کی ہو۔"
"پاگل پن کی باتیں نہ کرو شبنم!"
"میں نہیں مانتی۔ ہارون بھائی ہرگز ایسی بات نہیں کہہ سکتے۔"
"تمہارے نہ ماننے سے حقیقت تھوڑی بدل جائے گی۔" اسماء باجی اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرائیں۔

شبنم کچھ پریشان سی ہو کر دریچے میں کھڑی ہو گئی

"کیا سوچنے لگیں ؟" اسماء باجی اٹھ کر اس کے قریب آ گئیں۔

"آپ کی باتیں سن کر میرا دماغ پریشان ہو گیا ہے۔"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے احمق!"

شبنم نے پلکیں جھپکا کر ان کی طرف دیکھا۔

"پھر کیا خیال ہے ؟ امی سے کہہ دوں شبنم راضی ہے ؟" اسماء باجی نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بالکل نہیں باجی۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا!"

"کیا مطلب ——؟"

"مطلب یہ کہ پہلے آپ کی شادی ہو گی۔"

"یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔"

"بہت ضروری ہے۔"

"دقیانوسی باتیں نہ کرو۔"

"ہارون بھائی کو کچھ تو سوچنا چاہیئے۔ انہوں نے ایسی بات کہی کیسے ؟"

"کوئی غلط بات تو نہیں کہی۔"

"اُوہ باجی! خدا کے لئے اس ذکر کو ختم کیجئے۔"

"اچھا چلو فی الحال ختم کر دیتے ہیں مگر تم سوچ کر مجھے جواب دینا۔" اسماء باجی

مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ اور شبنم کا دماغ لامتناہی الجھنوں کے جال میں پھنس کر رہ گیا۔

ہارون بھائی اس کے لئے اس انداز سے بھی سوچ سکتے ہیں، یہ بات تو اس کے کبھی سان و گمان میں بھی نہیں آئی تھی اور ہارون بھائی نے بھی آج تک اس سے اشارتاً بھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ شبنم کو ہمیشہ یہی محسوس ہوا تھا کہ اس سے باتیں کرتے وقت ہارون بھائی کے لہجے میں بے پناہ شفقت امنڈ آتی تھی۔ اس نے تو ہمیشہ ان کی آنکھوں میں صرف اور صرف خلوص کے دیپک جلتے دیکھے تھے۔

ہارون بھائی کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے ایسی بات کیوں کہی ۔۔۔۔ ؟ انہیں تو اسماء باجی کے لئے یہ بات کہنی چاہیئے تھی۔ اسماء باجی ہیں بھی تو کتنی پیاری سی: اور پھر قاعدے سے پہلے ان کی شادی ہونی چاہیئے۔ میرا تو یوں بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو جب تک اپنی تعلیم مکمل نہ کر لوں اس قسم کی کوئی بات سوچنا بھی نہیں چاہتی۔

اسی قسم کی بے شمار باتیں سوچتے سوچتے اس کا ذہن پریشان ہو گیا۔

اور رات کو کھانا کھانے کے بعد جب بھابی کی بہنیں ریحان بھائی کے ساتھ رخصت ہو گئیں تو انجم کو شبنم سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ شبنم اپنے بستر پر پڑی چپ چاپ سی لیٹی تھی۔ انجم اس کے قریب آکر بیٹھ گئی:

"نہ جانے کس خیال میں ڈوبی ہوئی ہیں آپ!" انجم اس کی طرف دیکھ کر آہستہ سے گنگنائی۔

شبنم کچھ نہیں بولی۔

"کچھ بات کرو سوئٹ نگر کی رانی!"
شبنم پھر بھی خاموش رہی۔
"اسماء باجی نے یقیناً وہ نئی تازی خبر تمہیں سنادی ہو گی۔"
"یہ سب کیا چکر ہے انجم؟"
"اب یہ تمہیں ہی معلوم ہوگا۔" انجم مسکرائی۔
"تم بڑی خوش ہو رہی ہو؟"
"خوشی کی بات تو خیر ہے۔ لیکن۔۔۔"
"لیکن — ؟"
"لیکن یہ کہ ہارون بھائی بڑے چھپے رستم نکلے۔"
شبنم نے پلکیں جھپکا کر اس کی طرف دیکھا۔
"سچ شبو! میں تو سمجھتی تھی کہ اسماء باجی کے ساتھ شادی کریں گے۔"
"میرا خود یہی خیال تھا۔"
"مگر یہ کب معلوم تھا کہ وہ ہماری شبو کو سوئٹ نگر کی رانی بنائے بیٹھے ہیں!"
"بہت غلط انداز ہے ہارون بھائی کی سوچ کا۔" شبنم نے سنجیدگی سے کہا
"بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ہارون بھائی کے اس فیصلے سے بڑی خوشی ہوئی۔"
"اس میں خوشی کی کیا بات ہے؟"
"کیوں نہیں، تمہارا اور ہارون بھائی کا جوڑ بہت اچھا ہے۔"

"تم بڑی آئیں دادی اماں بن کر۔ جوڑ ملانے بیٹھ گئیں!" شبنم کو غصہ آگیا۔

"اس میں غصہ کرنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ مجھے تو ہارون بھائی پر بہت پیار آرہا ہے۔"

"آخر یہ کیا تُک ہے۔ میں بالکل نہیں سمجھی۔"

"کیوں؟ بے تکے پن کی کونسی بات ہے اس میں؟

"دیکھو نا نجو" پہلے تو اسماء باجی کی شادی ہونی چاہیئے!"

"جب وقت آئے گا ان کی بھی ہو جائے گی۔"

شبنم خاموش رہی۔

"ویسے امی نے بھی خالہ امی سے یہی بات کہی تھی۔"

"پھر کیا بولیں؟"

"وہ تو خود اسماء باجی کے لئے سوچے بیٹھی تھیں مگر۔ ۔ ۔"

"مگر ــــ؟"

"ہارون بھائی کو تو تم اچھی لگتی ہو۔"

"ہارون بھائی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" شبنم کو زندگی میں پہلی بار ہارون بھائی پر غصہ آیا۔

"تم بھی خوب ہو شبنو! اچھے بھلے آدمی کا دماغ خراب کر کے رکھ دیا۔"

"پاگل پن کی باتیں کرنے والے آدمی کا دماغ خراب ہی کہلائے گا۔"

"فاروق بھائی اور یاسمین بھابی نے بھی تمہارے ہی حق میں ووٹ دیا۔"

"آخر ان کو ہو کیا گیا ہے انجم؟"

"میرا تو خیال ہے تمہیں کچھ ہو گیا ہے۔"

"تم امی اور خالہ کو سمجھاؤ نا!"

"ہاں! میں تو جیسے ان کی بزرگ ہوں نا!"

"اچھا ہارون بھائی کو تو سمجھا سکتی ہو۔"

"وہ مجھے سمجھاتے ہیں۔" انجم ہنس کر بولی اور اپنے بستر پر چلی گئی۔

لیکن شبنم کو اس رات بالکل نیند نہ آ سکی۔ اس کی زندگی میں یہ بات حادثے سے کم نہ تھی۔ اس کا ذہن، دل اور دماغ بری طرح پریشان تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ اپنے خیالات کے دھارے کو دوسری سمت موڑ کر آگے بڑھ جائے۔ اس نے اپنے ذہن کو "دستِ صبا" "سرِ شام"، "یادیں"، "آہنگ"، "نارسا" اور "چاندنگر" کے خوبصورت اشعار سے بہلانا چاہا لیکن سب کچھ بے سود ثابت ہوا۔ اس وقت نہ تو خلیل جبران کے فلسفے نے سہارا دیا اور نہ کانٹ، ہیگل، نٹشے، افلاطون کے نظریات اس کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ کوئی "نظریۂ عدالہ"، "نظریۂ جبلیہ"، "نظریۂ اضافیت" اور "نظریۂ انصاف" اس کی الجھنوں کا حل تلاش نہ کر سکا۔ ذہن پریشان خیالات کی آماجگاہ بنا رہا۔ رات چاندنی کی بے گور و کفن لاش کو اپنی باہوں میں سمیٹے ہولے ہولے قدم اٹھاتی آگے بڑھتی رہی۔ سبز مخملیں گھاس گرتی ہوئی شبنم سے اپنے دامن کو بھگوتی رہی

شبنمی لمحوں کی وادی میں، ستاروں کا کارواں دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا۔ کالے امبر کے شانوں پر ابرِ سنبلی[1] جھکے ہوئے مدھم سی تاریکی کی آغوش میں سوتی ہوئی دھرتی کو تکتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور بے رحم وقت کے لمحات آہستہ آہستہ گزر کر دھندلکوں کی وادی میں گم ہوتے رہے۔

---

[1] ابرِ سنبلی سفیدی مائل ہوتے ہیں اور ان کی بلندی سب سے زیادہ ہوتی ہے آسمان پر سمندر کے پانی کی طرح ان کی لہریں بن جاتی ہیں۔ یہ برف کے سفید اور نوکیلے ذرات کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ انہیں ابرِ کاکلی بھی کہتے ہیں۔

دوسرے روز ـــــ صبح شبنم یونیورسٹی جانے لگی تو امّی نے اسے آواز دے کر بلایا: ـــــ

"یونیورسٹی سے ذرا جلدی آنے کی کوشش کرنا۔"

"کیوں؟"

"تمہاری پھوپھی کے ہاں آج قرآن شریف کا ختم ہے۔"

"آپ لوگ چلی جائیے گا۔"

"جلدی آجاؤ تو تم بھی چلی چلنا۔"

"اچھا کوشش کروں گی۔" شبنم نے کہا اور امی کو خدا حافظ کہہ کر نکل گئی۔

لیکن یونیورسٹی سے واپسی پر بسوں میں اتنی دیر ہو گئی کہ وہ دو بجے سے پہلے گھر

پہنچ ہی نہ سکی۔ وہ گھر آئی تو سب تیار ہو چکے تھے۔ اسماء باجی اور امی اس سے کہتی رہیں کہ تم بھی تیار ہو جاؤ۔ زیادہ دیر نہیں لگے گی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ سب چلے گئے اور وہ گھر میں بالکل تنہا رہ گئی۔ کپڑے بدل کر کھانا کھانے بیٹھی ہی تھی کہ انجم کالج سے واپس آگئی۔

"ارے! تم پھوپھی جان کے گھر نہیں گئیں؟"

"نہیں!"

"کیوں؟"

"بس موڈ نہیں تھا۔"

"مگر میرا موڈ تو ہے جانے کا!"

"تو تم چلی جاؤ!"

"اکیلی کیسے جاؤں؟"

"عمران آتا ہی ہوگا اس کے ساتھ چلی جانا۔"

"وہ تو آج دیر سے آئے گا۔"

"پھر؟"

"ظاہر ہے کہ مجبوری ہے۔"

"چلو جانے دو۔ تم چادر تان کر ٹھاٹھ سے آرام کرو!"

"ہوں! یہی پروگرام ہے۔"

انجم بیچ بیچ کھانا کھا کر امی کے بستر پر دراز ہو کر رسالہ پڑھنے لگی۔ تھوڑی ہی

دیر بعد رسالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور وہ ہر طرف سے غافل ہو گئی۔ شبنم کچھ دیر اسماء باجی کے بستر پر لیٹی سوچتی رہی۔ پھر اپنے کمرے میں آ گئی اور کتابوں کے درمیان سے رائٹنگ پیڈ اپنی طرف گھسیٹتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی۔

اور تب ——— وہ ذیشان بھائی کو خط لکھ رہی تھی کہ باہر سکوٹر رکنے کی آواز آئی۔ خط لکھتے لکھتے اس نے ہاتھ روک لیا۔ اور پلکیں جھکا کر جانے کیا سوچنے لگی۔ چند لمحوں بعد دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی اور ہارون بھائی اندر آ گئے۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ ہارون بھائی اس کے سامنے آکر دائیں ہاتھ والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ شبنم نے آہستہ آواز میں انہیں سلام کیا۔ ہارون بھائی نے سر کے خفیف سے اشارے سے جواب دیا اور ایک لمحے کے لئے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ شبنم قلم ہاتھ میں پکڑے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"کس کو خط لکھ رہی تھیں؟"

"ذیشان بھائی کو ———"

"لکھو ——— رک کیوں گئیں؟"

"پھر لکھ دوں گی۔" شبنم نے پیڈ کتابوں کے درمیان رکھ دیا۔

"کیا بات ہے؟ آج موڈ کچھ خراب معلوم ہوتا ہے۔"

"نہیں تو ———" شبنم کی آواز مدھم تھی۔

"پھر ——— ؟" ہارون بھائی نے اس کی جھکی ہوئی پلکوں کی طرف دیکھا۔

شبنم خاموش رہی۔ وہ ان سے کہنا تو بہت کچھ چاہتی تھی۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ جس قسم کی باتیں وہ ان سے کہنا چاہتی تھی ان کے لئے زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی کیونکہ ان دونوں میں سے کبھی کسی نے ایک دوسرے سے اس قسم کی باتیں نہیں کی تھیں۔ ہارون بھائی کے سامنے شبنم نے ہمیشہ اپنے آپ کو بالکل بچی محسوس کیا تھا۔ اس کے دل میں ہارون بھائی کے لئے بے پناہ عقیدت تھی اور بے حد عزت و احترام۔۔! اور یہ بھی سچ تھا کہ وہ عمر میں ہارون بھائی سے خاصی چھوٹی تھی

اس نے دل میں سوچا کہ وہ ہارون بھائی سے کیسے کہے کہ انہوں نے اسے سخت الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس نے دو تین دفعہ ہارون بھائی کی طرف دیکھا مگر باوجود کوشش کے وہ کچھ کہہ نہ سکی۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو؟" ہارون بھائی نے اس کی طرف جھک کر پوچھا۔ ان کے ہونٹوں پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ تھی۔ شبنم نے پلکیں جھپکا کر ان کی طرف دیکھا اور خاموش رہی۔

"کچھ تو کہو موج نگر کی رانی!" ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ہارون بھائی!" اس کی آواز مدھم تھی۔

"ہوں!" ہارون بھائی نے انگوٹھے پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ شبنم آگے کچھ نہ بول سکی، اٹھ کر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔ ہارون بھائی بھی اس

کے برابر میں آکر کھڑے ہو گئے۔

"آخر پریشانی کیا ہے؟"

"آپ نے مجھے کس الجھن میں مبتلا کر دیا ہے ہارون بھائی؟" شبنم نے بدقت تمام کہا۔ اور کھڑکی کے پٹ سے سر ٹیک دیا۔

"کیسی الجھن؟" ہارون بھائی انجان بن کر بولے۔

شبنم نے بڑی بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔ ہارون بھائی پلٹ کر کرسی پر بیٹھ گئے۔

"اِدھر آؤ شبنم!" انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

شبنم نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا لیکن وہیں کھڑی رہی۔

"میرے سامنے آکر بیٹھو ۔۔۔۔ !"

شبنم نے بڑی خاموشی سے حکم کی تعمیل کی۔

"میں نے کونسی الجھن پیدا کر دی ہے تمہارے لئے؟"

شبنم نے ہارون بھائی کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر اتنی گمبھیرتا تھی کہ وہ پریشان سی ہو گئی۔

"زبانی نہیں کہہ سکتیں تو اس پر لکھ دو!" ہارون بھائی خفیف سا مسکرائے اور فائل کھول کر اس کے سامنے رکھ دی۔ شبنم نے ان کے ہاتھ سے قلم لے کر ایک لمحہ کو کچھ سوچا۔ پھر میز پر سر ٹکا دیا۔

"کیا بیوقوفی ہے شبنم!" انہوں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

شبنم اسی طرح بیٹھی رہی۔

"سیدھی ہو کر بیٹھو!" انہوں نے آہستہ سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا

شبنم نے میز سے سر اٹھا لیا۔

"ہوں — اب کہو!"

"آپ نے خالہ امی سے کیا کہا ہے؟"

"کیا مجھے ان سے یہ بات نہیں کہنی چاہیئے تھی؟"

"نہیں —!"

"کیوں؟"

"بس!"

"یہ تو کوئی جواب نہ ہوا۔"

"میں نے تو آپ کے لئے کبھی ایسی بات نہیں سوچی۔"

"لیکن میں نے بھی تو اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ تم نے۔ ۔ ۔ ۔"

"تو پھر آپ نے کیا سوچ کر یہ فیصلہ کیا؟"

"ہوں۔ کچھ نہ کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔" ہارون بھائی نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"آپ منع کیجئے خالہ امی کو۔"

"کیوں؟"

"بس! میں کہہ رہی ہوں۔"

"ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھیے!"

"میں۔۔۔ ۔۔۔ میں تمہیں بہت برا لگتا ہوں؟"

شبنم نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"میں نے یہ کب کہا؟"

"تو پھر اس انکار کی کیا وجہ ہے؟"

"آپ چاہتے ہیں میں اپنی پڑھائی ختم کردوں؟"

"قطعی نہیں!"

"پھر؟"

"اس سے تمہاری پڑھائی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔"

"آپ کے کہنے سے نہیں آئے گا۔"

ہارون بھائی نے بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک بات کہوں؟"

"ہاں ـــــ؟"

"آپ اسماء باجی سے شادی کیوں نہیں کرلیتے؟"

"مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اسماء باجی یقیناً مجھ سے زیادہ اچھی ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں!"

"تو پھر؟"

"شبنم ــــ!"

"جی!"

"تم یقیناً ابھی کم عمر ہو لیکن تم نے اتنی کتابیں پڑھی ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ تم اس قسم کی باتوں سے ناواقف نہیں ہو۔"

"ناواقف تو نہیں ہوں لیکن میں نے اپنے اور آپ کے بارے میں ایسی باتیں کبھی نہیں سوچیں۔"

ہارون بھائی خاموش رہے۔

"میں تو سمجھتی تھی آپ اسماء باجی کو۔۔۔"

"بڑا غلط اندازہ تھا تمہارا۔"

"مجھے یہ سب باتیں بہت عجیب سی محسوس ہو رہی ہیں۔"

"کیوں؟"

"آپ نے پہلے تو کبھی مجھ سے۔۔۔۔!"

"یہ ٹھیک ہے اور ممکن ہے یہ میری غلطی ہو لیکن اپنے طور پر میں اس بات کو

ٹھیک اعد بہت اچھا سمجھتا ہوں۔"

شبنم سر جھکائے سنتی رہی۔

"آج سے دو سال پہلے بھی یہ بات تم سے کہہ سکتا تھا اور اس کے بعد بھی میں اس بات کا اظہار کر سکتا تھا لیکن اپنے جذبات کا اظہار کرنا مجھے پسند نہیں۔"

شبنم نے ایک لمحے کے لئے ان کے چہرے پر چھائی ہوئی سنجیدگی کی طرف غور سے دیکھا۔

"اور اب بھی میں نے خود تم سے یہ بات کہنے کے بجائے امّی سے کہی۔"

شبنم بلا مقصد ہی اپنی فائل کے صفحات پلٹتی رہی۔ کسی کو پسند کرنا یا کسی سے محبت کرنا بڑی بات نہیں ہے شبنم! لیکن اس پسند اور محبت کے اظہار کے عامیانہ طریقوں سے مجھے سخت نفرت ہے۔"

شبنم کو ہارون بھائی کی یہ بات بہت پسند آئی۔ اس نے احترام کی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ ہارون بھائی کے سانولے سلونے چہرے پر ایک عجیب سی تمکنت تھی، ایک انوکھا وقار تھا اور ایک اچھوتا حسن تھا۔

"کیوں، میری رائے سے اتفاق ہے یا نہیں؟"

شبنم نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔

"اب بھی کوئی الجھن، کوئی پریشانی باقی ہے؟" ہارون بھائی نے اس کی طرف جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں — !"

"کیا؟"

"ہارون بھائی! میرے دل میں آپ کے لئے اتنی عقیدت، اتنی عزت اور اتنا احترام ہے کہ میں آپ کے لئے ایسی بات نہیں سوچ سکتی۔"

"کیسی بات؟"

"جو آپ چاہتے ہیں۔"

"محترمہ! میں آپ کے ان جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ مجھے آپ کی محبت کی بھی ضرورت ہے۔" ہارون بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شبنم کے چہرے پر ایک رنگ سا چھا کر رہ گیا۔

"معلوم نہیں آج آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

"یہ تو ہمیں تقریباً دو سال پہلے ہی ہو گیا تھا۔"

شبنم خاموش رہی۔

"اور ہم نے اسی لمحے اپنے دل اور دماغ سے مشورہ کر کے اپنی زندگی کا سب سے بڑا اور سب سے اہم فیصلہ کر لیا تھا۔"

"کیا یہ فیصلہ بدلا نہیں جا سکتا؟"

"بالکل نہیں!"

"مگر آپ یہ تو سوچیے ہارون بھائی کہ میں بالکل بھی اچھی نہیں ہوں۔"

"آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر بتاؤ کیا بُرائی ہے تم میں؟"

"اور پھر میں تو بہت ہی عجیب طبیعت کی لڑکی ہوں"

"ممکن ہے دوسروں کے لیے تم عجیب ہو مگر میرے لئے تم ایک کھلی ہوئی کتاب ہو"

شبنم نے کوئی جواب نہیں دیا، اٹھ کر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔ ہارون بھائی نے پلٹ کر ایک لمحے کو اس کی پشت پر لہراتی ہوئی چوٹی کی طرف دیکھا اور اٹھ کر اس کے قریب آ گئے۔

"شبنم ——؟" انہوں نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ شبنم نے ان کی طرف دیکھا۔

"مجھ سے زیادہ تمہیں کوئی نہیں سمجھ سکتا شبنم ۔ اور شاید —— نہ کوئی سمجھ سکے گا۔"

اور۔ اس بات کا اعتراف تو شبنم کو بھی تھا کہ صرف ہارون بھائی اسے سمجھ سکتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ پریشان سی کھڑی تھی۔

"اب کیا پریشانی ہے بھئی؟" ہارون بھائی مسکرائے۔

"معلوم نہیں؟"

"اس وقت کچھ مت سوچو۔ میرے جانے کے بعد اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔"

شبنم چپ چاپ کھڑی ان کی طرف دیکھتی رہی۔

"اس طرح مت دیکھو، جاؤ چائے بنا کر لاؤ؟"

انہوں نے آہستہ سے اس کے سر کو تھپتھپایا۔

شبنم کمرے سے چلی گئی۔ ہارون بھائی نے کرسی پر بیٹھ کر پُرسکون انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔

اس رات شبنم نے پھر بے تحاشا سوچا۔ اپنے متعلق، اسماء باجی کے متعلق اور ہارون بھائی کے متعلق! لیکن وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی اور دوسرے روز اسماء باجی کے جواب مانگنے پر وہ پریشان سی ہو گئی۔

"کیا کروں باجی۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔"

"بس اچھی لڑکیوں کی طرح ہاں کر دو۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا باجی کہ میرے بجائے آپ ہاں کر دیں؟"

"دماغ اپنی جگہ پر ہے؟" اسماء باجی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیں۔

"نہیں کہنے سے امی ناراض تو نہیں ہوں گی باجی؟"

"نہیں، کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

شبنم خاموش رہی۔

"ہارون بھائی میں کوئی برائی ہے؟"

"نہیں!"

"پھر؟"

شبنم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"شام تک سوچ کر مجھے بتا دینا۔ امی کئی دفعہ پوچھ چکی ہیں۔" اسماء باجی نے کہا۔

اور شبنم بوجھل دماغ لئے یونیورسٹی چلی گئی۔

دوپہر کو یونیورسٹی سے واپس آنے کے بعد وہ کھانا کھا کر لیٹی ہی تھی کہ ہارون بھائی آ گئے۔ تھوڑی دیر امی اور اسماء باجی کے پاس بیٹھ کر وہ اس کے کمرے میں آ گئے۔ انجم بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر بڑے معنی خیز انداز میں مسکرائی اور پنسل کتاب کے درمیان رکھ کر کتاب بند کر دی۔ ہارون بھائی انجم سے باتیں کرتے رہے اور شبنم اپنے بستر پر تکیوں کے سہارے بیٹھی ساحر کی "تلخیاں" پڑھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد انجم اپنی کتابیں سمیٹ کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ ہارون بھائی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے ایک نظر شبنم کی طرف دیکھا اور ان کے ہونٹوں پہ مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

شبنم کتاب پر جھکی رہی۔

"شبنم!" کچھ دیر بعد ہارون بھائی نے اسے پکارا۔

"جی ــــ!" شبنم نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اِدھر آؤ ــــ!"

شبنم کتاب پڑھتی رہی۔

"ضروری ہے کہ تم یہ کتاب اسی وقت پڑھو؟"

شبنم نے ان کی طرف دیکھا اور کتاب میز پر رکھ کر قریب آ گئی۔

"بیٹھو!" ہارون بھائی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

شبنم نے ایک لمحے کے لئے توقف کیا پھر ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا سوچا تم نے؟"

"جی ۔۔۔ کچھ نہیں!"

"کیا مطلب؟"

"میں کوئی فیصلہ ہی نہیں کر سکی!"

"اس کا سبب؟"

"مجھے نہیں معلوم!"

"پھر کسے معلوم ہے؟"

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم!"

"یہ کیا پاگل پن ہے؟"

شبنم خاموش رہی۔ ہارون بھائی اس کی جھکی ہوئی پلکوں کی طرف دیکھتے رہے۔

"ہارون بھائی!" شبنم کی آواز مدھم تھی

"ہوں!" ہارون بھائی آگے کی طرف جھک گئے۔

"آپ اسماء باجی سے شادی ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔؟"

"میں نے تم سے کوئی مشورہ نہیں مانگا ہے۔"

"میں کیا کروں ہارون بھائی! میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" شبنم نے میز پر سر ٹیک دیا۔

"بس تم یہ بتا دو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"
شبنم نے ایک دم میز سے سر اٹھایا اور آہستہ سے بولی،
"اعتراض ہے۔"
ہارون بھائی چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہے۔
"میں پوچھ سکتا ہوں کیا اعتراض ہے؟"
"اسماء باجی مجھ سے بڑی ہیں۔ جب تک ان کی شادی نہیں ہو جاتی میرے بارے میں کسی کو اس قسم کی بات نہیں سوچنی چاہیئے۔"
"اسماء کی بھی ہو جائے گی۔"
"میں چاہتی ہوں پہلے ان کی ہو۔"
"ہاں بالکل! تمہاری شادی سے پہلے ان کی شادی ہوگی" ہارون بھائی مسکرائے۔
شبنم نے استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔
"ہماری تمہاری تو صرف منگنی ہو گی ابھی۔"
شبنم خاموش رہی۔
"امی بضد ہیں اس لئے ابھی سے تمہیں ڈسٹرب کرنا پڑا۔"
"تو جہاں خالہ امی کہیں وہیں کر لیجئے۔ ان کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔"
"شبنم!" ہارون بھائی نے کچھ ناراضگی سے اس کی طرف دیکھا۔
"جی!"

"تم خواہ مخواہ میرا دماغ مت خراب کرو۔"

"آپ بات کو نہیں سمجھتے ہارون بھائی۔ خواہ مخواہ دوسروں کو باتیں بنانے کا موقع ملے گا۔"

"بھئی میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک اسماء کی شادی نہیں ہو گی میں تمہاری شادی کے لئے نہ کسی اور کو مجبور کروں گا نہ تمہیں۔"

"ایک ہی بات ہے منگنی ہو یا شادی۔"

"تم صاف کہہ دو کہ تم راضی نہیں ہو۔"

"مجھے بھابی سے ڈر لگتا ہے ہارون بھائی!"

"کیوں؟"

"مجھے معلوم ہے ان کی خواہش ہے اپنی بہنوں کے لئے۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو!"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں میں!"

"مگر مجھے تو آپ کی خواہش ہے محترمہ!"

"ہارون بھائی۔ پلیز مجھے زیادہ پریشان مت کیجئے!"

شبنم نے بڑی بے بسی سے کہا

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی!" وہ اٹھ کر دریچے میں کھڑے ہو گئے۔ شبنم نے سہمی ہوئی نظروں سے اُن کی طرف دیکھا اور سوچوں میں ڈوب گئی۔ کتنی لمحے بڑی آہستگی

سے گزر گئے۔ ہارون بھائی دریچے میں جھکے سگریٹ کے کش لگاتے رہے اور شبنم ہاتھوں میں چہرہ لئے سوچتی رہی پھر —— ہارون بھائی نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا لیکن خاموش رہے۔ اسی لمحے شبنم کی نگاہ بھی ان کی طرف اٹھی۔ ہارون بھائی کی نگاہوں میں بڑی عجیب کیفیت تھی۔ شبنم کے رگ و پے میں دکھ کی ایک شدید لہر سی دوڑ گئی۔ وہ آہستہ سے اٹھی اور ایک خواب کے سے عالم میں ہارون بھائی کے قریب آ گئی۔

"ہارون بھائی!" شبنم کی آواز بہت مدھم تھی۔

ہارون بھائی اس کی طرف دیکھتے رہے۔

"آپ ... آپ ناراض ہو گئے ہیں؟"

وہ پھر بھی خاموش رہے۔

"آپ کچھ نہیں کہیں گے؟"

"شبو!"

"ہارون بھائی!"

"تم نے کچھ کہنے کی گنجائش ہی کہاں چھوڑی ہے!"

"میں کیا کروں —— میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ مگر آپ یوں خاموش نہ رہئے!"

ہارون بھائی شبو کے پرکشش چہرے پر چھائی ہوئی معصومیت کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ تو سچ مچ ناراض ہو گئے ہیں۔"

"نہیں۔ مجھے تم سے کچھ کہنے کا حق ہے نہ ناراض ہونے کا۔"

"ہارون بھائی خدا کے لئے مجھ سے اس لہجے میں بات نہ کیجئے۔"

ہارون بھائی خاموش رہے۔

"میری باتوں سے آپ کو دکھ پہنچا ہے؟"

"میرے دکھ کی بات نہ کرو شبنم!"

"آپ کا جو دل چاہے کیجئے ہارون بھائی! آپ کو دکھ دینے کی ہمت مجھ میں بالکل نہیں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سر کھڑکی کے پٹ سے ٹیک دیا۔

ہارون بھائی نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تمہارے ساتھ کوئی زبردستی تو نہیں شبو! اگر تم خوش نہیں تو۔۔۔"

"نہیں، آپ کی خوشی میری خوشی ہے۔" شبنم نے ان کی طرف دیکھا۔

"اس بات کو سچ سمجھوں؟"

"ہاں۔ بالکل سچ!" اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"میری طرف دیکھ کر کہو یہ بات!"

مگر شبنم کی جھکی جھکی پلکیں نہ اٹھ سکیں۔

"شبنم!!"

"جی!!"

"میری طرف دیکھو۔۔۔!"

شبنم نے بمشکل تمام اس کی طرف دیکھا ۔۔۔۔ ہارون بھائی کی آنکھوں

میں اس کے لئے بے پناہ الفت تھی۔ شبنم کی پلکوں کے سائے کانپ گئے ـــــ اور ہارون بھائی کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اسما۔ باجی کے ذریعے شبنم کی رضامندی معلوم کرکے امی کو قدرے اطمینان ہُوا۔ پھر اسی رات، کھانا کھانے کے بعد انہوں نے ریحان بھائی اور چھوٹی بھابی کو اپنے کمرے میں بلوایا۔

"خیریت تو ہے امّی؟" انہوں نے اپنی امی کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

چھوٹی بھابی بھی ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔

"ہاں سب خیریت ہے۔"

"پھر ——؟"

"دو چار روز ہوئے تمہاری خالہ آئی تھیں"

"وہ تو اکثر آتی رہتی ہیں۔"

"افوہ بھئی۔ آپ پہلے پوری بات تو سن لیجیے امّی جان کی!" چھوٹی بھابی مسکرائیں۔

"ہاں بتایئے۔"

"ہارون کے لئے شبنم کو مانگ رہی ہیں۔" امی نے کہا۔

"شبنم کو؟" دونوں نے بیک وقت کچھ حیرانی سے کہا۔

"ہاں!"

چھوٹی بھابی کا چہرہ کچھ تاریک سا ہو گیا۔ ان کا اچھا بھلا موڈ ایک دم سے بدل گیا۔

"مگر امّی یہ کیسے ممکن ہے؟" ریحان بھائی نے کہا۔

امّی خاموش رہیں۔

"اسماء شبنم سے بڑی ہے۔ پہلے اس کی شادی کرنی ہے۔" ریحان بھائی بولے۔

"میں نے بھی ان کو یہ بات بہت سمجھائی۔"

"ہوں۔"

"ان کا خیال بھی اسماء کے لئے ہی تھا۔"

"خیال بدل کیوں گیا؟"

"ہارون راضی نہیں ہے۔"

"یعنی وہ شبنم کے لئے اصرار کر رہا ہے۔"

"ہاں۔۔۔"

"اسماء میں کیا برائی ہے؟" ریحان بھائی نے بحث کی۔

"اچھائی برائی کا سوال نہیں۔"

"پھر؟"

"اسے شبنم پسند ہے۔"

"مگر ہارون کو یہ سوچنا چاہیئے کہ شبنم ابھی چھوٹی ہے۔"

"ہاں اور کیا؟ شبنم کی ابھی عمر کیا ہے؟" چھوٹی بھابی فوراً بولیں۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ شبنم کو اچھا خاصا بڑا بنا دیتیں۔

"خیر اب ایسی چھوٹی بھی نہیں ہے شبنم۔ لیکن بس یہ ہے کہ پہلے اسماء کی ہونی چاہیئے" امی نے کہا۔

"تو آپ نے کیا جواب دیا؟"

"میں کیا جواب دیتی؟"

"آپ نے کچھ تو کہا ہوگا۔"

"میں نے یہی کہا سوچ کر بتاؤں گی؟"

"شبنم کے سامنے ذکر ہوا؟" چھوٹی بھابی نے پوچھا۔

"ہاں، اسماء نے اس سے کہا تھا۔"

"پھر اس نے کیا کہا؟"

"دو تین دن تک وہ مسلسل انکار کرتی رہی۔"

"اچھا ——؟"

"ہاں اسماء اسے برابر سمجھاتی رہی۔"

نتیجہ کیا نکلا ؟"

"آج بڑی مشکل سے اس نے کہا کہ جو آپ لوگوں کا دل چاہے کریں۔"

"بھئی میں تو اس بات کے حق میں نہیں ہوں۔ ابھی وہ چھوٹی ہے" چھوٹی بھابی نے کہا۔

"اور پھر امی۔ اسے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ اس طرح اس کی لکھائی پڑھائی سب ختم ہو جائے گی۔"

"اسماء کے اوپر اس بات کا کوئی اچھا اثر نہیں پڑے گا۔" بھابی نے کہا

"ہاں ___ !" ریحان بھائی نے سر ہلایا۔

"میں نے تو بہت سمجھایا تمہاری خالہ کو۔"

"اگر ہارون کو شبنم پسند ہے تو اسی سے ہو جائے گی مگر دو ایک سال انتظار کرلیں۔ اس وقت تک اسماء کی بھی ہو ہی جائے گی۔" بھابی نے کہا۔

"اس بات کے لئے تو وہ لوگ راضی ہیں کہ پہلے اسماء کی شادی ہو لیکن فوری طور پر شبنم کی منگنی کے لئے بضد ہیں۔"

"یہ تو بیکار کی ضد ہے۔" بھابی چڑ کر بولیں۔

"ہاں بالکل!" ریحان بھائی نے حمایت کی۔

"پھر کیا کہا جائے ان لوگوں سے ؟"

"صاف کہہ دیجئے۔ جب تک اسماء کی شادی نہ ہو جائے شبنم کے لئے اس قسم کی بات

سوچنا ہی بیکار ہے۔" ریحان بھائی نے کہا

"ہاں ظاہر ہے، سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں!"

"دیکھو ریحان میاں، آجکل اچھے رشتے ملتے کہاں ہیں جس کی بھی پہلے ہو رہی ہے ہو جائے۔" امی نے کہا۔

"مگر امی! شبنم ابھی بہت چھوٹی ہے۔" بھابی نے کہا۔

"اے ہے دولہن! کوئی ایسی چھوٹی بھی نہیں ہے وہ!"

"بھئی میں تو اس بات کے حق میں نہیں ہوں۔ کہ پہلے چھوٹی کی ہو اور بعد میں بڑی کی۔" بھابی پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں،

ریحان بھائی بھی کھڑے ہو گئے۔

"سوچنا پڑے گا اس مسئلے پر!" وہ بڑی سنجیدگی سے کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ بھابی بھی ان کے ساتھ ہی باہر نکل گئیں اور امی تھوڑی پہ ہاتھ رکھے سوچوں میں ڈوب گئیں۔

دو دن بعد امی کے پوچھنے پر ریحان بھائی نے واضح طور پر اس بات کی مخالفت کر دی۔ وہ تو ہر بات اپنی بیوی کی زبان سے کہتے تھے اور ظاہر ہے ان کی بیگم کو یہ بات کیسے پسند آ سکتی تھی۔ وہ تو اپنی بہنوں کے لئے ہارون بھائی پہ دانت لگائے بیٹھی تھیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی دال نہیں گلتی تھی۔ وہ اس امید پر بیٹھی تھیں کہ اگر اس وقت یہ بات سال دو سال کے لئے ٹل جاتے تو شاید ایسی کوئی صورت

پیدا ہو جائے۔

گھر کی فضا کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ امی اپنی جگہ پریشان تھیں۔ شبنم کا ذہن الجھ گیا تھا۔ اسماء باجی اور انجم کو بھائی اور بھابی پر بہت سخت غصہ تھا۔ کوئی بات بھی ہو خواہ مخواہ رنگ میں بھنگ ڈال دیتے تھے۔

پھر ——— اس روز دوپہر کو شبنم یونیورسٹی سے واپس آئی ہی تھی کہ یاسمین بھابی اور خالہ امی آگئیں۔ یاسمین بھابی نے بڑی شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور معنی خیز انداز سے مسکرا دیں۔ بھابی فوراً اپنے کمرے سے نکل کر وہاں آپہنچیں۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد خالہ امی نے ہارون اور شبنم کا ذکر چھیڑ دیا۔

"پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا آپا شبنم اور ہارون کے بارے میں۔" خالہ امی نے پوچھا۔

"کیا بتاؤں!"

"کیوں آخر ایسی کیا بات ہے؟"

"دلہن اور ریحان تو منع کر رہے ہیں۔"

"کوئی وجہ بھی ہو انکار کی!"

"میں تو اس لئے کہہ رہی تھی کہ پہلے اسماء کی ہو جائے۔" بھابی مسکرا کر بولیں۔

"یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ جب جس کا وقت آتا ہے اپنے آپ ہو جاتی ہے۔"

"ہاں بھابی! امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" یاسمین بھابی نے کہا۔

"خواہ مخواہ لوگ باتیں بنائیں گے۔" بھابی نے کہا۔

"کیا باتیں بنائیں گے؟" خالہ نے پوچھا۔

"یہی کہ جانے کیا بات ہے بڑی کی بہنیں کی چھوٹی کی ہوگئی۔"

"بنانے دو باتیں۔ لوگوں کی تو عادت ہے باتیں بنانے کی۔" خالہ امّی ناراض سی ہوکر بولیں۔

"دو ایک سال اور انتظار کرلیتیں آپ۔ جب تک اسماء کی بھی ہو جائے گی۔"

"منگنی تو ہم ابھی کریں گے۔ شادی ہوتی رہے گی بعد میں۔" یاسمین بھابی بولیں۔

"ہاں بھئی! میں اب اور انتظار نہیں کر سکتی۔" خالہ امّی نے کہا۔

بھابی چپ رہیں۔

"بس اب کے جمعہ کو آرہی ہوں میں انگوٹھی لے کے!" خالہ امّی نے قطعی فیصلہ سنا دیا۔

"ہاں امّی جان! یہ ٹھیک ہے!" یاسمین بھابی مسکرائیں، "آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے آپا؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے۔۔۔"

"میں تو یہ جانتی ہوں کہ لڑکی راضی ہے۔ اس کی بہنیں راضی ہیں۔ آپ راضی ہیں۔ رہا ان دونوں میاں بیوی کا معاملہ۔ تو ان کی بات بھی مان لیں گے۔ اسماء کی شادی ہو جائے گی جب شبنم کو لے جائیں گے۔"

چھوٹی بھابی سمجھ گئیں کہ اب کچھ کہنا بیکار ہے۔

"جیسے آپ لوگوں کی مرضی!" وہ خشک لہجے میں بولیں اور تھوڑی دیر بعد اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"پھر یہ بات طے ہے امّی جان کہ اب کے جمعہ کو یہ نیک کام ہو جائے گا۔" یاسمین بھابی بولیں۔

"ہاں بالکل طے ہے۔"

شبنم کی امی خاموش بیٹھی تھیں۔

"آپ کس سوچ میں پڑ گئیں؟"

"ریحان اور دولہن خوش نہیں ہیں اس بات سے۔"

"نہیں خوش ہیں تو نہ ہوں۔" خالہ چڑ کر بولیں۔

"آپ کس کس کی فکر کریں گی۔ کہنے والوں کو کہنے دیجیے!" یاسمین بھابی نے کہا اور اٹھ کر شبنم کے کمرے میں چلی گئیں۔

اور پھر ــــ جمعہ کے روز خاصی دھوم دھام سے شبنم کی منگنی ہو گئی۔ بھابی اور ان کی بہنوں نے بڑی بد دلی سے شرکت کی منگنی والے روز باوجود کوشش کے ہارون شبنم سے نہیں مل سکے۔ گھر میں بے پناہ ہنگامے تھے اور شبنم کے کمرے میں لڑکیوں کا ہجوم تھا۔ انجم کے بے حد اصرار پر صرف چند لمحوں کے لئے کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر انہوں نے شبنم کو دیکھا۔ شبنم کے چہرے پر چھائے ہوئے سکون اور ہونٹوں پر بکھری ہوئی شرمیلی سی مسکراہٹ کو دیکھ کر ان کے دل کو اطمینان ہوا۔

اور تب ـــــ ہارون ہاسٹل میں اتنے معروف رہے تھے کہ پانچ چھ روز تک وہ شبنم کے گھر نہیں آ سکے۔ عمران، انجم اور اسماء باجی نے شبنم کو اتنا چھیڑا کہ وہ پریشان ہو گئی۔

"واہ بھئی، اس سے تو پہلے غنیمت تھا، ہر دوسرے تیسرے روز آ تو جاتے تھے ہارون بھائی ـــ !" عمران نے مسکرا کر شبنم کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ اب تو صاحب بہادر نے جیسے پردہ کر لیا ہے۔" انجم بولی اور اسماء باجی شبنم کی جھکی جھکی پلکوں کو دیکھ کر مسکراتی رہیں۔

پھر ـــ اس شام ـــــ عمران باہر گیا ہوا تھا۔ امی، اسماء باجی مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ انجم سامنے والے گھر میں گئی ہوئی تھی اور بھابی اپنے کمرے میں تھیں۔ شبنم وضو کر کے نماز پڑھنے جا رہی تھی تب اچانک ہی ہارون آ گئے۔ انہوں نے کھڑکی کے قریب سے گزرتے ہوئے شبنم کی طرف دیکھا اور آہستہ قدموں سے آگے بڑھ آئے۔

"تسلیم!" شبنم کا ہاتھ پیشانی تک اٹھ گیا۔

ہارون نے سر کے خفیف سے اشارے سے جواب دیا اور دھیرے سے مسکرا دیئے۔ شبنم جا نماز ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی۔

"نماز پڑھنے جا رہی ہو یا پڑھ چکیں؟"

"پڑھنے جا رہی ہوں۔"

"تو پڑھو کھڑی کیوں ہو؟"

"آپ سامنے سے ہٹیئے!" شبنم مسکرائی۔

"لیجئے صاحب! ہٹ گئے۔" وہ دریچے کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

شبنم نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی تو ہارون نے انتہائی والہانہ انداز سے اس کی طرف دیکھا جو ان کی متاعِ حیات تھی اور میز سے میگزین اٹھا کر اس کے ورق الٹنے لگے۔ شبنم نماز پڑھ کر دعا مانگنے لگی تو ہارون اٹھ کر دریچے میں کھڑے ہو گئے اور آسمانی دوپٹے کے حاشیے میں گھرے ہوئے شبنم کے معصوم چہرے کی طرف دیکھنے لگے جس پر تقدّس تھا۔ اور حیا تھی۔ رخساروں پر پلکوں کے سائے جھکے ہوئے تھے اور ہونٹ ساکت تھے۔ شبنم نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر کر آنکھیں کھولیں تو ہارون کو اپنی طرف دیکھتے پا کر جھینپ گئی۔

"اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"دیکھنا منع ہے؟"

"نہیں تو، لیکن ——"

"لیکن؟"

"کچھ بھی نہیں!" شبنم جاء نماز لپیٹتے ہوئے بولی۔

ہارون نے سگریٹ سلگا کر ایک لمحہ کے لئے اس کی طرف دیکھا اور جانے کیا سوچ کر مسکرا دیئے۔ شبنم جاء نماز رکھ کر ان کے قریب آ گئی۔

"امّی سے مل آیئے!"

"میں تو تم سے ملنے آیا ہوں۔"

شبنم خاموش رہی۔

"کیوں تم سے ملنے کی اجازت نہیں ہے اب ہمیں؟"

"معلوم نہیں!" شبنم کی پلکیں جھک گئیں۔

"پھر کسے معلوم ہے؟"

"آپ کو۔"

ہارون اس کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ کو دیکھتے رہ گئے۔

"ایک بات پوچھوں شبّو؟"

"پوچھئے!"

"تم مطمئن ہو نا؟"

"بڑا مشکل سوال کیا آپ نے!"

شبنم کی آنکھیں سوچوں میں ڈوب گئیں۔

"کیا مطلب؟"

"اس سوال کا جواب کس طرح دوں!"

"کیوں؟" ہارون نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

شبنم خاموش رہی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجبوراً ہی یہ سب کچھ برداشت کیا ہے۔"

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر ——؟"

"مجھے یہ سب کچھ بڑا عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"دیکھئے نا! اگر ایک دم ہی زندگی میں کوئی حادثہ رونما ہو جائے تو عجیب سا لگتا ہے نا؟"

"ہوں۔" ہارون بھائی کچھ سوچنے لگے۔

"میں نے زندگی کے کسی بھی لمحے میں اپنے آپ کے لیے یہ بات نہیں سوچی تھی۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

"پہلے پہل تو مجھے یہ بات سن کر اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آیا۔"

شبنم یہ تمام باتیں بڑی سادگی اور معصومیت سے کہہ رہی تھی اور ہارون ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھیرے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تم اس بات سے خوش ہو نا؟"

شبنم نے ایک لمحہ کے لیے ان کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔

"بولو نا شبو!"

"جی!"

"نہیں بھئی۔ یہ زبردستی کی خوشی ہمیں نہیں چاہیئے!"

وہ مسکرائے۔

"زبردستی کی خوشی تو نہیں ہے۔"

"پھر ۔۔۔؟"

"بالکل سچی خوشی ہے!"

"آپ نے مجھ سے ایک بات کہی تھی۔ شاید آپ کو یاد ہو۔" شبنم نے کہا۔

"کونسی بات؟"

"یہی کہ آپ سے زیادہ مجھے کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔"

"ہاں ۔۔۔!"

"میں بھی یہی سمجھتی ہوں کہ آپ سے زیادہ مجھے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔"

"پھر؟"

"اس لئے میں بالکل مطمئن ہوں۔"

ہارون نے اس کی جھکی ہوئی پلکوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا کہ یہ لڑکی ہمیشہ کتنی سلجھی ہوئی باتیں کرتی ہے! اور کس قدر پُرسکون انداز سے!

"امی نماز پڑھ چکی ہوں گی۔ آپ ادھر چلے جایئے!"

"بہت بہتر جناب!" وہ مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔

اور رات کو کھانا کھا کر جب ہارون چلے گئے تو شبنم ابا میاں کی لائبریری میں آگئی۔ کئی منٹ تک وہ شوکیس میں سجی ہوئی کتابوں کی طرف دیکھتی رہی اور سوچتی رہی، پھر ابنِ خلدون کا مقدمہ نکال کر میز کے قریب آگئی۔ لیکن کتاب میز پر رکھتے ہی اس کا ذہن

پھر مٹھک گیا۔

"زندگی کے اِس موڑ پر یہ جو اچانک ہی ایک حادثہ ہو گیا ہے اس سے میرے سوچنے کے انداز میں بھی تھوڑی سی تبدیلی آگئی ہے۔" شبنم نے سوچا۔

"معلوم نہیں تخیلات کا یہ تغیر ٹھیک ہے یا نہیں! لیکن چاہے یہ ٹھیک ہو یا نہ ہو، بالکل فطری ہے۔ میں چاہوں یا نہ چاہوں زندگی کے ہر تعمیری لمحے میں ہارون بھائی کا خیال میرے ذہن میں ضرور آئے گا۔ مگر اب وہ میرے لئے ہارون بھائی نہیں رہے، صرف اور صرف ہارون ہیں۔ کتنی انوکھی ریت ہے دنیا کی اور کتنے عجیب دستور ہیں۔ صرف چند لمحوں میں رشتے ناطے بدل جاتے ہیں اور سوچنے کے انداز بدل جاتے ہیں۔

اور شبنم کو یہ تمام باتیں بہت عجیب سی معلوم ہو رہی تھیں۔ ادب، سیاست، مذہب اور معیشت کے متعلق سوچتے سوچتے اچانک ہی ذہن اس ہستی کے متعلق سوچنے لگتا جو زندگی بھر کے لئے اس کی شریکِ سفر بن گئی تھی۔ ذہن امروز و فردا کے اندیشوں اور مستقبل کے خوابوں میں الجھ کر رہ جاتا۔ مستقبل جو دھندلکوں میں ڈوبا ہوا تھا اور خواب جن کی تعبیر معلوم نہیں کیا تھی۔

شبنم نے اس روز میز پر سر رکھ کر، پلکیں جھپکاتے ہوئے ہارون کے متعلق بے شمار باتیں سوچیں اور پھر بہت دیر بعد اپنے الجھے ہوئے ذہن کو سلجھا کر وہ کتاب پڑھنے بیٹھ گئی۔ گھنٹے کی ٹِک ٹِک کمرے کے پرسکون ماحول میں مسلسل گونجتی رہی اور لمحے پیچھے سرک کر دھندلکوں میں گم ہوتے رہے۔ ساڑھے گیارہ بجے

کے قریب وہ کتاب بند کرکے کھڑی ہوگئی۔ کتاب کو شوکیس میں رکھ کر وہ باہر آگئی۔ برآمدے کی ریلنگ کے قریب کھڑے ہو کر اس نے سر جھکائے ہوئے درختوں کی طرف دیکھا۔ اجلی چاندنی کا مدھم سا غبار آسمان سے برستا ہوا معلوم ہو رہا تھا درختوں میں سرگوشیاں تھیں۔ رات کی رانی اور چنبیلی کی البیلی سی سگندھ چاروں طرف بکھری ہوئی تھی اور آم کے درختوں کے جھنڈ سے پرے چاند بلند ہوگیا تھا۔ مکانوں کی گلیوں سے گزرتے ہوئے جانے کس درد کے مارے دل نے بانسری پر تان چھیڑی ؎

بہے انکھیوں سدھار، جیا میرا بے قرار
سنو سنو دلدار، جاؤ گے کہاں دل توڑ کے ؛

فضا میں انجانے اور انوکھے سے درد بکھر گئے۔ ستاروں نے اداسی سے پلکیں جھپکا کر زمین کی جانب دیکھا اور چاند اور بھی زرد ہو گیا۔

سالانہ امتحان شروع ہونے میں صرف چند دن رہ گئے تھے، عمران، انجم اور شبنم بڑی سنجیدگی سے اسٹڈی کر رہے تھے۔ ان دنوں سوائے کتابوں اور امتحانوں کے کوئی اور بات ذہن میں نہیں آتی تھی۔ اسماء باجی ان دنوں شبنم اور انجم کو کوئی کام نہیں کرنے دیتی تھیں۔ اور ہارون بھی بہت کم آتے تھے۔ ذہن میں بس یہی خیال تھا کہ خواہ مخواہ شبنم ڈسٹرب ہو گی۔ بھابی کے موڈ کا وہی عالم تھا کبھی اچھا ہے کبھی خراب، کبھی بہت خراب!

امتحان شروع ہوئے اور ختم بھی ہو گئے۔ انجم اور عمران کے پریکٹیکل باقی تھے۔ شبنم کو فرصت ہی فرصت تھی لیکن اس کے پرچے اچھے نہیں ہوئے تھے۔ امتحان کے دنوں میں بھی گھر کا ماحول اکثر اس قدر ناخوشگوار ہو جاتا تھا کہ شبنم کا

ذہن بُری طرح الجھ جاتا۔ مگر اسے اطمینان تھا کہ سب پرچوں میں پاس تو ہو ہی جائے گی۔ عمران اور انجم کے پرچے بہت اچھے ہوئے تھے۔ عمران کو تو اپنا میڈیکل لائن سے جوائن کرنے کا خواب پورا ہوتا نظر آتا تھا۔ وہ نت نئی شرارتیں سوچتا اور بہنوں کو بے تحاشا تنگ کرتا۔ انجم تو اس کی شرارتوں سے تنگ آکر رو پڑتی اور اسے خوب باتیں سناتی۔ دونوں میں اچھا خاصا جھگڑا ہو جاتا۔ بھابی پیشانی پر سینکڑوں بل ڈالے بڑی ناگواری سے ان دونوں کو دیکھتیں اور اپنے کمرے میں بیٹھی بڑبڑاتی رہتیں۔

اس دن بھی انجم اپنے بستر پر لیٹی ناول پڑھ رہی تھی کہ عمران سیٹی بجاتا ہوا کھڑکی کے قریب آگیا اور دھم سے اندر کی طرف کود گیا۔ شبنم اور انجم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ شبنم تو دھیرے سے مسکرا دی لیکن انجم کو اس پر غصہ آگیا۔

"کسی وقت تو چین سے بیٹھ جایا کرو۔"

"کیا مطلب ———؟"

"یہ کون سا راستہ ہے کمرے میں آنے کا؟"

"اس راستے کا نام کھڑکی ہے جسے فارسی میں دریچہ اور انگریزی میں ——— (WINDOW) کہتے ہیں۔"

"دروازے سے نہیں آسکتے؟"

"کیوں نہیں آسکتے، کہو تو کھڑکی سے باہر جاؤں اور دروازے سے اندر آجاؤں؟"

"مت بکواس کرو!"

"اس جملے کو اگر اس طرح ادا کرو تو زیادہ اچھا معلوم ہوگا ' بکواس مت کرو'"

"زیادہ قابلیت بگھارنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"قابلیت بھی کوئی دال کی قسم کی چیز ہے جو بگھاری جائے۔"

"بکے جاؤ نالائق!" انجم پھر کتاب کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"تم جو یہ سمجھ رہی ہو کہ بڑے رعب کے ساتھ ناول پڑھ لوگی تو یہ ناممکن ہے"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ کتاب چھین کر الماری میں بھی بند کی جا سکتی ہے۔"

"مجال ہے تمہاری؟"

"اب مجھے چڑھاؤ مت تم۔"

"ہنہہ! بہت دیکھے ہیں تمہارے جیسے!"

"اچھا یہ بات ہے —— لو —" عمران نے کتاب اس کے ہاتھ سے اچک لی۔

"عمران کے بچے کتاب دے دے!"

"افسوس کہ عمران کی ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہے۔ وہ تو خود ابھی بچہ ہے۔"

عمران نے اتنی افسردہ صورت بنا کر کہا کہ شبو اور انجم بے ساختہ ہنس دیں۔ عمران بڑی سنجیدگی سے ناول کے ورق الٹتا رہا۔

"سیدھی طرح کتاب واپس کرو عمران!" نجو اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ہم ٹیڑھی طرح بھی واپس نہیں کریں گے۔"

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے پریکٹیکل کی تیاری کرو"

"تمہیں میرے معاملات سے کیا دلچسپی ہے؟"

"ارے اللہ کی بندی! کچھ پڑھ لکھ لو۔ فیل ہو جاؤ گی تو۔۔۔"

"خدانخواستہ کرے جو فیل ہوں میں۔ کیوں کالی زبان نکالتے ہو؟"

"آثار تو فیل ہونے کے ہیں۔" عمران مسکرایا

"کیا بدتمیزی ہے عمران! میں امی سے شکایت کر دوں گی۔"

"میں خود شکایت کر دوں گا۔ تین روز بعد پریکٹیکل ہے اور یہ محترمہ ناول پڑھ رہی ہیں"

"تم سے کیا مطلب! میں کچھ بھی کروں۔"

"بھئی دیکھو نا تم فیل ہو گی تو ہمیں افسوس ہو گا۔"

"شبو اسے منع کرو نا! مستقل بدفال منہ سے نکال رہا ہے۔" انجم نے روہانسی ہو کر کہا۔

"دیکھو بھی عمران۔ ہماری بہن کے لئے بری بات زبان سے مت نکالو۔"

"ٹھیک ہے، آپ کہتی ہیں تو میں کچھ نہیں کہوں گا لیکن ناول اسے واپس نہیں ملے گی۔"

"میں بھی دیکھوں گی۔" نجو غصے سے اٹھ کر اس کے قریب آگئی۔ دونوں میں ناول کے لئے چھین جھپٹ ہونے لگی۔

اسی درمیان میں انجم کا ہاتھ مڑ گیا۔ وہ درد سے چیخ پڑی اور رونا شروع کر دیا۔ بھابی دروازے کے قریب سے گزریں۔ شور سن کر اندر آگئیں۔

"آخر یہ وحشت کیا ہے؟" وہ غصے سے بولیں۔

دونوں خاموش رہے۔

"اور کچھ نہیں تو اپنے قد کا ہی خیال کرو تم لوگ! ڈھونگ سے کے ڈھونگ ہو گئے حرکتیں وہی بچوں والی ہیں۔"

شبنم نے کنکھیوں سے بھابی کی طرف دیکھا اور کتاب پر جھک گئی۔

"تم لوگوں کی ان حرکتوں پر ٹوک دو تو گھر میں قیامت آجاتی ہے۔" بھابی پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" انجم نے عمران کی طرف گھور کر دیکھا۔

"میرا خیال ہے سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں میں نے کیا کیا؟"

"نہ تم ناول پڑھتیں اور نہ ہی یہ جھگڑا ہوتا۔"

"تمہیں کیا تکلیف ہوتی ہے میرے ناول پڑھنے سے؟"

"کچھ نہ کچھ تکلیف تو ہوتی ہی ہو گی۔"

"لاؤ ناول واپس کرو اور تم دفع ہو جاؤ یہاں سے!"

"تو پکڑو، امتحان میں فیل ہوئیں پھر خبر لوں گا تمہاری!" عمران نے ناول اس کی طرف بڑھا دی۔

"تم کیا میرے دادا ابا ہو؟"

"میں تمہارے دادا ابا کا بھی دادا ابا ہوں۔" عمران نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہا۔

"احمق۔ بیوقوف!" انجم نے کہا اور کتاب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

پھر ـــــ اس روز شبنم بڑی پھپھی کے گھر جا رہی تھی کہ ہارون آ گئے۔ وہ امی سے مل کر شبنم کے کمرے میں آئے تو وہ اپنے الجھے ہوئے بال سلجھا رہی تھی اور بری طرح جھنجھلا رہی تھی۔ اس کے بال ہمیشہ ہی بہت الجھ جاتے تھے۔ جس روز سر دھو لیتی تو یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ ہارون نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ گلابی کپڑوں میں وہ بڑی نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔

"کہاں کی تیاری ہے مس!"

"پھوپھی کے گھر۔"

"یہ تو بہت غلط بات ہے۔"

"کیوں!"

"ہم تو تمہارے گھر آئے ہیں۔"

"تو آپ بیٹھیے!"

"آپ لوگ تو جا رہی ہیں۔" وہ مسکرائے

"صرف میں اور امی جا رہے ہیں۔"

"ہم بھی چلیں آپ لوگوں کے ساتھ؟"

"چلیے!"

"بن بلائے مہمانوں کی طرح؟" ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ہم بھی بن بلائے جا رہے ہیں۔ کوئی دعوت تھوڑی ہے ان کے گھر۔" شبنم نے اپنے بالوں کی ایک چوٹی بناتے ہوئے کہا۔

ہارون بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟" شبنم مسکرائی۔

"نہ دیکھوں؟"

"نہیں!"

"اچھا پھر خدا حافظ!"

"ارے آپ تو ناراض ہو گئے۔"

"کس سے؟"

"مجھ سے!"

"بالکل نہیں!"

"تو پھر جا کیوں رہے ہیں؟"

"بس ایک صاحب کو دیکھنا تھا دیکھ لیا۔"

"کون صاحب؟"

"صاحب نہ سہی صاحبہ سہی۔" وہ قریب آ گئے

شبنم نے کنگھا رکھتے ہوئے کنکھیوں سے ان کی طرف دیکھا اور ایک مدھم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

"پھر کب آؤ گی؟" انہوں نے پوچھا۔

"جب آپ بلائیں!"

"میں تو آج ہی لینے آیا تھا۔"

"سچ؟"

"ہاں۔ امی نے بھیجا تھا۔"

"ویری سوری! خالہ امی سے کہئے گا میں دو چار روز بعد آؤں گی۔"

"اچھا۔۔۔!"

"آپ نے بُرا تو نہیں مانا؟"

"بہت بُرا مانا۔" انہوں نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"معافی چاہتی ہوں۔"

"اگر جرم ناقابلِ معافی ہو تو؟"

"مجھے یقین ہے میرا جوم تو اب معافی ہے۔"

"بہت اعتماد ہے اپنے اوپر!"

"ہاں لیکن اپنے آپ سے زیادہ آپ پر اعتماد ہے۔" شبنم کی آواز مدھم تھی۔

"شبنم ---!" ہارون نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"جی!" شبنم کی پلکیں جھک گئیں۔

"تم نے بہت اچھی بات کہی ہے۔"

شبنم خاموش رہی۔

ہارون چند لمحے والہانہ انداز سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر آہستہ سے خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ شبنم نے پلکیں جھپکا کر دروازے کی طرف دیکھا اور سوچوں میں ڈوب گئی۔

شبنم امی کے ساتھ پھوپھی جان کے گھر پہنچی تو ہنگامے عروج پر تھے۔ وہاں کے لوگوں کی زندگی ہمیشہ ہی ہنگاموں کے درمیان گزرتی تھی۔ پھوپھی جان کے دونوں جیٹھ اور ایک دیور مع اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ چاروں بھائیوں نے مل کر ناظم آباد میں دو پلاٹ خریدے تھے جو بالکل آمنے سامنے تھے۔ شاندار کوٹھیاں تھیں۔ ہر طرح کا سامانِ تعیش تھا۔ شبنم کو بڑی حیرت ہوتی تھی۔ اتنے سارے لوگ مل جل کر رہتے تھے۔ آپس میں کسی قسم کا لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا تھا۔ سب مطمئن تھے، پرسکون تھے اور شادماں تھے۔ کیرم اور تاش کی بازیاں جمی تھیں۔ چائے اور کولڈ ڈرنکس کے دور

چلتے تھے۔ لڑکیاں اور لڑکے ویسٹرن اور ایسٹرن میوزک سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ کورس کی کتابوں کے علاوہ اپنی اپنی پسند کی ناولیں اور رسالے بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ علمی، ادبی، سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی موضوعات پر طویل بحثیں کرتے تھے۔ اپنی اپنی سریلی، کھونڈی اور بے ہنگم آوازوں میں اردو اور انگلش فلموں کے سانگز (Songs) گنگناتے تھے، مسکراتے تھے، قہقہے لگاتے تھے اور ایک دوسرے کو تنگ کرنے کے لئے نئی نئی شرارتیں کرتے تھے۔

شبنم کو یہ سب کچھ بعض اوقات بہت اچھا لگتا تھا اور اس گھر کے ماحول کے متعلق سوچتے ہوئے بارہا اس خیال نے اس کے ذہن میں جنم لیا تھا کہ اگر وہ اس گھر میں پیدا ہوتی تو۔۔۔ اور اس "تو" کے آگے اس کی سوچیں طویل اور لامتناہی ہوتی جاتیں۔

گھر کے تمام لڑکے لڑکیوں کے رشتے آپس میں ہی طے تھے۔ دو چار کا بندوبست خاندان سے باہر بھی ہو چکا تھا۔

شبو کی پھوپھی زاد بہنوں، فرحین اور نازنین نے اسے روکنے کے لئے اپنی ممانی کی بے انتہا خوشامد کر ڈالی۔ وہ تو راضی ہو گئیں لیکن شبو نے انکار کر دیا۔ اسے ڈر تھا بھابی خواہ مخواہ ناراض ہو جائیں گی، گھر کا ماحول ناخوشگوار ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ اسماء باجی، انجم اور عمران کی بھی شامت آئے گی اور امی کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ اس سے بہتر ہے کہ ایسا موقع ہی نہ آنے دیا جائے۔ مگر فرحین اور نازنین

کے سامنے شبو کی ایک نہ چلی۔ شبینہ نے بھی یہ شرط عائد کر دی کہ وہ ایک دن سے زیادہ نہیں رہے گی۔ ویسے اسے یہ سوچ کر خوشی ہو رہی تھی کہ اس دوران میں وہ بھی ابھی کتابیں تو پڑھنے کو مل جائیں گی۔ رات کے کھانے کے بعد اپنی ممانی کو آصف گھر چھوڑنے چلے گئے۔

"امی! کل عمران کو بھیج دیجئے گا۔ مجھے آکر لے جائے۔" شبو نے گھر جاتے وقت آہستہ سے کہا۔

آصف نے سن لیا۔

"ہیں۔۔۔ کیا کہا؟" آصف نے آنکھیں نکالیں۔

شبو مسکرا دی۔

"ایک ہفتے سے پہلے نہیں جا سکتیں۔" آصف نے باہر جاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، بالکل!" پھوپھی نے بھی تائید کی۔

شبو خاموش رہی۔

رات کو وہ سب لوگ مختلف گیمز کھیلتے رہے امیوزک سنتے رہے۔۔۔ گنگناتے اور قہقہے لگاتے رہے۔ شبو کو بھی انہوں نے زبردستی اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ وہ تھوڑی دیر کیرم کھیلتی رہی۔ پھر آصف کے کہنے پر تاش بھی کھیلی۔ لیکن گیمز کے معاملے میں وہ بالکل اناڑی تھی۔ اس کی وجہ سے اس کے پارٹنر کو بھی زبردست شکست ہوئی۔ پھر اس نے بمشکل تمام اپنا پیچھا چھڑایا اور ایک کتاب لے کر کونے میں

جا بیٹھی۔ آصف بری طرح چڑ گیا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟"

"کیا ——؟"

"رکھو کتاب!"

"کیوں بھئی تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

"کوئی وقت بھی ہو کتاب پڑھنے کا!"

"کتاب پڑھنے کے لیئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہوتا۔"

"فلسفہ جھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"سیدھی بات بھی فلسفہ معلوم ہوتی ہے تمہیں!"

"ہارون بھائی تو بیچارے وحشت زدہ ہو جائیں گے!"

"وہ کیسے؟" فرحین بولی

"ہر وقت ہاتھ میں ضخیم سی کتاب دیکھ کر!"

شبّو اطمینان سے بیٹھی مسکراتی رہی۔

"دیکھو شبو اپنی خیریت چاہتی ہو تو کتاب رکھ دو۔"

"کتاب رکھنے کو تو میں رکھ دوں لیکن پھر کروں کیا؟"

"ہمارے ساتھ کھیلو!"

"موڈ نہیں!"

"تو پھر ہمارا کھیل دیکھو!"

"تم لوگ کہاں کے جیمپئن ہو جو تمہارا کھیل دیکھیں۔" شبو مسکرائی۔

"شاباش، جواب نہیں!" احمر بولا

"شبو ہمیشہ لاجواب بات کہتی ہے۔" فرمین کی چچا زاد بہن فرزانہ نے کہا۔

"ارے رہنے دو ـــ ابھی ہم بولنے پہ آگئے تو سب خاموش ہو جائیں گے۔"

فرزانہ کے بھائی جان ارشد نے ریکارڈ بدلتے ہوئے کہا۔

"تو پھر شروع ہو جائیے دیر کس بات کی ہے؟" ارشد کی منگیتر رضوانہ نے کہا۔

"اچھا آپ کے پاس بھی زبان ہے؟" ارشد نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کا کیا خیال تھا؟" رضوانہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہم تو ڈرتے تھے کہ کہیں زندگی بھر ایک گونگی کا ہاتھ تھام کر نہ چلنا پڑے۔"

ارشد کی آنکھوں میں شوخی تھی۔

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے رضوانہ زندگی میں آج پہلی مرتبہ بولی ہو۔"

فرمین نے کہا۔

"خاموش رہو۔ ریکارڈ سنو!" ارشد نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔

رضوانہ شبو کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتی رہی۔ شبو کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

احسن ریکارڈ کے ساتھ ساتھ اپنی بھونڈی آواز میں گا رہا تھا:

"پنچھی باورا چاند سے پریت لگائے"

"یار تم خاموش رہو!" ارشد نے ٹوکا
"ہاں پہ سے بھلے گلنے کی رٹ ھ لگانے لگے۔" نازنین نے کہا۔
"تمہاری آواز تو جیسے بڑی سریلی ہے؟" احسن نے کہا۔
"اور کیا! ہمیں تو کالج کے میوزک کمپیٹیشن میں دوسرا انعام ملا تھا۔"
"دوسرا ہی ملا تھا نا، پہلا تو نہیں ملا۔"
"ہاں پہلا انعام تو احسن بھائی کو ملا تھا۔" فرزانہ شرارت سے مسکرا کر بولی۔
"تم سے کس نے کہا تھا بولنے کو؟"
"ہمارے دل نے، ہمارے دماغ نے، اس ماحول اس وقت نے اور حالات و موسم کی نزاکت نے!" فرزانہ نے کسی اسٹیج آرٹسٹ کی طرح ڈائیلاگ بولتے ہوئے کہا۔
سب نے بے ساختہ قہقہے لگائے۔
"ڈراموں میں حصہ لے کر اس لڑکی کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔" احسن نے کہا۔
"کیوں جی تمہیں کیا تکلیف ہے؟" احمر بولا۔
"کل ہی چچی جان سے شکایت کر کے کالج سے اس کی بالکل چھٹی کرا دوں گا۔" احسن نے کہا۔
"بہت دیکھے ہیں چھٹی کروانے والے، ہنہ!" فرزانہ مسکرائی۔
"ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور"

زلفی اونچی آواز میں گاتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ اس کے پیچھے ہی شوکی بھی اسی شعر کو سیٹی کی دھن پر گاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ دونوں کے بال بکھرے ہوئے تھے اور ٹائیاں گلے میں جھول رہی تھیں۔

"یا وحشت!" آصف نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تیری شہرت ہی سہی"

زلفی نے برجستہ شعر پڑھا اور شوکی نے سیٹی بجائی۔

"آخر تم دونوں ہو کون؟ ہم بالکل نہیں پہچانتے!" احمر نے ہنستے ہوئے کہا باقی سب بڑی دلچسپی سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

"پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا"

زلفی نے شوکی کی طرف دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے کہا اور شوکی نے حسبِ سابق اس شعر کی ادائیگی کی۔

"آخر آپ لوگ اس بے خودی کے عالم میں کہاں سے چلے آ رہے ہیں۔ کہیں میکدے کا رُخ تو نہیں کیا تھا؟" بھائی جان ارشد نے مسکرا کر پوچھا۔

"مے سے غرضِ نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے"

زلفی نے آنکھیں چڑھاتے ہوئے کہا۔ شوکی نے بھی اس کی تقلید کی۔

"توبہ ہے بھائی زلفی! اب ختم کیجئے یہ ایکٹنگ!" رضوانہ نے کہا۔

"اچھا ہماری لاڈلی بہن! تم کہتی ہو تو اب یہ قصہ ختم کرتے ہیں۔" زلفی نے سیریس ہوتے ہوتے ہوئے کہا۔

بعد میں سب کے پوچھنے پر یہ عقدہ کھلا کہ مقامی سائنس کالج میں ایک ڈرامہ اسٹیج ہوا تھا وہی دیکھ کر چلے آ رہے ہیں۔

"یہ بہت غلط بات ہے بھائی زلفی! اکیلے اکیلے دیکھ آئے ڈرامہ۔" نازنین ناراض ہو کر بولی۔

"اکیلے کہاں بی بی! میں اور شوکی دونوں گئے تھے!" زلفی کی سنجیدگی قابلِ دید تھی

"ہم نہیں جانتے۔ ہمیں بھی دکھا کر لائیے!" فرحین اور رضوانہ نے کہا

"ابھی تو چار روز تک اور ہو گا۔ پرسوں تم سب چلنا۔" شوکی نے کہا۔

"کیسا تھا ڈرامہ!" آصف اور احمر نے پوچھا

"اے ون ــــ!" شوکی اور زلفی نے بیک آواز کہا۔

"گپیں مت ہانکو یار۔ امجد دیکھ کر آیا ہے۔ کہہ رہا تھا بالکل بنڈل ہے۔" بھائی جان ارشد نے کہا۔

"اصل میں آپ کا دوست امجد خود بنڈل ہے۔" شوکی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"بھئی اپنی اپنی پسند ہوتی ہے۔" فرحین نے کہا

"ہاں سب کی رائے یکساں نہیں ہوتی۔" نازنین نے کہا۔

"بالکل درست،" شبو نے تائید کی۔

"ارے، شبو رانی بھی بیٹھی ہیں،" شوکی نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"آپ نے اب دیکھا،" شبو مسکرائی

"ہاں بھئی تم کونے میں تو دُبکی بیٹھی ہو۔"

"اچھا یہ بتایئے بھائی زلفی کہ ڈرامہ کیا غالب سے متعلق تھا؟" فرحین نے پوچھا

"نہیں تو"

پھر یہ غالب کے اشعار کا نزول کیوں ہو رہا تھا بار بار؟" نازنین نے پوچھا۔

"بات بات میں اشعار پڑھنا ہماری "ہابی" ہے۔"

"اور ان کو سیٹی کی دھن پر گنگنانا بدولت کی ہابی ہے۔" شوکی نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ....."

"لیکن یہ کہ آج کے ڈرامے کے ہیرو کو غالب کا پورا دیوان شاید حفظ تھا۔ وہ بات بات پر غالب کے اشعار پڑھتا تھا۔"

"اوہ یہ بات تھی!" آصف نے شبو کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"تم کیسے چپکی بیٹھی ہو بڑی بی بی؟" شوکی نے فرزانہ کی طرف دیکھا۔

"ہم گانا سن رہے ہیں۔"

"گانے میں کیا رکھا ہے؟ بھاگ کے ہم سب کے لئے چائے بنا لاؤ۔" زلفی نے کہا

"ہاں جاؤ شاباش! نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔" شوگی نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی۔ اب سونا چاہیئے۔ رات زیادہ ہو گئی ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ کل تمہیں ڈرامہ دیکھنے نہیں جانا ہے۔"

"کیوں نہیں جانا ہے!"

"ہم تو نہیں لے جائیں گے اگر تم نے چائے نہ پلائی۔"

"اب محفل برخواست ہونی چاہیئے۔"

"نیند آ رہی ہے۔" بھائی جان ارشد نے کہا۔

"ہاں!" فرمین اور احمر نے تائید کی۔

"اچھی بات ہے۔ کیوں شبّو رانی تمہارا کیا خیال ہے؟" زلفی نے پوچھا۔

"نیند تو مجھے بھی آ رہی ہے۔" شبّو نے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر پبلک کے بے حد اصرار پر محفل برخواست کی جاتی ہے!" آصف نے کہا اور سب اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل دیئے۔

گرمیوں کی چھٹیاں اتنی جلدی گزر گئیں کہ پتہ بھی نہ چلا۔ دن ایک کے بعد ایک تیزی سے بھاگتے رہے۔ لمحات ایک دوسرے کا تعاقب کرتے رہے۔ باری باری سب کے رزلٹ آگئے۔ انجم کے فرسٹ ڈویژن میں چند نمبر کم تھے۔ عمران کی نہ صرف فرسٹ ڈویژن آئی تھی بلکہ پوزیشن بھی آئی تھی۔ میڈیکل میں داخلہ مل جانا یقینی تھا۔ لیکن بھابی نے ایک ہنگامہ کھڑا کر رکھا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے بڑبڑاتی رہتی تھیں۔

"آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں۔ اخراجات ہیں کہ دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔ کوئی آسان بات ہے ڈاکٹری پڑھانا۔ اتنا کسی کے پاس رکھا ہے؟ روکڑ تو نہیں دھرے ہیں ہمارے پاس۔ کچھ دنوں بعد محلے پڑوس والوں کو بھی بلا کر گھر میں رکھا جائے گا۔ ان کے اخراجات بھی اٹھاتے پھرو۔" بھابی نے سریحاً عمران پر طنز کیا تھا۔

عمران بالکل بجھ کر رہ گیا تھا۔ اس کی ساری شوخی اور شرارت ان دنوں رخصت ہو گئی تھی۔ بے حد سنجیدہ اور اداس سا رہنے لگا تھا۔ گھر کا ماحول بہت سوگوار ہو گیا تھا۔

کچھ روز تو امی بڑے صبر سے بھابی کی باتیں سنتی اور برداشت کرتی رہیں اور ان کے موڈ ٹھیک ہونے کا انتظار کرتی رہیں۔ لیکن آخر کب تک ــــ؟ ایک دن بول ہی دیں ــــ

"آخر اتنا غصہ کس بات پر ہے دولہن؟"

"غصہ نہ کروں تو پھر کیا کروں۔ اخراجات میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔"

"ماشاء اللہ بچے بڑی جماعتوں میں آگئے ہیں اخراجات تو تھوڑے بہت بڑھیں گے ہی۔" امی نے بڑی نرمی سے کہا

"چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہییں۔ جب اتنی حیثیت نہیں ہے کہ ڈاکٹری اور انجینیرنگ پڑھی جائے تو۔۔۔۔"

"اللہ کا فضل ہے بیٹی۔ اچھی خاصی آمدنی ہے۔"

"جی ہاں! خرچ کرنے والے کو اندازہ ہوتا ہے۔"

امی خاموش رہیں۔

"آخر ہم لوگ کہاں سے پورے کریں گے اتنے خرچے؟ کسی کی یونیورسٹی کی فیس ہے۔ کسی کی کالج کی۔ اب میڈیکل کا اضافہ اور ہونے والا ہے۔"

"آخر ذیشان اور سلمان میاں بھی تو ہر ماہ اتنی رقم بھیجتے ہیں اکیلے ریحان میاں

کے اوپر تو بوجھ نہیں!"

"اب آپ سے کون بحث کرے امی جان!" بھابی تنک کر بولیں اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

گھر کا ماحول مستقل طور پر ناخوشگوار دیکھ کر عمران نے میڈیکل میں داخلہ لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے سوچا اسے کیا حق ہے دوسروں پر بوجھ بننے کا! اب تک اس کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہی اس کے اوپر بہت بڑا احسان ہے۔ ہر انسان کے دل میں بے شمار خواہشیں جنم لیتی ہیں۔ ضروری تو نہیں کہ ہر خواہش پوری ہو۔ لیکن اسے یہ سوچ کر افسوس ہوتا تھا کہ جو لوگ حقیقت میں اس کے اخراجات برداشت کر رہے ہیں ان کی پیشانی پر بل تک نہیں آتا اور دوسرے لوگوں کو خواہ مخواہ اعتراض ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ذیشان بھائی اور سلمان بھائی ہر ماہ اتنی رقم بھیجتے ہیں کہ ریحان بھائی کا ایک پیسہ بھی ان لوگوں کے اوپر خرچ نہیں ہوتا ہوگا۔ امی کبھی ان پیسوں کا کوئی حساب نہیں لیتیں پھر بھی بھابی کا منہ سیدھا نہیں رہتا۔

انہی سوچوں میں دن گزر رہے تھے۔ ذیشان بھیا اور سلمان بھائی کو امتحان میں کامیابی کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ شبو نے گھر کا ماحول دیکھ کر چپکے سے ایک خط ذیشان بھیا کو لکھ دیا تھا جس میں گھر کے ماحول کا مختصراً ذکر کر دیا تھا۔ کچھ دنوں بعد ذیشان بھیا کا خط عمران اور شبو کے نام آیا جس میں عمران کو سختی سے تنبیہہ کی گئی تھی کہ گھر کے حالات خواہ کتنے ہی خراب ہو جائیں تم اپنے ارادے پر قائم رہو۔ تمہارے اندر صلاحیتیں ہیں،

انہیں زنگ آلود کرنے کی ضرورت نہیں۔ میڈیکل میں داخلہ ضرور لو۔ اخراجات کی کوئی فکر نہ کرو۔ میں ہر ماہ تمہارے نام علیحدہ رقم بھیجا کروں گا۔ تم کسی کے اوپر بوجھ نہیں ہو۔ اس گھر کی ہر چیز پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کسی اور کا ہو سکتا ہے۔"

کچھ اسی قسم کی تحریر شبو کے خط میں بھی تھی۔ عمران کی خودداری کو بھابی کی باتوں سے بڑی ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ جیسے تیسے کر کے اپنے اخراجات خود پورے کرے گا۔ مگر تینوں بہنوں اور امی نے اس کی ایک نہ سنی اور اس کی ایسی خبر لی کہ اس کی ساری سوچیں اور سارے خیالات دھرے کے دھرے رہ گئے۔

انجم نے بھی آرٹس میں داخلہ لے لیا تھا۔ شبو پاس ہو کر سیکنڈ ایئر آرٹس میں آگئی تھی۔ مگر اس کے نمبر اچھے نہیں تھے۔

طویل عرصہ تک تو یونیورسٹی میں داخلوں کا سلسلہ ہی چلتا رہا۔ یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ اسٹوڈنٹس کی ہڑتال کی وجہ سے یونیورسٹی غیر معینہ مدت کے لئے بند ہوگئی۔ یونیورسٹی آرڈیننس کی تنسیخ کی مہم بڑے زوروں پر تھی۔ دن بڑی بے چینی کے عالم میں گزرتے رہے۔ گھر کے کاموں سے فراغت پا کر شبو لائبریری میں جا بیٹھتی اور انجم ناولیں پڑھ کر کپڑے سی کر وقت گزارتی یا پھر محلے پڑوس کے گھروں میں چلی جاتی۔ چھ سات روز اسماء باجی کے ساتھ وہ بڑی پھوپھی جان کے گھر بھی رہ آئی۔

خدا خدا کر کے اسٹرائیک ختم ہوئی تو داخلوں کا رکا ہوا سلسلہ پھر جاری ہوگیا۔ اس سے فرصت ملی تو بمشکل تمام پڑھائی شروع ہوئی۔ باقاعدہ پڑھائی شروع ہونے میں بھی عرصہ لگ

گیا۔ پھر الیکشن کا سیزن آ گیا۔ کچھ روز الیکشن کے ہنگاموں میں گزر گئے۔ شبو نے گزشتہ سال یونیورسٹی کے بہت سے مباحثوں میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اس سال اسے ڈبیٹنگ سیکرٹری بنا دیا گیا۔ اس کی مصروفیات میں کچھ اور اضافہ ہو گیا اور بھابی کا موڈ کچھ اور ناخوشگوار ہو گیا۔

اس سال بھی شبو نے یونیورسٹی کے بہت سے مباحثوں میں حصہ لے کر نمایاں کامیابی حاصل کی اور مختلف کالجوں کے مباحثوں میں یونیورسٹی کی نمائندگی کی۔ یونیورسٹی میں ہر طرف شبنم فیاض کی صلاحیتوں کا چرچا ہونے لگا۔ لیکن وہ اپنی کامیابیوں پر ذرا بھی مغرور نہیں تھی۔

وقت بڑی تیزی سے گزر رہا تھا۔ دن اور رات ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہوئے بڑی روانی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ زندگی اتنی مصروف ہو کر رہ گئی تھی کہ موسموں کی آمد و رفت کا کچھ پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ سردی، گرمی اور برسات کے موسم آ کر گزر گئے۔ بہار و خزاں آ کر یوں سرعت سے گزر گئے جیسے سوائے نگاہوں کے وہم کے اور کچھ بھی نہ ہوں۔ زندگی کا کارواں لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھ رہا تھا۔ کچھ کھو رہا تھا اور کچھ پا رہا تھا۔ جنم اور مرگ کے حادثات دنیا کے کچھ باسیوں کو دنیا سے اٹھا رہے تھے اور کچھ کو بھیج رہے تھے۔

ہارون ان دنوں کچھ زیادہ ہی مصروف تھے۔ بڑی مشکل سے وقت نکال کر وہ آتے تھے۔ ان دنوں ان کے یو۔ کے جانے کی خبر بہت گرم تھی اور وہ ہر لمحہ کچھ الجھے الجھے سے رہتے تھے۔

ان ہی دنوں ایک جگہ اسماء باجی کے رشتے کی بات چل رہی تھی اور بھابی

کی بہنوں کی آمد و رفت کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ جس دن اسماء باجی کو دیکھنے کے لئے کچھ عورتیں آنے والی تھیں۔ بھابی نے اپنی بہنوں کو صبح ہی سے بلوا بھیجا۔ بہانہ یہ بنایا کہ گھر میں کام زیادہ ہوگا۔ ہاتھ ہی بٹائیں گی۔ لڑکے کی ماں بہنیں اور بھاوج دیکھنے کے لئے آئیں تو بھابی کی بہنیں سولہ سے بھی زیادہ سنگھار کرکے سامنے آگئیں۔ اسماء باجی اس وقت تک سامنے نہیں آئی تھیں۔ وہ لوگ کافی ایڈوانس قسم کے لوگ تھے۔ بھابی کی بہنیں کونسی کم ایڈوانس تھیں۔ دوسرے یہ کہ چٹپٹے دار باتیں بنا کر دوسروں کے دل جیتنے کا فن بھی انہیں خوب آتا تھا۔ اسماء باجی کے سامنے آنے تک بھابی سے چھوٹی بہن عذرا ان لوگوں کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسماء باجی کو ان لوگوں نے بغیر کسی دلچسپی کے دیکھا اور بات کو ٹال مٹول کرکے کھا پی کے چلتی بنیں۔ اس کے بعد ادھر سے کوئی جواب ہی نہیں آیا۔ ایک ماہ بعد معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے عذرا کے لئے بات پکّی کر لی ہے۔

بھابی نے یہ خبر سناتے ہوئے اپنی صفائی بھی پیش کر دی کہ دراصل وہ لوگ فیشن ایبل قسم کی لڑکی چاہتے تھے۔ ہماری اسماء تو بےچاری سیدھی سادی ہے۔ میں نے تو ان لوگوں کو بہت سمجھایا امی جان کہ اسماء بہت اچھی لڑکی ہے۔ بس ذرا سیدھی ہے۔ لیکن یہ تو شوہر کے اوپر منحصر ہے جیسے چاہے اپنی بیوی کو رکھے۔ مگر اُن لوگوں کی عقل میں ہی نہیں آئی یہ بات۔

"امی جان نے بھی کہا کہ یہ تو بُری بات ہے۔ دیکھنے گئیں ان کی لڑکی کو اور پسند کر لیا دوسروں کی لڑکی کو!" بھابی نے کہا

"چلو کوئی بات نہیں۔ وہ بھی لڑکی ہے۔ اس کی بھی شادی ہونی تھی کہیں نہ کہیں۔"

امی جان نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔

"اور پھر یہ بات بھی ہے امی جان! جہاں جس کی قسمت میں لکھی ہوتی ہے وہیں

ہوتی ہے۔" بھابی مسکرا کر بولیں۔

"ہاں ٹھیک ہے!" امی جان آہستہ سے بولیں۔

"ہماری اسماء کے لئے رشتوں کی کوئی کمی تھوڑی ہے اور بہتیرے رشتے آئیں گے"

بھابی نے کہا۔

"ہاں دولہن اللہ مالک ہے۔"

بھابی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

انجم بھابی کی باتیں سن کر دل ہی دل میں کھولتی رہی۔

"کس قدر چالاک ہے بھابی کی فطرت میں!" اس نے سوچا۔

شبو بھی بڑی چپ چاپ سی بیٹھی تھی۔

"بہت برا کیا ان لوگوں نے۔ اسماء باجی کے اوپر کچھ اچھا اثر تو نہیں پڑے گا اس

بات کا ــــ!"

اور اسماء باجی کے اوپر سچ مچ اس بات کا اثر ہوا تھا لیکن انہوں نے چہرے

سے کچھ بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ بھابی نے اپنی بہنوں کو بلا کر جو چالاکی دکھائی تھی اس پر

انہیں افسوس تو ہوا تھا لیکن انہوں نے سوچا "اللہ جو کچھ کرتا ہے ٹھیک ہی کرتا ہے۔"

معلوم نہیں اس میں کونسی مصلحت ہے۔"

موسم سرما کا آغاز ہو چکا تھا۔ درخت اور پیڑ پودے مرجھانے لگے تھے۔ ماحول لمحہ بہ لمحہ سوگوار ہوتا جا رہا تھا۔ ہر نئی شام زیادہ دھندلی اور ہر نئی رات زیادہ طویل ہونے لگی تھی۔ چاند روز بروز حسین سے حسین تر ہوتا جا رہا تھا اور چاندنی کا غبار دھند لکوں میں ڈوبنے لگا تھا۔

اس روز سردی کچھ زیادہ ہی تھی۔ شبنم اور انجم دوپہر کا کھانا کھا کر اسماء باجی کے ساتھ چھت پر دھوپ میں بیٹھی تھیں۔ اسماء باجی عمران کا سوئٹر بن رہی تھیں اور انجم شبو کے بال سلجھاتے ہوئے زیر لب مسکراتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔

زلفوں کی سنہری چھاؤں تلے
اک آگ لگی دو دیپ جلے
جب پہلی نظر کے تیر چلے
مت پوچھ کہ دل پر کیا گزری

"کوئی اور گانا یاد نہیں ہے تمہیں؟" شبنم نے پوچھا

"بہت سے یاد ہیں۔" انجم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"پھر اس گانے کی شامت کیوں آئی ہے؟"

"وہ دراصل مجھے اس وقت ہارون بھائی کا خیال آ گیا تھا۔"

"ہارون بھائی کا؟" اسماء باجی نے پوچھا

"ہاں! میں ان کے جذبات کی ترجمانی کر رہی تھی!" انجم شرارت سے بولی

"اچھا؟" اسماء باجی مسکرائیں۔

"مجھے یقین ہے ہارون بھائی نے اپنی زندگی میں ایسی بات ضرور سوچی ہوگی۔"

شبنم نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

"اپنے ہارون بھائی بڑے سنجیدہ اور باوقار آدمی ہیں۔ وہ اس قسم کی باتیں نہیں کرتے۔" اسماء باجی نے کہا۔

"ان کے سنجیدہ اور باوقار ہونے میں تو کوئی شک نہیں لیکن ۔ ۔ ۔"

"لیکن؟"

"لیکن یہ کہ ؎

محبت میں کبھی ایسی بھی حالت پائی جاتی ہے"

"نہیں بھئی۔ مت ستاؤ ہماری شبّو کو۔"

"ہم تو ستائیں گے!"

"ستاتی رہو، میں نیچے جا رہی ہوں۔" شبنم نے اٹھتے ہوئے کہا

"ناممکن!" انجم نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ اور اس کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کاش! اس وقت ہارون بھائی آجائیں۔"

"کیوں؟" اسماء باجی ہنسیں۔

"دیکھیے نا باجی! ہماری شبنو کتنی پیاری لگ رہی ہے۔"

"کیوں تو مجھے بیوقوف بنا رہی ہے انجو کی بچی!"

"ایمان سے بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔"

"ہاں!" اسماء باجی نے بھی تائید کی۔

"یہ سبز سبز کپڑے، یہ کھلی ہوئی زلفیں، یہ خمار آلود آنکھیں اور یہ نازک گلابی لبوں پر مچلتی ہوئی شرمیلی مسکراہٹیں۔!" انجم مسکرائی

"انجم کی بچی تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟" شبنم جھینپ گئی۔

"نہیں بالکل نہیں!"

"تو پھر خاموش بیٹھو۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر حقیقت کا اظہار ناگوار گزر رہا ہے تو ہم چپ ہو جاتے ہیں۔" انجم کنکھیوں سے اسماء باجی کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ تبھی عمران اوپر آ گیا۔

"خواتین و حضرات! ہارون بھائی آ رہے ہیں۔"

"یہاں حضرات کیسے نظر آ گئے تمہیں؟" انجم بولی۔

"Oh, I am extremely sorry!" عمران مسکرایا۔

"تم نے ہارون بھائی کو کہاں دیکھ لیا؟" اسماء باجی نے پوچھا۔

"کھڑی ہو کر دیکھ لیجیے، سامنے سڑک پر!"

اسماء باجی کھڑی ہو گئیں تو اس وقت تک اسکوٹر بالکل قریب آ چکا تھا

"دیکھا ؟ اللہ میاں نے ہماری دعا قبول کر لی۔"

"اسی بات پر مٹھائی کھلاؤ۔" عمران نے نیچے جاتے ہوئے کہا۔

"اسے تو ہر وقت کھانے پینے کی پڑی رہتی ہے۔" شبنم ہنسی۔

"لو انجم! تم بُنو سویٹر، میں نیچے جا رہی ہوں۔"

"لائیے!" انجم نے سویٹر لیتے ہوئے کہا

"تمہیں بھی جانا ہے؟" انجم شبو کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"نہیں!" شبنم نے سنجیدگی سے کہا۔

"اتنی سیریس کیوں ہو گئی ہو، اب میں کچھ نہیں کہوں گی۔"

"ڈر لگتا ہے تم سے!"

"ڈر کیوں لگتا ہے۔ میں تو بڑی بے ضرر سی چیز ہوں۔" انجم شرارت سے مسکرائی۔

"نیند آ رہی ہے!" شبنم نے کہا اور انجم کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"صرف چند منٹ کے لئے لیٹ سکتی ہیں آپ۔"

"کیوں!"

"میں اب نیچے جاؤں گی دھوپ برداشت نہیں ہو رہی۔"

"اچھا جاؤ بھاگو، ہم یہ کتاب پڑھیں گے۔"

"کتاب تو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

"کیوں؟"

"مرضی میری!"

"بھئی یہ بات غلط ہے۔" شبنم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا چلو پڑھ لو۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔" انجم نے کھڑے ہوتے بڑے استغناء سے کہا اور نٹنگ [illegible] سنبھال کر نیچے چلی گئی۔

شبنم اطمینان سے کتاب پڑھتی رہی۔ کافی دیر گزر گئی۔ پھر اسے دھوپ کی شدت محسوس ہوئی۔ وہ زینے سے نیچے اتر رہی تھی۔ تب ایک دم ہی ہارون سامنے آگئے۔ شبنم نے آہستہ سے سلام کیا۔ انہوں نے سر کے خفیف سے اشارے سے جواب دیا:

"میں اوپر آیا تو تم نے نیچے کی راہ لی!" وہ مسکرائے

"دھوپ بہت تیز ہو گئی ہے۔"

"چلو پھر رک کیوں گئیں؟"

"آپ راستے میں کیوں کھڑے ہیں؟"

"اوہ سوری!" وہ ایک طرف ہو گئے۔ شبنم نے ان کی طرف دیکھا تو وہ بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کیا بات ہے؟" شبنم نے پوچھا

"کچھ نہیں!"

"پھر اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"ہوں۔" انہوں نے ایک طویل سانس لیا۔

شبنم کو ہنسی آگئی۔

"میں یہ دیکھ رہا تھا کہ آج لوگ بے حد اچھے لگ رہے ہیں۔" انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کون لوگ؟"

"وہ جو ہمارے سامنے کھڑے ہیں۔" ہارون کی آنکھوں میں والہانہ پن تھا۔

"گویا ہم ہمیشہ اچھے نہیں لگتے۔" شبنم مسکرائی۔

"اچھی تو ہمیشہ لگتی ہو مگر بعض دفعہ بے حد اچھی لگتی ہو۔" ہارون نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

شبنم خاموش کھڑی ان کی طرف دیکھتی رہی۔

"کیا سوچنے لگیں؟"

"اگر میں یہ کہوں کہ آپ زیادہ اچھے نہیں تو؟"

"تو یہ کہ ایک بڑی زبردست خوشخبری سنو!" انہوں نے شبو کے سر پر چپت ماری۔

"خوشخبری؟"

"ہوں، ہم اور آپ ایک عدد بھتیجے کے چچا اور پھوپھی بن گئے ہیں۔"

"سچ ——؟" شبنم خوش ہو کر بولی۔

"جی ——!" ہارون نے سر ہلایا۔

"کیسا ہے ہمارا بھتیجہ؟"

"بہت پیارا، بے حد خوبصورت!"

"بھابی تو ٹھیک ہیں نا؟"

"بالکل ٹھیک!"

"آپ نے اتنی دیر بعد کیوں سنائی یہ خوشخبری؟"

"اور سب کو تو فوراً ہی سنا دی تھی۔"

"مجھ سے کونسا قصور سرزد ہوا تھا؟"

"تم اتنی اچھی کیوں لگ رہی ہو آج!" وہ مسکرائے۔

"یہ میری بات کا جواب تو نہ ہوا۔"

"بالکل تمہاری بات کا جواب ہے یہ!"

شبنم خاموش رہی۔

"نہ تم اتنی اچھی لگتیں، نہ میں یہ خوشخبری سناتا ہوتا۔" انہوں نے آہستہ سے اس کے کھلے ہوئے بالوں کو چھوا۔

"اچھا نیچے چلئے ——۔" شبنم نے بات بدل دی۔

"چلو،" وہ اس کے ساتھ زینے سے نیچے اترتے ہوئے بولے۔

شبنم ان کے ساتھ کمرے میں آگئی۔

"تم کب آؤ گی گھر؟"

"جب آپ بلائیں!"

"یہ مت کہو — !"

"کیوں؟"

"ورنہ میں ابھی ساتھ لے جاؤں گا۔"

"اچھا بھئی آپ میرے الفاظ واپس دے دیجیے!"

"محترمہ! ہم دی ہوئی چیز واپس نہیں کرتے۔"

"بڑی مشکل ہے!" شبنم مسکرائی۔

ہارون نے سگریٹ سلگا کر دریچے سے باہر دیکھا اور پھر شبنم کے قریب آ کر بولے

"اچھا — اب اجازت!"

"اتنی جلدی!"

"ہوں۔ ایک جگہ جانا ہے"

"تھوڑی دیر رک جائیے۔ چائے بنا لاؤں آپ کے لیے۔"

"چائے تو میں پی چکا ہوں۔ انجم نے بنائی تھی۔"

"ایک کپ اور سہی۔"

"اگلی دفعہ!"

"جیسی آپ کی مرضی!" شبنم مسکرائی۔

"پھر ـــــ کب آؤ گی؟"
"یاسمین بھابی ہسپتال سے واپس آجائیں۔"
"ہسپتال نہیں جاؤ گی انہیں دیکھنے؟"
"کل جاؤں گی امی کے ساتھ۔"
"اچھا ـــــ؟"
ہارون نے ایک لمحہ کے لئے اس کی طرف دیکھا اور خدا حافظ کہہ باہر نکل گئے۔

تب —— یاسمین بھابی کو ہاسپٹل سے گھر آئے ہوئے دوسرا روز تھا۔ شبنم امّی کے ساتھ انہیں دیکھنے جا پہنچی۔ دروازے پر ہی اسے فاروق بھائی مل گئے۔

"ارے شبّو رانی! بہت دنوں بعد نظر آئی ہو تم!" فاروق بھائی کے لہجے میں شفقت تھی۔

"ہم آ تو گئے۔ آپ تو ہمارے گھر کا رخ بھی نہیں کرتے۔"

"نہیں بھئی یہ سراسر الزام ہے۔ ہم تو چار روز پہلے ہی گئے تھے تم سے ملنے!"

"واہ! وہ تھوڑی مانا جائے گا۔ میں تو تھی ہی نہیں اس وقت!"

"اس میں میری غلطی تو نہیں ہے۔"

"بالکل آپ کی غلطی ہے"

"وہ کیسے؟"

"آپ اس وقت کیوں نہیں آتے، جب میں گھر میں ہوتی ہوں؟"

"بات تو فرصت کی ہے نا! جس وقت بھی فرصت ملتی ہے چلے جاتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو صحیح ہے!" شبنم نے سر ہلایا۔ اور فاروق بھائی کے ساتھ یاسمین بھابی کے کمرے میں آگئی۔ امّی اپنے نواسے کو گود میں لئے پیار کر رہی تھیں۔

"امّی مجھے دے دیجئے!" شبنم نے بیگ ایک طرف رکھ کر کہا۔

"لو۔" امّی نے کمبل میں لپٹے ہوئے بچے کو اس کی طرف بڑھا دیا۔

شبنم نے اسے گود میں لے کر گلابی گلابی رخساروں پر اپنا منہ رکھ دیا۔

"کتنا سویٹ ہے!" اس کے لہجے میں بے پناہ پیار تھا۔

"تم سے بھی زیادہ؟" یاسمین بھابی مسکرائیں۔

"آپ سے بھی زیادہ!" شبنم شوخ ہو کر بولی۔

تبھی بچے نے رونا شروع کر دیا۔

"امّی یہ تو رونے لگا۔ اسے کیسے چپ کراؤں؟"

"لاؤ مجھے دو۔" خالہ امّی ہنس کر بولیں۔

شبنم کچھ دیر ان لوگوں سے باتیں کرتی رہی۔ پھر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

بانو چائے بنا رہی تھی۔

"سلام بی بی!" بانو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو تم؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"نورِ اسلام کہاں ہے؟"

"وہ بازار گیا ہے۔"

"ہمارا بھتیجا پسند آیا!"

"ہاں بی بی! ماشاء اللہ بہت پیارا ہے۔ اللہ عمر دراز کرے اس کی۔

"مگر ہماری بھابی بہت کمزور ہو گئی ہیں۔"

"ٹھیک ہو جائیں گی انشاء اللہ!"

تبھی شبنم کو اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ہارون مسکراتے ہوئے چلے آرہے تھے۔

"بانو چائے بنا کر تم آرام کرنا کھانا یہ پکائیں گی۔"

بانو ہنسنے لگی۔

"ہاں بانو! صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

بانو چائے کی ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

"کتنے دنوں کا پروگرام ہے مس؟"

"کیسا پروگرام؟"

"یہاں رہنے کا۔"

"میں رہنے کے لئے تو نہیں آئی۔"

"کیوں؟"

"گھر پہ بہت کام ہے، پڑھنا بھی ہے۔"

"اور اگر میں نہ جانے دوں؟"

"مگر سوال تو یہ ہے کہ آپ کیوں نہ جانے دیں؟"

"میری مرضی!"

"پلیز! آج نہ روکئے گا۔ میں پھر آجاؤں گی۔"

"جھوٹ بولنے کی بھی انتہا ہوتی ہے مس شبنم فیاض!"

ہارون مسکرائے

"جی؟"

"اور کیا؟ تم کتنی دفعہ کہہ چکی ہو کہ "پھر آؤں گی"۔ ابھی تک پھر نہیں آیا۔"

"اچھا۔ اس دفعہ ضرور اپنی بات کو نبھاؤں گی۔"

"اب میں تم سے کچھ کہوں گا ہی نہیں!"

"ناراض ہو گئے ہیں؟"

"نہیں۔ میں بہت کم ہی کسی سے ناراض ہوتا ہوں۔"

شبنم نے مسکراتے ہوئے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ تبھی بانو چائے کے لئے بلانے آگئی۔

اور اس روز یونیورسٹی میں "کل پاکستان بین الجامعاتی" مباحثہ تھا۔ پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے بڑے اچھے اچھے مقرر آئے تھے۔ ڈیبیٹنگ سیکرٹری ہونے کی حیثیت سے شبنم کے ذمے بہت اہم کام تھے۔ یونیورسٹی میں بڑا ہنگامہ تھا اور بہت چہل پہل تھی۔ شبنم نے امی سے کہہ تو دیا تھا کہ وہ دیر سے آئے گی لیکن پھر بھی وہ سہمی ہوئی تھی۔ کہیں بھائی کوئی فساد نہ کھڑا کر دیں۔ مباحثہ شام کو پانچ بجے ختم ہوا۔ بہت کامیاب مباحثہ تھا۔ تمام وقت دلچسپی قائم رہی۔ اگرچہ لڑکے ہوٹنگ کرنے سے باز نہیں آئے تھے دو تین مقررین تو اپنی تقریر ادھوری چھوڑ کر اسٹیج سے واپس چلے گئے اور دو مقررین اسٹیج پر آتے ہی ہوٹنگ سے اتنے نروس ہوئے کہ سوائے "جناب صدر" کو تین چار مرتبہ مخاطب کرنے کے انہیں اور کوئی بات یاد نہ آسکی۔ باقی سبھی نے بڑی اچھی تقریریں کیں۔ زرعی یونیورسٹی لائل پور اور پشاور یونیورسٹی کے لڑکوں کی تقریریں شبنم کو بہت پسند آئیں۔ ٹرافی زرعی یونیورسٹی کو ملی۔ شام کو گھر پہنچتے پہنچتے شبنم کو بہت دیر ہو گئی۔ سارے راستے ڈر کے مارے اس کا برا حال رہا۔ جتنی بھی آیات اسے یاد تھیں وہ انہیں دل ہی دل میں دہراتی رہی اور گھر میں قدم رکھتے وقت تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بس، اب اس کے دل کی دھڑکنیں رک جائیں گی۔ سامنے ہی ہارون کا اسکوٹر کھڑا تھا۔ وہ ڈگمگاتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ انجم اس سے دو ڈھائی گھنٹے پہلے ہی گھر واپس آگئی تھی۔ بڑے آرام سے بستر پر لیٹی تھی۔ شبنم کو دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی:

"کیا رزلٹ رہا مباحثے کا شیو؟"

"پہلے تم یہ بتاؤ گھر میں کیا رزلٹ رہا؟" شبنم نے سہمی ہوئی آواز میں کہا

"ارے تمہارا تو ڈر کے مارے بُرا حال ہے شبّو۔" انجم بے تحاشا ہنسنے لگی۔

"نجّو کی بچی! تو ہنس رہی ہے!"

"پھر کیا کروں شبو! تمہارے چہرے پر تو ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔" انجم ہنستے ہوئے بولی ——— !

"خدا کے لئے نجّو بتاؤ گھر میں کوئی قضیہ تو نہیں ہوا؟"

"تم یہ بتاؤ کہ اگر گھر میں کوئی بات ہوئی ہوتی تو میں اس قدر سکون سے بیٹھی ہوتی؟"

شبنم خاموش رہی۔

"تمہاری طرح میری صورت سے بھی وحشت برس رہی ہوتی۔"

"بھابی کا موڈ ٹھیک ہے؟"

"بھابی یہاں ہی نہیں۔ صبح سے گھر گئی ہوئی ہیں۔"

"اوہ تھینک گاڈ۔" شبنم نے اطمینان کا سانس لیا۔

"امّی تو ناراض نہیں ہو رہی تھیں؟"

"بالکل نہیں!"

"سچ نجّو! میں تو تمام وقت اس قدر ڈری ہوئی بیٹھی رہی!"

"تم تو ضرورت سے زیادہ ہی ڈرتی ہو شبو!"

"ہوں کیا کروں . گھر کے ہنگاموں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔"

"ہاں اب بتاؤ ٹرافی کس کو ملی!"

"زرعی یونیورسٹی کو۔"

"مجھے یقین تھا دونوں لڑکوں نے بہت اچھی تقریر کی۔"

"ہاں مجھے بھی بہت پسند آئی ان کی تقریر!"

"اور پشاور یونیورسٹی کو کوئی انعام ملا؟"

"دوسرا اور خصوصی انعام ملا ان لڑکوں کو۔"

"وہ دونوں بھی بہت اچھی طرح بولے تھے۔"

"ہاں، خاص طور سے امجد فاروق کے دلائل بہت اچھے تھے۔"

"اندازِ تقریر بھی بہت اچھا تھا"

"ہاں —!"

"اچھا جاؤ۔ منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلو۔ تمہارا تو منہ نکل آیا ہے ڈر کے مارے!" انجم پھر ہنسی۔

"تم پہلے میرے لئے چائے لا دو اچھی بہن!"

"امی کو تو شکل دکھا دو اپنی!" انجم کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولی۔

شبنم بڑے تھکے تھکے انداز سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

تبھی امی اور ہارون اس طرف آ گئے۔

"تم کب آئیں شبو؟" امی نے پوچھا۔

"ابھی آتی ہوں امی!" شبنم نے آہستہ سے کہا۔

"بیٹی — تمہارے یہ بحث مباحثے تو تمہیں آدھا بھی نہ چھوڑیں گے۔"

"کیوں امی؟" شبنم مسکرائی

"ذرا اپنی صورت تو دیکھو!"

شبنم خاموش رہی۔

"کچھ کھایا پیا بھی تم نے!"

"چائے تو بہت پی تھی۔ دو ایک سموسے بھی کھائے تھے۔"

"چائے میں بھی کوئی غذائیت ہوتی ہے؟"

"تھکن تو دور ہوتی ہے امی!" شبنم نے کہا۔

"رہنے دو بس اپنی باتیں!" امی کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولیں۔

ہارون میز کے قریب کھڑے میگزین کے صفحات الٹ رہے تھے۔ شبنم نے ان کی طرف دیکھا۔ ہلکے سرمئی رنگ کے سوٹ میں وہ بڑے باوقار نظر آرہے تھے۔ سانولے چہرے پر ہلکی سی سرخی چھائی ہوئی تھی۔

"آپ کھڑے کیوں ہیں!" شبنم نے پوچھا

"کسی نے بیٹھنے کے لئے کہا ہی نہیں۔" ہارون نے مسکرا کر کہا۔

"اب تو کہہ رہی ہوں بیٹھ جایئے!"

ہارون اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"گھر میں سب ٹھیک ہیں؟"

"ہوں۔"

"آپ ٹھیک ہیں؟" شبنم مسکرائی۔

ہارون نے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں؟ میں تمہیں کیسا نظر آ رہا ہوں؟"

"ویسے تو ٹھیک ہیں لیکن کچھ خاموش سے ہیں۔"

"نہیں تو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"آپ کے مریضوں کا کیا حال ہے؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب ہے کتنے اللہ میاں کو پیارے ہوئے، کتنے مریضوں کی حالت نازک ہوئی؟"
شبنم مسکرائی۔

"احمق لڑکی! تم سمجھتی ہو میں اس قدر ریکار قسم کا ڈاکٹر ہوں؟"

شبنم ہنسنے لگی۔

"اللہ کا شکر ہے مس صاحبہ میرے ہاتھ میں بہت شفا ہے۔"

"ماشاءاللہ، سبحان اللہ، الحمدللہ!"

"شریر!" ہارون نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"اور یہ۔ کب تک جا رہے ہیں۔"

"بہت جلدی ہی!"

"کیا واقعی!"

"ہاں!"

شبنم خاموش ہو گئی۔

"ارے۔ تم نے کپڑے نہیں بدلے ابھی تک!" انجم چائے لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔

"نہیں فرصت نہیں ہوئی۔"

"اچھا چلو چائے بناؤ اپنے اور ہارون بھائی کے لئے۔" انجم نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تم بھی پی لو۔" شبنم نے کہا۔

"نہیں —— !" انجم نے باہر جاتے ہوئے کہا۔

شبنم جھک کر چائے بنانے لگی۔ ہارون نے اس کی طرف دیکھا۔ سفید کپڑوں میں ملبوس وہ بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ چہرے پر بے پناہ تھکن کے آثار تھے۔ صبح کے بنے ہوئے بال بکھر گئے تھے۔ ہارون اس کے چہرے پر چھائی ہوئی پاکیزگی اور معصومیت کو دیکھتے رہے۔ شبنم نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھایا تو انہیں اپنی طرف اس طرح دیکھتے پا کر کچھ نروس سی ہو گئی۔ رخساروں کی دھوپ پر پلکوں کے سائے ایک لمحے کے لئے کانپ کر رہ گئے ہارون اس کے ہاتھ سے چائے لیتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دیئے۔

"تم کھانا کھا میتیں شبو!"

"کیوں؟"

"صبح سے بھوکی ہو نا!"

"سب چلتا ہے۔"

"مجھے آپ کی صحت بہت عزیز ہے مس صاحبہ!"

"نوازش!"

"آپ فوراً کھانا کھائیں!"

"کچھ دیر پہلے کہتے۔ اب تو چائے بنالی ہے۔"

"چائے دوبارہ بن جائے گی۔"

"مگر اس چائے کا کیا ہوگا!"

"پھینک دو۔"

"دل دکھتا ہے کوئی چیز پھینکتے ہوئے۔"

ہارون نے ایک لمحہ کے لئے اس کی طرف بڑے غور سے دیکھا اور چائے پینے لگے

"اچھا، اب چلتے ہیں!"

ہارون کچھ دیر بعد چائے کی پیالی رکھتے ہوئے بولے۔

"نہیں!"

"کیوں!"

"کھانا کھا کر جائیے گا۔"

"کیوں! کیا پکایا ہے؟"

"میں نے تو کچھ بھی نہیں پکایا۔"

"بس پھر نہیں کھاؤں گا۔" ہارون مسکرائے۔

چند لمحے وہ شبنم کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر آہستہ سے خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔ شبنم کپڑے پہن کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ثروت آپا پڑوس کی ایک اور لڑکی رخشندہ کے ساتھ آگئیں۔ رخشندہ کا گھرانا دو مہینے پہلے ہی ساتھ والے گھر میں آیا تھا۔ بڑے خوش اخلاق، ملنسار اور خلیق لوگ تھے۔ انجم اسے بلانے آئی تو وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔ ثروت آپا سفید سوتی ساڑی میں بڑی پیاری لگ رہی تھیں۔ سانولے سلونے چہرے پر بڑی پیاری سی مسکراہٹ تھی۔

"ماشاء اللہ ثروت آپا۔ چشم بددور!" شبنم نے ان کی ٹھوڑی پکڑ کر بڑی شریر نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ ثروت آپا کچھ شرما گئیں۔

"اور ہماری رخشندہ کا تو جواب ہی نہیں ہے۔" شبنم نے ہلکے فیروزی کپڑوں میں ملبوس رخشندہ کی طرف دیکھا۔ رخشندہ تھی بھی بہت پیاری سی لڑکی۔

"پہلے اپنے آپ کو تو دیکھو تم۔" رخشندہ مسکرائی

"میں بیچاری بھلا کس گنتی شمار میں ہوں؟"

"یہ تو ہارون صاحب سے پوچھو؟" رخشندہ نے کہا۔

"ہاں۔ انہوں نے تو پہلا نمبر تمہیں ہی دیا۔

"بس ان سے غلطی ہو گئی۔" شبنم مسکرائی۔

"تمہاری بہن نہیں آئیں رخشندہ؟" اسما باجی نے پوچھا۔

"وہ امّی کے ساتھ گئی ہوئی ہیں خالہ کے گھر!"

"آپ کی امّی کی طبیعت ٹھیک ہو گئی؟" انجم نے پوچھا۔

"ہاں اب تو بالکل ٹھیک ہیں۔"

شبنم ان لوگوں کے لئے چائے بنانے چلی گئی۔

رخشندہ اور ثروت آپا کافی دیر تک بیٹھی رہیں۔ ان لوگوں کو رخصت کر کے شبنم باورچی خانے میں آگئی۔ امّی کھانا نکال رہی تھیں۔ وہ امّی کی مدد کرنے لگی۔

کھانا کھا کر انجم، اسما، باجی اور عمران تاش کھیلنے میں جُت گئے۔ شبنم عشاء کی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ نماز پڑھ کر وہ ابّا میاں کی لائبریری میں آگئی لیکن تھکن کی وجہ سے پڑھنے کا موڈ بالکل نہیں تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھی الماریوں میں سجی سر و قامت کتابوں کی طرف دیکھتی رہی جن کے سینے میں برسوں اور صدیوں کے علم و ہنر کے بحرِ ذخار پوشیدہ تھے۔ کتابوں سے ہٹ کر اس کی نظریں ابّا میاں کی تصویر پر مرکوز ہو گئیں۔ ذہن سوچوں اور خیالوں کی آماجگاہ بن گیا۔ ایسی سوچیں، جن کا تعلق صرف ابّا میاں کی اور اس کی ذات سے تھا۔ اور ایسے خیالات —— جن کا تعلق ابّا میاں کی ذہانت فراست اور ان کتابوں سے تھا جو بڑی چاہت سے انہوں نے جمع کی تھیں۔

"یہ کمرہ اور یہ کتابیں میری زندگی کا بہت قیمتی سرمایہ ہیں ابّا میاں!" اس نے

زیرِ لب کہا۔ اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سر میز پر ٹکا دیا۔ کئی لمحے چپ چاپ گزر گئے۔

پھر ــــ باہر شاید ٹیکسی آ کر رکی۔ وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ بھابی، ریحان بھیا اور بچے آ گئے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر سیمیں کو گود میں اٹھا لیا۔

"کہاں گئی تھیں گڑیا؟"

"نانی امّی کے پاس!"

"کیا کیا کھایا ــــ؟"

"کھانا، مٹھائی، بسکٹ اور چائے!"

"ارے واہ گڑیا! اتنے منّے سے پیٹ میں تم نے اتنی ساری چیزیں کیسے جمع کر لیں!"

بھابی ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"میں نے بھی تو جمع کی ہیں آنٹی یہ ساری چیزیں۔" روفی اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم بہت پیٹو ہو۔"

"آنٹی میں آپ کے لئے بھی مٹھائی لائی ہوں۔" سیمیں نے کہا

"اچھا؟"

"ہاں یہ لیجئے!" سیمیں نے اپنے ہاتھ میں دبائی ہوئی چاکلیٹ شبنم کے منہ کی طرف بڑھا دی۔

"نہیں - ہم صبح کھائیں گے - اس وقت رکھ لو۔"

"نہیں ابھی!" ہیمیں نے ضد کی۔

"اچھے بچے ضد نہیں کرتے۔"

"آنٹی میں تو اچھا بچہ ہوں - میں آپ کو صبح ٹافی دوں گا۔" روفی نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

شبنم مسکرادی اور ہیمیں کو گود میں لئے بھابی کے کمرے کی طرف چلی گئی —

بھابی شاید باتھ روم میں کپڑے بدل رہی تھیں۔ وہ روفی اور ہیمیں کے کپڑے بدلنے لگی۔ ریحان بھائی کو آج کے مباحثے کے متعلق معلوم تھا۔ وہ اس سے مباحثے کی تفصیلات پوچھنے لگے۔

روفی اور ہیمیں کے کپڑے بدل کر وہ برآمدے میں آگئی اور ریلنگ کے قریب کھڑی ہوکر باہر دیکھنے لگی۔ ثروت آپا کے گھر کی طرف دیکھتے ہوئے اسے ایک دم ہی ثروت آپا کا خیال آگیا۔

"بے چاری ثروت آپا۔" اس نے افسردگی سے سوچا۔

ثروت آپا کی عمر چھتیس سال کی ہو چکی تھی لیکن ابھی تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ کافی عرصہ پہلے بڑی اچھی جگہ ان کی منگنی ہوئی تھی لیکن چند حاسد رشتے داروں نے لگائی بجھائی کرکے یہ منگنی ختم کروادی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس کے بعد دو تین جگہ سے ان کی بات آئی لیکن کچھ شرپسند لوگوں نے پہلی منگنی کا حوالہ دے کر بات آگے

نہ بڑھنے دی۔ آہستہ آہستہ ثروت آپا کی عمر کی دھوپ ڈھلتی رہی اور دھوپ ڈھل جانے کے بعد باقی ہی کیا رہ جاتا ہے۔ پُراسرار اور ہیبت ناک انداز میں کانپتے ہوئے، سرسراتے ہوئے سائے ہی تو رہ جاتے ہیں جو بیتے ہوئے لمحوں کی داستانِ پُرالم سنا کر سسکتے رہ جاتے ہیں۔ یہی کچھ ثروت آپا کے ساتھ ہوا تھا۔ ان کی زندگی میں اگر بھولے سے بہاریں آتی بھی تھیں تو ان پر خزاں کا دھوکا ہوتا تھا۔ زندگی کا ہر نیا لمحہ ان کے لئے زیادہ اذیت ناک تھا۔ اب تو ان کی زندگی کے آنگن میں انہیں کوئی بھولے بھٹکے بھی پوچھنے نہیں آتا تھا۔ ان کے چاروں اور گزری ہوئی بہاروں کے دیئے ہوئے زخموں کے انبار تھے۔ خزاں کی دھوپ میں اڑتے ہوئے پتوں کے ڈھیر تھے۔ سرما کی طویل سنسان راتوں کے افسردہ چاند زندگی کے آنگن میں بڑی سوگواری سے ہر طرف چھائی ویرانیوں کو تکتے تھے۔ موسم گرما کی تپتی ہوئی دوپہریں عرب کے بنجر لق و دق صحراؤں کی مانند وحشت ناک انداز سے انہیں ڈرایا کرتی تھیں۔ چپ چاپ ڈھلتی ہوئی شاموں کو انجانی شاموں سے ہولے ہولے یہ دردناک صدائیں آتی تھیں۔

اب تم کس کے انتظار میں آنکھیں بچھائے بیٹھی ہو؟ اب تو شاید زندگی بھر تمہارے آنگن میں کوئی نہیں آئے گا۔ اب تم اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کیوں نہیں کر لیتیں۔ پھر چاروں اور دبی دبی سی سسکیاں ابھرتیں اور فضائیں المناک ہو جاتیں۔

کیسے کیسے لوگ ہیں اس دنیا میں — ! شبنم نے دکھ سے سوچا

دوسروں کو تکلیف پہنچا کر لذت محسوس کرتے ہیں۔ اگر لوگ اپنی موت کو فراموش

نہ کریں تو پھر شاید ان گناہوں میں کچھ کمی آجائے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ زندہ رہ کر دنیا والے اس لمحے کو بھول جاتے ہیں جب لمحہ روح جسم کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔ جس سے نفس کے تار بڑی آہستگی سے ٹوٹ جاتے ہیں۔

پانچوں وقت کی نماز پڑھ کر اور مختلف وظیفے پڑھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے سارے گناہ دھل گئے اور ان کو جنت میں جانے کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔ یہ نہیں سوچتے کہ دوسروں کا دل دُکھانا، دوسروں کو تکلیف پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس گناہ کو خدا تو معاف نہیں کرے گا۔ اسے معاف کرنے والے تو بندے ہیں مگر اتنی گہرائیوں میں جانے کی زحمت کون کرتا ہے؟ نہیں۔۔۔۔ مگر سچ یہ ہے کہ ان حقیقتوں سے ناواقف کوئی بھی نہیں ہوتا لیکن ان کی طرف سے اندھے، بہرے، گونگے بن کر جینے میں جو لذت ہے اس سے لطف اندوز ہونے کو لوگ زیادہ پسند کرتے ہیں۔

منّو نے ثروت آپا کی ان رشتہ دار خواتین کو ان کے یہاں تقریبوں میں اکثر دیکھا تھا۔ زبانیں اتنی میٹھی تھیں کہ شاید شہد کی مٹھاس بھی ان کے سامنے ماند ہو گی۔ اس قدر لچھے دار باتیں کہ دل چاہے سنتے رہیں، ہر وقت یہ ظاہر کرتی تھیں کہ خدا اور رسول کے خوف سے ایک لمحہ کو بھی غافل نہیں ہیں۔ باتیں کرتے ہوئے اور کام کرتے ہوئے، ہر وقت بڑی سی تسبیح کے دانے گھسیٹتی رہتی ہیں لیکن جہاں موقع ملتا ہے جھٹ سے میٹھی میٹھی باتوں میں کوئی طنزیہ، دل دکھانے والی بات کہہ دی، تیری میری بات کہہ دی، منہ پر تعریفوں کے پل باندھ دیئے پیٹھ پیچھے جی بھر کے بُرا کہا۔ پھر سب کی بھلی بھی بنی رہیں۔ ان کی زندگی

شاید انہی باتوں میں گزر رہی تھیں۔

محض چند روزہ زندگی کی خاطر اتنی فضول باتیں، اتنے جھمیلے اور اتنے قضیے!

شبو نے سوچا اور اسے رخشندہ کی بڑی بہن فرخندہ کا خیال آگیا۔ سب چھوٹی بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ خود رخشندہ کی بھی منگنی ہو گئی تھی لیکن وہ بے چاری!

ہائے افسوس! یہ دنیا والے۔ خدا کے کاموں میں بھی نقص نکالتے ہیں، ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ اگر وہ بے چاری بدصورت ہیں تو کیا یہ ان کا قصور ہے؟ انہوں نے خود تو اپنی صورت نہیں بنائی۔ اللہ کی مرضی، جس کو جیسا چاہے بنائے۔ بندے اس کے کاموں میں دخل دینے والے کون ہیں؟

اپنے آگے بیٹیاں رکھ کر ایسی باتیں سوچتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں۔ اگر ان کی بیٹیاں کسی حادثے میں اپنی اچھی صورتوں سے محروم ہو جائیں تو......

سچ تو یہ ہے کہ خدا نے ایسی چیزیں، ایسی صورتیں انسانوں کی نصیحت کے لئے بنائی ہیں اور اس لئے بنائی ہیں کہ دنیا والے ان سے عبرت حاصل کریں۔ مگر کون دھیان دیتا ہے ایسی باتوں کی طرف! اُف ـــــ! یہ انسان! گناہوں کے پتلے ـــــ!

اچھی اور بری باتوں میں امتیاز کرتے ہیں، سوچتے بھی ہیں، سمجھتے ہیں کہ کیا کرنا بہتر ہے لیکن محض اپنی ذہنی آسودگی کی خاطر، اپنے نفس کی لذت کی خاطر گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں۔ اور یوں مطمئن انداز میں سوچتے ہیں جیسے گناہ نہیں ثواب کیا ہو۔

واہ رے انسان! کیا ہے تیری شان!

شبنم طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ اور بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
ڈرائنگ روم میں عمران، اسماء باجی اور انجم کا کھیل جاری تھا۔ شبنم لائٹ آف کر کے
بستر پر لیٹ گئی اور ذہن پھر مختلف سوچوں کا نگر بن گیا۔

وقت اتنی تیزی سے گزر گیا تھا کہ سوچ کر حیرت ہوتی تھی۔ امتحان بالکل سر پر آگئے تھے۔ عمران کے کالج کا تو سیشن ہی مختلف تھا۔ اس کے امتحان شروع ہونے میں کچھ عرصہ باقی تھا لیکن انجم اور شبنم کے امتحان شروع ہونے میں کچھ ہی روز رہ گئے تھے۔ دونوں بڑے زبردست طریقے سے اسٹڈی کر رہی تھیں۔ انجم ویسے بہت کم نماز پڑھا کرتی تھی لیکن جونہی امتحان کا زمانہ قریب آتا تھا، نماز کے سلسلے میں وہ بڑی باقاعدہ ہو جاتی تھی۔ امّی اس کی اس حرکت پر بڑی ناراض ہوتی تھیں اور عمران اسے تنگ کرتا۔

"اللہ میاں کو رشوت دے رہی ہو۔"

ہارون ان دنوں بہت کم آتے تھے۔ کچھ تو ان دونوں کے امتحانوں کی وجہ سے اور کچھ اپنی مصروفیت کی وجہ سے۔ وہ عنقریب ہی یو۔کے جانے والے تھے۔

اپنے انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ خالہ امی بڑی چپ چپ سی رہنے لگی تھیں اور شبو کے احساسات بھی بڑے عجیب سے ہو گئے تھے۔ کتاب پڑھتے پڑھتے ایک دم اس کا ذہن بھٹک جاتا۔ نگاہوں کے سامنے ہارون کی شبیہ آ جاتی۔ نویلی سوچیں، لامتناہی خیالات ـــــ جن کا تعلق صرف اس کی اور ہارون کی ذات سے تھا۔

"معلوم نہیں زندگی کے آنے والے لمحات میں مجھے کیا کھونا پڑے گا اور مجھے کیا ملے گا۔" وہ پلکیں جھپکا کر سوچتی اور دوبارہ کتاب پر جھک جاتی۔

انہی سوچوں میں وقت گزرتا رہا اور امتحان شروع ہو گئے۔ وہ خوفزدہ تھی کہ شاید اس سال اور بھی زیادہ خراب پرچے ہوں گے۔ لیکن توقع سے زیادہ ہی اچھے پرچے ہوئے کیونکہ اس دفعہ امتحانوں کے دنوں میں گھر کا ماحول ناخوشگوار نہیں ہوا تھا۔ انجم کے پریکٹیکل باقی تھے۔

امتحان سے فرصت ملی تو شبنم نے اپنے اور انجم کے کچھ کپڑے سی ڈالے۔ ہارون کے لئے دو سویٹر بنے۔ یاسمین بھابی کے بچے ضیاء کے لئے ڈھیروں ننھی منی چیزیں تیار کیں۔ یاسمین بھابی اور فاروق بھائی نے اس کے سگھڑاپے کو سراہا تو وہ بڑا مان گئی۔ باقی سارا وقت تو اس کے پڑھنے کے لئے تھا ہی۔ وہ تھی اور ابا میاں کی لائبریری۔ وہ مسلسل کئی کئی گھنٹے کتابیں پڑھتی رہتی۔ امی اس کی اس حرکت پر بہت ناراض ہوتی تھیں ـــــ!

"اپنی صحت کا ستیاناس کرے گی یہ لڑکی پڑھ پڑھ کر۔" امی جھنجھلا کر کہتیں۔

ریحان بھائی بھی اکثر اسے ٹوکتے لیکن وہ اپنی عادت سے مجبور تھی۔ اور کچھ نہیں تو الماری سے کتابیں نکال کر ان کی گرد جھاڑتی اور انہیں از سر نو رکھتی۔ الماریوں کے شیشے چمکاتی رہتی۔ ابا میاں کی تصویر کا شیشہ صابن لگا لگا کر چمکاتی رہتی۔ ان کی وہ تصویر جو اسے بہت پسند تھی اس نے امّی سے لے کر اپنی ایک سہیلی تزئین کے آرٹسٹ بھنوئی کو دی تھی کہ وہ اسی جیسی بڑی سی تصویر بنا دیں اور جس روز وہ تصویر مکمل ہو کر آئی اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ گھر میں آنے والے ایک ایک آدمی کو اس نے وہ تصویر دکھائی۔ اور پھر ہارون سے کہا کہ وہ اس کے لئے بہت اچھا سا فریم بنوا دیں۔ تصویر فریم ہو کر آئی تو اسے لائبریری کی زینت بنا دیا۔ اس کی ان باتوں پر امّی کا دل اندر ہی اندر بیٹھ جاتا۔ وہ سوچتیں کہ اگرچہ انجم بھی اپنے باپ کی شفقت و محبت سے محروم ہے اور اسے بھی اپنے مرحوم باپ سے بے پناہ عقیدت و محبت ہے لیکن اس کے جذبات میں وہ شدت نہیں ہے جو شبو کے جذبات میں ہے۔ اس کی بہت سی عادتیں بھی ان کی عادتوں سے بہت ملتی تھیں۔ خصوصاً مطالعہ کرتے وقت ایک انگلی پر ٹھوڑی کو ٹکا کر اور پیشانی پر سلوٹیں ڈال کر پڑھنے کا انداز بالکل وہی تھا۔ انہی کی طرح اسے بھی جنون کی حد تک پڑھنے کا شوق تھا۔ انہی کی سی لیاقت و قابلیت اور ذہانت و فراست اس میں تھی۔

اگر آج وہ زندہ ہوتے تو اسے دیکھ کر کس قدر خوش ہوتے! — امّی ایک افسردہ سانس لے کر سوچتیں۔

دو ماہ کا عرصہ بڑی جلدی بیت گیا۔ شبنم کا رزلٹ آ گیا تھا۔ اخبار میں اپنا رول نمبر دیکھ کر اس نے سوچا۔ معلوم نہیں اس دفعہ کیسے نمبر آئیں گے۔ تقریباً ایک ہفتے بعد انجم کا بھی رزلٹ آ گیا۔ دو ہفتے بعد ہارون یو کے جانے والے تھے۔ خالہ امی کی خواہش تھی کہ بڑی سادگی سے شبنم اور ہارون کی شادی ہو جائے اور دونوں ساتھ ساتھ ہی چلے جائیں مگر ہارون نے انہیں سمجھا دیا گرچہ خود ان کی بھی بڑی شدید خواہش تھی کہ وہ شبنم کو اپنے ساتھ لے جائیں مگر ان کے نزدیک وعدہ کی قدر و قیمت اپنے جذبات اور احساسات سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ وعدہ ہی کیا جو ایفاء نہ کیا جائے۔ انہوں نے سوچا لیکن ان کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا اور دل بے حد اداس تھا۔ چار سال کا طویل عرصہ شبنم سے دور رہ کر وہ کس طرح گزاریں گے۔ شبنم تو ان کی متاعِ حیات ہے۔ انہوں نے شبنم کی معصوم شبیہ کو اپنی نگاہوں میں بسا کر سوچا۔

اپنی متاعِ زیست اور اپنی زندگی سے دور رہ کر کون خوش ہوتا ہو گا۔ شاید کوئی بھی نہیں۔ مگر وقت اور حالات انسان کو سب کچھ کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ہر انسان کی زندگی میں ایسے لمحات کبھی نہ کبھی ضرور آتے ہیں جب اسے کچھ کرنا پڑتا ہے جس کے لئے دل خوشی سے راضی ہوتا ہے نہ دماغ!"

دنیا میں تم ہی تو تنہا ایسے انسان نہیں۔ یہ لمحے سبھی پر آتے ہیں۔ دماغ نے سمجھایا اور وہ سگریٹ سلگا کر دریچے میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے دھندلکوں میں ڈوبے ہوئے اپنے ماضی کے جھروکوں سے جھانک کر اس پیار یادوں کے آنگن کی طرف

دیکھا۔ زندگی کے کسی بھی لمحے میں دل کی یہ کیفیت نہیں ہوئی تھی جو آج ہے۔ دل کے خاموش ایوان میں شبنم کے قدموں کی مدھم سی چاپ گونج رہی تھی۔ بڑی ویرانی تھی، بہت اداسی تھی، بے حد تنہائی تھی اور بے پناہ سوگواری تھی۔ ایوان کے دریچوں سے باہر بڑا افسردہ سا غبار اڑ رہا تھا۔ نفس کے تار بڑی اداسی سے بجتے ہوئے صدا دے رہے تھے،

"شبو! شبو ــــ! شبو ــــ!!!"

آکاش پر چمکتا ہوا پونم کا چاند بڑی سوگواری سے نیچے تک رہا تھا۔ دم بخود چاندنی دھرتی پر بکھری ہوئی سسک رہی تھی۔ چمپا کی پھیلی ہوئی بوجھل شاخیں ہاتھ پھیلائے کیلے کے سرسراتے جھالردار پتوں کو اپنی آغوش میں لینے کو بے تاب تھیں۔ رات کی رانی کی البیلی سی سگندھ سے ہم آغوش ہو رہی تھی۔ درختوں میں بڑی مدھم سی سرگوشیاں تھیں اور مغرب کی اور آسمان پر ابرِ سنبلی جھک آئے تھے۔

بڑے عجیب سے لمحات تھے اور ہارون کے دل کی کیفیت اس سے بھی زیادہ عجیب تھی۔

دوسرے روز جب ہارون شبو کے گھر گئے تو گھر میں بڑا سناٹا تھا۔ بھابی بچوں سمیت اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں ایک تقریب میں گئی ہوئی تھیں۔ ریحان بھائی بھی نہیں تھے۔ عمران باہر گیا ہوا تھا۔ انجم اور اسماء باجی ثروت آپا کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ امی عصر کی نماز پڑھنے جا رہی تھیں۔ ہارون چند منٹ ان سے باتیں کر کے شبو کے کمرے میں آگئے۔ وہ دریچے کے قریب کرسی پر بڑی چپ چاپ سی بیٹھی تھی۔

ہارون کمرے میں آئے تو وہ چند لمحے تک انہیں پلکیں جھپکائے بغیر دیکھتی رہی۔

"کیا بات ہے مس؟" ہارون اس کے قریب آکر دھیرے سے مسکرائے

"کچھ نہیں!" شبنم کی آواز مدھم تھی۔

"نہ سلام نہ دعا! اتنی بدتمیز تو تم کبھی نہیں تھیں۔"

ہارون نے آہستہ سے اس کے بالوں کو چھوا۔

شبنم خاموش رہی۔

"آپ نے چپ شاہ کا روزہ رکھا ہے کیا؟" وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

"نہیں ـــــ!"

"پھر ـــــ موڈ خراب ہے؟"

"نہیں!"

"دل اداس ہے؟" ہارون مسکرائے۔

شبنم کچھ نہیں بولی۔

"امی نے ڈانٹا ہے؟"

"نہ ـــــ"

"بھابی سے جھگڑا ہوا ہے؟"

پھر بھی خاموشی طاری رہی۔

"آج تم بات نہیں کرو گی؟ میں چلا جاؤں؟" ہارون کا انداز والہانہ تھا۔

شبنم چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی۔

"اچھی بات ہے پھر!" ہارون کھڑے ہو گئے۔

شبنم نے اس پر بھی کچھ نہیں کہا۔

"خدا حافظ!" ہارون نے جانے کے لئے قدم اٹھائے۔ شبنم نے آہستہ سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

ہارون نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے افسردہ چہرے کی طرف دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس کی آنکھوں میں اتنی سوگواری تھی کہ ہارون کا دل دکھ گیا۔

"تم نے اسے کیسے جذبات سے آشنا کر دیا ہے ہارون؟ یہ تو بڑی باہمت لڑکی تھی۔" ان کے دل نے کہا۔

اور یہ سچ بھی تھا۔ ہارون کی محبت اور چاہت نے اس کے دل کو بہت کمزور کر دیا تھا۔ ورنہ وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جو حساس تو ہوتی ہیں مگر ہر بات کو برداشت کرنے کی بھی غیر معمولی صلاحیت ان میں ہوتی ہے۔

مگر ہارون نے اسے جو جذبات عطا کئے تھے ان کے بعد تو اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اب کسی دکھ اور غم کو برداشت کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔

"شبو ـــــ!" ہارون نے آہستہ سے پکارا۔

شبنم خاموش کھڑی پلکیں جھپکاتی رہی۔ شاید وہ آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بیٹھ تو جاؤ۔" ہارون مسکرائے۔

"پہلے آپ بیٹھیں۔"

"بیٹھنے میں بھی تکلف؟" ہارون ماحول کی اداسی کو دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہارون بیٹھ گئے تو شبنم بھی بیٹھ گئی۔

"کوئی بات کرو شبّو۔" انہوں نے آہستہ سے اس کا سر ہلایا۔

شبنم ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

"اچھا ایک بات پوچھوں؟"

شبنم نے سر ہلایا۔

"اس وقت تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے؟"

شبنم نے سوچا ہارون نے بڑا عجیب سا سوال کیا ہے۔ وہ انہیں کیسے بتائے کہ اس وقت تو دل سے آنکھوں تک طوفان ہی طوفان ہے۔ آنکھیں تو کسی پُرسکون ساحل کا منظر ہیں مگر دل ایک دریا ہے۔

"بولو ـــــ ؟؟؟" ہارون نے کہا

"کیسے کہوں، کس طرح کہوں؟" شبنم کی آواز مدھم تھی۔

"اچھا لکھ تو سکتی ہو؟ لو اس پر لکھو!" ہارون نے میز سے قلم اور کاپی اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور دھیرے سے مسکرا دیئے۔

شبنم نے کاپی کھول کر وہی جملے لکھ دیئے جو چند لمحے پہلے اس کے ذہن میں آئے

تھے اور کاپی ہارون کی طرف بڑھا دی۔

ہارون نے اس کی تحریر کی ہوئی چند سطریں پڑھ کر چند لمحوں کے لئے اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بہت اداس ہو میرے جانے کی خبر سن کر؟"

"ہاں — !"

"مجھ سے دور رہنا تمہیں اچھا نہیں لگتا!"

"نہیں!" شبنم کی پلکیں جھک گئیں۔

"پھر بتاؤ میں کیا کروں!

"نہ آپ کچھ کر سکتے ہیں، نہ میں!"

"اداس ہو جانا تو اس مسئلے کا حل نہیں!"

"جی ہاں! یقیناً!"

"پھر اداس ہونے سے فائدہ؟"

"اداس ہونا نہ ہونا اپنے اختیار کی بات تو نہیں ہے!"

"تم ٹھیک کہتی ہو شبنم مگر میں سوائے تمہیں سمجھانے کے اور کیا کر سکتا ہوں؟"

شبنم خاموش رہی۔

"اچھا ایک بات بتاؤ!" ہارون نے کہا

"ہوں!"

"میرے جانے کے بعد مجھے کتنا یاد کرو گی؟"

"شاید ـــــ میں وقت کے ہر لمحے میں آپ کو بہت یاد کروں گی۔" شبنم نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ہارون نے سوچا اس لڑکی میں ذرا بناوٹ اور تصنع نہیں۔ جو اس کے دل میں ہوتا ہے، وہی زبان پر۔!

بڑی سے بڑی بات اتنی سادگی سے کہہ جاتی ہے کہ حیرانی ہوتی ہے ورنہ عموماً لڑکیاں ایسی کہاں ہوتی ہیں؟

شبنم کچھ دیر ان کی طرف پلکیں جھپکائے بغیر دیکھتی رہی۔ پھر کرسی کے ہتھے پر اپنا سر ٹکا دیا۔ ہارون نے چونک کر اس کی طرف دیکھا:

"رونے لگیں؟"

"آپ نے کبھی مجھے روتے ہوئے دیکھا ہے؟" شبنم نے سر اٹھا کر کہا۔

"نہیں!" ہارون مسکرائے

"پھر؟"

"مگر اب بات دوسری ہے نا!"

"ہاں، یقیناً بات دوسری ہے اور مجھے خود بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اب آنسوؤں کو روکنا میرے اختیار سے باہر ہو۔"

ہارون چپ چاپ اس کی طرف دیکھتے رہے پھر بات بدلتے ہوئے بولے:

"آج تم مسلسل بدتمیزی کا مظاہرہ کر رہی ہو شبو!"

"کیوں یہ شکایت کیوں ہوئی آپ کو؟"

"تم برابر ایک سلام نہیں کیا اور منیر دو چلے انہیں پلائی۔"

"مجھے بالکل خیال نہیں رہا۔"

"ہاں۔ اپنے شوہر سے فرصت ملے تو؟" ہارون مسکرائے۔ شبنم بھی دیر سے مسکرادی اور باہر چلی گئی۔

چائے پی کر ہارون جانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔

"اچھا سوہن نگر کی رانی، اب ہم چلتے ہیں۔"

"اچھا ــــ؟"

"تم کب آؤگی؟"

"پرسوں!"

"اچھا خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

ہارون امّی کے کمرے کی طرف چلے گئے۔ کچھ دیر بعد اسکوٹر اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ شبنم نے دریچے میں کھڑے ہو کر دیکھا اور آہستہ سے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا۔ ہارون آہستہ سے گردن کو خم دے کر مسکرائے اور باہر نکل گئے۔

پھر تیسرے روز فاروق بھائی آگر اسے گھر لے گئے۔ ہارون کہیں گئے ہوئے تھے۔ شبنم ننھے ضیا کو کھلاتی رہی اور یاسمین بھابی خالہ امّی سے باتیں کرتی رہی۔ اس نے

بہت کوشش کی کہ دل کی اداسی کو چہرے سے ظاہر نہ ہونے دے مگر آنکھیں تھیں کہ دل کا ہر راز افشار کئے دیتی تھیں۔ خالہ امی اور یاسمین بھابی اس کی دلی کیفیات کو سمجھ رہی تھیں مگر وہ بھی کیا کر سکتی تھیں ـــــ اور تب شبو ضیاء کو سلا کر ہارون کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ ان کے بستر کے سرہانے ایک میگزین پڑا تھا۔ وہ اٹھا کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ کچھ دیر یونہی ورق الٹتی رہی۔ پڑھنے کی کوشش کی لیکن بالکل دل نہ لگا۔ وہ اداس سی ہو کر باہر نکل آئی۔ اسی وقت ہارون آ گئے۔ اسے دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر بڑی آسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کب آئیں تم؟" وہ اس کے قریب رک کر بولے۔

"کافی دیر ہو گئی!"

"کس کے ساتھ آئیں؟"

"فاروق بھائی کے ساتھ۔"

"فاروق بھائی گئے تھے؟"

"ہاں!"

"رہو گی نا؟"

"ہاں!"

"کتنے روز؟"

"جتنے روز کے لئے آپ کہیں!"

"بڑی مہربانی۔" ہارون مسکرائے اور اس کو ساتھ لے کر امّی کے کمرے میں آ گئے۔ خالہ امّی تو اب ہر وقت انہیں بڑی اُداس نظروں سے دیکھتی تھیں۔ اس وقت بھی ہارون اندر آئے تو انہوں نے بڑی افسردہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ ہارون ان کے قریب بیٹھ گئے۔

"میرے جانے کے بعد آپ شبّو کو یہیں رکھ لیں امّی!" وہ مسکرا کر بولے

"میرا بس چلے تو اسے ایک منٹ کے لئے اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دوں"

"بس کیوں نہ چلے گا امّی، آپ کی اپنی چیز ہے"

"تم اگر میری بات مان لیتے تو۔۔۔۔۔۔"

"آپ کی بات بھی مان لیں گے امّی تھوڑا عرصہ انتظار کر لیجیے۔" وہ شبّو کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

مغرب کی اذان ہونے لگی تھی۔ شبّو اٹھ کر وضو کرنے چلی گئی۔

اور پھر ــــــ رات آ گئی۔ کھانا کھانے کے بعد کافی دیر تک شبّو ہارون، فاروق بھائی اور بھابی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تاش کھیلتی رہی۔ ہر دفعہ وہ اور ہارون بازی ہارتے رہے۔ بیڈ روم سے ضیاء کے رونے کی آواز آئی تو بھابی کھیل چھوڑ کر چلی گئیں۔ فاروق بھائی بھی چلے گئے۔ شبنم ریکارڈ لگا کر سننے لگی۔ اس نے اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن دل تھا کہ ہر لمحہ اداس ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ریکارڈ سیٹ کر دیئے۔ کچھ دیر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے بیٹھی رہی۔ بڑی عجیب عجیب

سی باتیں۔ دریچے سے باہر آہٹ سی ہوئی تو وہ اٹھ کر باہر آگئی۔ نظریں ہارون کے کمرے کی طرف اٹھ گئیں۔ ہارون دریچے میں کھڑے سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انگلیوں میں جلتا ہوا سگریٹ دبا تھا۔ شبنم نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور آہستہ قدموں سے ان کے کمرے میں چلی آئی۔ ہارون اسی طرح کھڑے رہے۔

"آپ سوئے نہیں؟" وہ ان کے قریب آ کر بولی۔

ہارون نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔

"سونے کی کوشش تو کی تھی۔" چند لمحوں بعد انہوں نے کہا اور سگریٹ پھینک کر آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"شبنم!" ان کی آواز مدھم تھی۔

"جی!"

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میری زندگی میں یہ لمحات بھی آئیں گے۔"

"میں نے بھی نہیں سوچا تھا مگر ——"

"مگر ——؟"

"ہم انسانوں کے سوچنے یا نہ سوچنے سے زندگی کی حقیقتیں نہیں بدلا کرتیں ——" شبنم کی آواز میں افسردگی تھی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو شبّو مگر ——"

شبّو نے ان کی طرف دیکھا۔

"تم اتنی اچھی باتیں مت کیا کرو! میں مرعوب ہو جاتا ہوں۔" ہارون کی مسکراہٹ سوگوار تھی۔

شبنم خاموش رہی۔

"تمہیں مجھ پر اعتماد تو ہے شبو؟"

شبنم نے ایک لمحے کے لئے ان کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولی

"شاید آپ کو یاد ہو، میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ مجھے آپ کے اوپر اپنے سے بھی زیادہ اعتماد ہے۔"

"ہوں!"

"میں آج بھی اپنے ان الفاظ پر قائم ہوں۔"

"شبو!" ہارون نے بڑی چاہت سے اس کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا۔ اور پھر جیسے لمحات رک گئے، وقت ٹھہر گیا ——— جمود طاری ہو گیا ——— دھڑکنیں رک گئیں۔ چاروں اور ایک عجیب بے خودی کا عالم تھا، ایک انوکھی سی سرشاری کا عالم تھا لیکن اس بے خودی میں ——— اس سرشاری میں غم و الم کا عنصر خوشی کے عنصر سے کہیں زیادہ تھا۔ ہارون کے انداز میں اتنا والہانہ پن تھا کہ شبنم کی پلکیں بھیگ گئیں ——— ستارے چمکے ——— جھلملائے ——— اور ——— ٹوٹ کر ہارون نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ جو آنکھیں کبھی اشکبار نہ ہوئی تھیں۔ آج وہ شبنم فشاں تھیں۔ جن پلکوں پر کبھی دیئے نہیں جھلملائے تھے آج انہیں دیکھ کر دیوالی کی رات

کا گمان ہوتا تھا۔ چاند نے بڑی اداسی سے اپنا چہرہ بادلوں کی اوٹ میں چھپا لیا۔ ستاروں نے سوگوار ہو کر پلکیں موند لیں۔ کیلے کے جھالر دار پتے آہستہ سے سرسرا کر نوحہ کناں ہو گئے اور درختوں سے جھڑے ہوئے پتے درد سے کراہ اٹھے۔ مگر یہ محض چند لمحوں کے لئے ہوا۔ شبنم کو احساس ہوا کہ وہ کیا کر رہی ہے؟ یہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ یہ بات تو اس کی عادت کے خلاف ہے۔ اس نے آہستہ سے چمکتے ہوئے ستاروں کو اپنے آنچل میں چھپا لیا۔ ہارون نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ان آنسوؤں کو بہہ جانے دو شبنم۔ آنسوؤں کو پی لینا صحت کے لئے مضر ہے ——"

شبنم خاموش رہی۔

"آج اتنا رو لو کہ میرے جانے کے بعد دنیا کا کوئی غم کوئی دکھ تمہیں آنسو بہانے پہ مجبور نہ کر سکے۔"

شبنم نے ہارون کی طرف دیکھا۔ نگاہوں کا تصادم ہوا اور پھر جیسے —— دل کی دنیا میں طوفان آ گیا۔ ہارون کی نگاہوں میں اس سے جانے کیا بات تھی کہ شبنم کے لئے ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔ آنکھیں جو کبھی ساحل ہوا کرتی تھیں آج سمندر بن گئیں۔ ابر باراں امنڈ آئے، پلکوں پہ جھکے اور برستے رہے۔ وہ ہارون کے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے روتی رہی اور ہارون کی ہتھیلیاں اس کے گرم گرم آنسوؤں سے بھیگتی رہیں

اور ـــــ باس روز ـــــ ہارون رخصت ہو رہے تھے۔ گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ خالہ امی رو رو کے بے حال ہوئی جا رہی تھیں، امی، یاسمین بھابی، انجم اسما، باجی کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ہر دل اداس تھا۔ سوگوار تھا۔ اور شبنم بظاہر بہت پرسکون تھی۔ بڑی خاموشی سے کاموں میں یاسمین بھابی کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ ہارون پریشان تھے کہ کس کس کو سمجھائیں۔

ائیرپورٹ جانے کا وقت آیا تو ہارون نے سوچا وہ شبنم سے تو مل لیں ـــــ ائیرپورٹ پر موقع شاید نہ ملے۔ انہوں نے اتنے لوگوں میں اسے دیکھا مگر معلوم نہیں وہ کہاں تھی۔ انہوں نے یاسمین بھابی سے پوچھا۔

"ضیاء کے پاس چھوڑ آئی تھی ہیں۔" یاسمین بھابی نے کہا۔ اور وہ یاسمین بھابی

کے کمرے میں آ گئے۔ ضیاء سو رہا تھا۔ شبنم دریچے کے قریب چپ چاپ کھڑی تھی۔

"شبو یہاں کیا کر رہی ہو تم؟"

"کچھ نہیں!" شبنم زبردستی مسکرا دی۔

"اب نہیں رونا۔" ہارون نے اس کا سر تھپتھپایا۔

"اچھا۔"

"اور میرے بعد یہاں اکثر آتی رہا کرنا۔"

"اچھا ——!"

"امّی کا خیال رکھنا۔"

شبنم نے سر ہلا دیا۔

"خط لکھوں گا جواب تو دو گی نا!"

"جی!"

"ایک بات کہوں؟"

"ہاں ——!"

"اسماء کی شادی انشاء اللہ ہو ہی جائے گی کچھ عرصے بعد۔"

"انشاء اللہ!"

"پھر میں تمہیں درمیان میں آ کر لے جاؤں گا۔"

شبنم خاموش رہی۔

"کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"جیسی آپ کی مرضی!"

"اب اُداس مت ہونا۔ تم بڑی بہادر لڑکی ہو۔"

شبنم سر جھکائے کھڑی رہی۔

"اب ٹھاٹھ سے خلیل جبران، ارسطو، آدم اسمتھ، سقراط اور افلاطون کو پڑھتی رہنا۔" ہارون نے مسکرا کر کہا۔

شبنم بھی مسکرا دی۔

"اچھا ۔۔۔ اب میں جاؤں ؟"

"خدا حافظ!" شبنم نے آہستہ سے کہا اور پلکیں جھپکا کر آنسوؤں کو پی لیا۔ ہارون نے چند لمحوں کے لیے اس کا ہاتھ تھاما اور پھر چھوڑ دیا۔ آہستہ سے خدا حافظ کہا اور بوجھل قدموں سے باہر نکل گئے۔ شبنم کی پلکیں بھیگ گئیں۔ پلکوں پر چراغ جلے اور پھسل کر رخساروں پر آ گئے۔ اس نے آنچل کو ہاتھ میں تھاما اور ان چراغوں کو چھپا لیا۔

ایئرپورٹ پر بہت رش تھا۔ سب سے مل کر ہارون اس کے پاس آئے۔ چند لمحوں کے لئے اپنی متاعِ حیات کو دیکھا اور خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ پھر ۔۔۔ کچھ دیر بعد ہارون جہاز کی سیڑھیوں پر نظر آئے۔ اندر جانے سے پہلے انہوں نے ایک دفعہ ہاتھ ہلایا۔ گیلری میں کھڑے ہوئے بے شمار لوگوں نے اپنے اپنے ہاتھ اور رومال لہرائے۔ اور ہارون اندر چلے گئے۔ خالہ امی بری طرح رو رہی تھیں۔ ریحان بھیا انہیں تسلی

رہتے تھے۔

"فکر کی کیا بات ہے خالہ امی! چار سال پلک جھپکنے میں بیت جائیں گے۔ پھر آپ کو تو یوں بھی پریشان نہیں ہونا چاہیئے، فاروق تو آئے دن فلائیٹ لے کر لندن جاتے رہتے ہیں۔"

فاروق بھائی آج بھی فلائیٹ لے کر لندن جا رہے تھے۔ اس لئے ہارون کا دل نسبتاً کم اداس تھا۔ تمام راستے بھائی کا ساتھ رہے گا۔ انہوں نے سوچ کر اطمینان کا سانس لیا۔ اور اپنی نشست سے پشت ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔

اور اس روز شبنم یونیورسٹی سے واپس آئی تو اس کے نام ہارون کا خط آیا ہوا تھا۔ چند لمحے وہ خط ہاتھ میں تھامے سوچتی رہی۔ پھر کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ ہارون نے بہت اچھا خط لکھا تھا:

سوچ نگر کی رانی!!!

میرے دل میں تمہاری قدر و قیمت تو ہمیشہ سے تھی۔ لیکن تم سے دور رہ کر اس جذبے نے شدت اختیار کر لی ہے مجھے نہیں معلوم میرے چلے جانے کے بعد تمہاری سوچوں کے انداز کیا ہوں گے۔ اس کا تو یقین ہے کہ تم میرے بارے میں ضروری سوچتی ہو گی۔ یہ خیال ضرور آتا ہے کہ آیا تم میرے بارے میں زیادہ سوچتی ہو گی یا پھر ان فلسفیوں کے بارے میں

جن کے افکار و خیالات تمہارے ذہن اور دماغ کی گہرائیوں میں رچا بس گئے ہیں۔ ایسے موقع پر مجھے ارسطوؔ، افلاطون سقراط، خلیل جبران، آدم اسمتھ، ہیگل اور نٹشے سے جلن محسوس ہوتی ہے اور میں اپنے مرحوم رقیبوں کے لئے یقیناً اچھے کلمات زبان سے نہیں نکالتا۔ اور ان کے مقابلے میں شدید احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہوں۔ کاش میں بھی اپنے ان مرحوم رقیبوں کی طرح قابل ہو سکتا۔

تمہارے مباحثوں کا کیا حال ہے؟ نئے سیشن میں "جنابِ صدر" کو مخاطب کرنے کا موقع آیا یا نہیں — ؟ کوئی نیا کپ؟ کوئی نئی ٹرافی؟ کوئی نیا شیلڈ؟ — گھر کا ماحول کیسا ہے۔ جو باتیں گھر کا دستور بن چکی ہیں ان کا اثر لینا چھوڑ دو۔ خوش رہا کرو — با اپنی صحت کا خیال رکھو۔"

"ہارون"

خط پڑھتے ہوئے شبنم کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ کھیلتی رہی۔ اور ہارون کی پرکشش شبیہ نگاہوں کے سامنے گھومتی رہی۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ تھرڈ ایئر آرٹس میں آنے کے بعد شبنم کی مصروفیات اور بڑھ گئی تھیں۔ فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر آرٹس میں تو اس کے نمبر کم آئے تھے۔

اس نے سوچا کہ اس سال کم از کم تو اتنی محنت کروں کہ اچھی ڈویژن آجائے۔ مگر یہ صرف اس کا اپنا خیال تھا کیونکہ وہ محنت تو ہمیشہ ہی کرتی تھی لیکن گھر میں ہونے والے نت نئے جھگڑے ہی اس کے دماغ کو الجھا کر رکھ دیتے تھے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب گھر میں خواہ کچھ ہی ہوتا ہے وہ اسے اپنے ذہن پر بوجھ نہیں بننے دے گی۔ یہی سب سوچ کر اس نے خود کو کتابوں کی دنیا میں گم کر لیا لیکن وہ جو ایک تصور ذہن و دل کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا اکثر پڑھتے ہوئے، لکھتے ہوتے اسے ڈسٹرب کرتا رہتا تھا۔ کارلائل (CARLYLE) رسکن (RUSKIN) پروفیسر ایل رابنسن (Prof. L. ROBINSON) اور آدم اسمتھ (ADAM SMITH) کو پڑھتے ہوتے الفاظ نظروں کے سامنے دھندلا جاتے اور ان دھندلکوں سے جھانکتا ہوا ایک مانوس سا چہرہ نظر آتا۔ سیلگمین (SELIGMAN) کا نظریہ قانون تقلیل حاصل (LAW OF DIMINISHING RETURNS) ذہن سے نکل جاتا۔ افادہ مختتم (MARGINAL UTILITY) اور قانون تقلیل افادہ (LAW OF DIMINISHING UTILITY) باوجود کوشش کے یاد نہ آتے اور نہ ہی ڈاکٹر مولٹن، پروفیسر نکلے اور لرنر کی کتابوں کے نام ذہن میں آتے۔ وہ اپنے دل و دماغ کو نارمل کرنے کے لئے کبھی جذبی کی "فروزاں"، انشائیتی، کبھی "سر شام" کے اوراق الٹنے لگتی۔ اور کبھی اختر الایمان کی "یادیں" گے اشعار گنگنانے لگتی۔ مگر "نیند سے پہلے" "دور کی آواز" "ویرانے" "بجھی ہوئی آگ" "زمستاں کی شام" "ساحل" "آزار" اور "ہزار رنگاہیں" پڑھتے ہوئے ایک ہی تصور ہوتا تھا اور ایک ہی خیال! اور وہ پلکیں جھپکا کر

سوچتی کیا ہر شخص کی زندگی میں ایسے لمحات آگئے ہیں؟ جانے کدھر سے مدھم سی سرگوشیاں ابھرتیں "ہاں۔ ہاں!!"

آتی ہوئی رُتوں کے خاموش کارواں اور پل پل بیتتے لمحوں کے مسافر اجنبی سمتوں سے آتی ہوئی آوارہ ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر آگے بڑھ گئے۔ جانے کہاں گئے؟! وقت آیا اور تیزی سے گزر گیا۔ یونیورسٹی میں الیکشن کے ہنگامے ہوئے۔ افتتاحی تقاریب ہوئیں۔ مباحثے اور مختلف فنکشنز ہوئے۔ شبنو کے انعامات میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ ہارون کے کہنے کے مطابق جناب صدر کو مخاطب کرنے کا موقع بہت دفعہ آیا۔ نہ صرف کراچی میں بلکہ کراچی سے باہر لاہور، ملتان، پنڈی اور کوئٹہ میں بھی۔ نیا گولڈ میڈل، نئی ٹرافی نئے کپ سبھی کچھ ملا اور زندگی کے لمحات وقت کے خاموش اور گہرے سمندروں میں گم ہوتے رہے —— !

تھرڈ ایئر آنرز میں آنے کے بعد شبنو کی کلاسیں ایم۔ اے پریویس کے ساتھ ہونے لگی تھیں۔ کلاس میں اتنے سارے لڑکے اور لڑکیاں ہوتے تھے کہ بعض اوقات اسے بڑی وحشت سی ہوتی تھی۔ پریویس کے چند لڑکے غیر مہذب تھے۔ اکثر لڑکے صرف شریر تھے اور باقی سب ٹھیک تھے۔ سنجیدہ اور بااخلاق!! مباحثوں میں حصہ لینے کی وجہ سے شبنم کو یونیورسٹی کے بے شمار لوگ جانتے تھے۔ اسے بلا ضرورت لڑکیوں سے بات کرنا بالکل پسند نہیں تھا۔ لیکن اپنی ساتھی لڑکیوں کی وجہ سے اکثر اوقات اسے بھی لڑکوں میں گھر جانا پڑتا تھا۔ وہ سخت جھنجھلاتی۔ بعد میں اپنی سہیلیوں پر ناراض ہوتی اور ان کا

ساتھ چھوڑ دینے کی دھمکی دیتی لیکن سب کچھ بے سود ثابت ہوتا۔ اور پھر —— یوں ہوا کہ اکثر لڑکے اس کی سہیلیوں کی عدم موجودگی میں بھی اس سے بات کرنے کے مواقع تلاش کرنے لگے۔ جہاں موقع ملتا جم کر کھڑے ہو جاتے۔ ان سے رُوڈلی بی ہیو (Rudly Behave) کرتے ہوئے بھی بُرا معلوم ہوتا تھا۔ موقع ملتے ہی جان چھڑا کر وہ بھاگ کھڑی ہوتی۔ ہاں ایسے لڑکے جو علمی، ادبی، سیاسی موضوعات پر سنجیدگی سے بات کرتے تھے ان سے ملنے اور باتیں کرنے میں اسے کوئی عار نہیں تھا لیکن وہ لڑکے جو محض وقت گزاری کے لئے اور دوسروں کو یہ جتانے کے لئے لڑکیوں سے باتیں کرتے تھے کہ دیکھو ہمیں بھی لڑکیاں لفٹ دیتی ہیں ان سے تو ایک منٹ کے لئے بھی بات کرنے کو اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ اس قسم کے لڑکوں سے تو اسے نفرت کرنے کی حد تک چڑ تھی۔ اتنے عرصے میں اس کی باریک بین نظریں ہر قسم کے لڑکوں کو جانچ چکی تھیں۔ وہ تو صورت دیکھ کر اور محض چند منٹ باتیں کر کے اندازہ لگا سکتی تھی کہ کس لڑکے کی فطرت کیسی ہے۔ اور اس کے اندازے کبھی غلط بھی ثابت نہیں ہوتے تھے۔ اپنی سہیلیوں کو بھی وہ اکثر سمجھاتی رہتی تھی۔ انہیں ماحول کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتی رہتی تھی۔ مگر ہر شخص اپنی مرضی کا مختار ہوتا ہے۔ تزئین اور کلثوم نے یونیورسٹی کے ماحول سے بہت اثر لیا تھا۔ ان کے کپڑوں، ان کے ہیئر اسٹائلز، بات کرنے اور چلنے پھرنے کے انداز میں کالج کی نسبت بہت فرق آگیا تھا۔ یونیورسٹی کی بیشتر لڑکیوں کی طرح ان کا رومانس بھی بڑے زوروں پر تھا۔ نہ پروکٹوریل ڈیپارٹمنٹ

کی پابندیوں کا کچھ خیال تھا اور نہ ہی ماں باپ کی نصیحتوں کا کچھ خیال تھا لیکن شبنم کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ جو سادگی اس میں پہلے تھی وہی اب بھی تھی۔ وہ تو اپنی سی پوری کوشش کرتی تھی کہ یونیورسٹی میں سادہ سے سادہ لباس پہن کر جائے۔

اس کے آنرز کے کلاس فیلوز میں سے نائیجیریا، مصر اور شرق اردن کے لڑکے اس سے بات کرنے کے بہت متمنی رہتے تھے۔ نائیجیریا کا لڑکا ابا عبداللہ ہمیشہ اپنے قومی لباس میں یونیورسٹی آتا تھا۔ مصری لڑکا کمال پاشا اور شرق اردن کا یوسف حسین اسے اکثر ینگ لیڈی (YOUNG LADY) کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ یہ تینوں لڑکے اس کی ذہانت، فراست اور قابلیت کو سراہتے تھے۔ کمال پاشا کو یہ بات معلوم تھی کہ شبنم کو کتابیں پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ وہ اکثر اسے بڑی اچھی اچھی کتابیں لاکر دیتا تھا۔ اور اسے عربی زبان سیکھنے کا مشورہ دیتا تھا۔ ابا عبداللہ کو اس کا نام بہت پسند تھا اور ایک بار اس نے پوچھا تھا کہ اس کا نام "شبنم" کیوں رکھا گیا اور جب شبنم نے اسے اس کا پس منظر بتایا تو وہ بہت محظوظ ہوا۔ لیکن وہ اسے مس شبنم کے بجائے ہمیشہ مس ڈیو (MISS DEW) کہتا تھا۔

تینوں لڑکے بہت مہذب اور با اخلاق تھے۔ شبنم کو ان کے دور دراز وطن کے بارے میں بہت سی باتیں جاننے کا بے حد شوق تھا۔ وہ کبھی کبھی فرصت کے اوقات میں ان سے ان کے دیس کے لوگوں کا رہن سہن، ان کے عادات و اطوار، وہاں کی چیزوں، ماحول اور موسم کے بارے میں پوچھتی تھی۔ کمال پاشا سے اس نے پوچھا کہ دریائے نیل کے

کنارے ڈوبتی ہوئی شاموں، ڈھلتی ہوئی راتوں، طلوع ہوتی ہوئی صبحوں اور سنسان دوپہروں کے نظارے کیسے ہوتے ہیں۔ کیا کراچی کی موسم سرما کی دھند میں ڈوبی ہوئی شامیں مصر کی شاموں سے زیادہ حسین ہیں؛ اور کیا نیلگوں چاندنی کے غبار میں لپٹے ہوئے اہرام رات کی مدھم سی تاریکیوں میں حسین نظر آتے ہیں یا پُراسرار؟

کمال پاشا اس کی یہ باتیں سُنکر بے تحاشا ہنستا تھا۔ جب اس کی ہنسی ختم ہوئی تو اس نے بڑی تفصیل سے شبنم کو ان باتوں کے جواب دیئے اور اس رات تھامس مالتھس (THOMAS MALTHUS) کے نظریۂ آبادی (Theory of Population) کو پڑھتے ہوئے اسے ایک دم ہی کمال پاشا کے دیس مصر کا خیال آگیا۔ مصر۔۔ جہاں کبھی خلفائے راشدین، بنو امیہ اور بنو عباس نے حکمرانی کی تھی، جہاں کبھی عمرو بن العاص اور ان کے ساتھیوں نے خیمے گاڑے تھے۔ شاید آج بھی قاہرہ اور اسکندریہ میں بنو امیہ اور بنو عباس کے معماروں کی بنائی ہوئی عمارتوں کے کھنڈر اسی دور کے جاہ و جلال کی عظمتِ رفتہ کی داستانیں سناتے ہوں گے۔ مصر جو کبھی فراعین کے ظلم و ستم اور جور و تشدد کا گہوارہ تھا۔ شاید آج بھی ان ظالم فراعین کی روحیں اہرام کے پر ہول سناٹوں میں بھٹکتی ہوں گی، پتھروں سے سر ٹکراتی ہوں گی اور اپنے وحشتناک ظلم و بربریت کے افسانۂ پارینہ کو یاد کر کے بے چین نگاہوں سے نیل کے دھندلے ساحلوں کو تکتی ہوں گی، دریاؤں، پتھروں، چٹانوں اور عمارتوں سے دور بہت دور، بلندیوں پر۔۔ آسمان کی بیکراں اور پر سکون وسعتوں پر ابر نیلی اور ابر طبقی کی مانند بیکل بیکل ادھر سے ادھر بھٹکتی ہوں گی

چمکتے ہوئے چاند کا چہرہ ماند پڑ جاتا ہوگا۔ ستارے دکھ سے اپنی پلکیں موند لیتے ہوں گے۔ نیل کے ساحلوں پر، اس کے پانیوں پر برستا ہوا چاندنی کا رو پہلا غبار افسردہ ہو جاتا ہوگا۔ اہرام کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے بادلوں کے آوارہ ٹکڑے بڑی تیزی سے گزر جاتے ہوں گے۔ فضاؤں میں سسکیاں بلند ہوتی ہوں گی۔ اہرام کے ویرانوں میں ہواؤں کی پراسرار سرسراہٹیں تیز ہو جاتی ہوں گی۔ کونوں میں چھپی ہوئی چمگادڑیں اپنے پروں کو پھڑپھڑا کر اہرام کے خاموش سناٹوں کا سینہ چیر دیتی ہوں گی۔ اور ——— چاروں اور الملاک سے نوحوں کی مدھم مدھم نوائیں گونجنے لگتی ہوں گی۔ کاش! زندگی میں ایک بار، صرف ایک بار اہراموں کے اس دیس اس سرزمین کو دیکھنے کا موقع مل سکتا۔ ابوسمبل، ابوالہول ——— یا کیا میری آنکھیں تمہیں کبھی نہ دیکھ سکیں گی؟! اس نے دل میں کہا اور اسے مینا، جالندھری کی نظم ابوالہول کا خیال آگیا۔ اس نے ذہن پر زور دیا تو نظم کے الفاظ یاد آگئے ؎

جہانِ ریگ کے خوابِ گراں سے آج تو جاگ
ہزاروں قافلے آتے رہے، گزرتے رہے
کوئی جگا نہ سکا تجھ کو، تجھ سے کون کہے
وہ زیست موت ہے جس میں کوئی لگن ہو نہ لاگ
یہ تیری تیرہ شبی جگنوؤں کے ناز سہے
یونہی سلگتی رہے تیرے دل میں زیست کی آگ

اس نے ابوالہول کے الفاظ دل میں دہراتے ہوئے زیرِ لب کہا، یہ سچ ہے بالکل سچ - اے ابوالہول، اے ابوسمبل! زمانہ بیت گیا۔ بے شمار حادثات آئے اور بے شمار انقلابات نے زمانے کا رنگ بدلا۔ بے رحم وقت نے دنیا سے بہت کچھ چھینا اور دنیا کو بہت کچھ دیا لیکن ---- لیکن تمہارے سکون کو وقت کے ظالم ہاتھ چھو بھی نہ سکے۔ یہ تو سچ ہے ابوسمبل، ابوالہول کہ شاید تم جاوداں ہو، مگر ایسی زندگی سے فائدہ؟ جو موت سے بھی بدتر ہو؟

اور پھر ---- ایک دم وہ چونک پڑی - اس کے تصورات، اس کے تخیلات اور اس کی سوچیں اسے کہاں سے کہاں لے گئی تھیں۔ تم ایسی باتیں کیوں سوچتی ہو شبنم جن کا نہ کوئی حاصل ہے نہ حصول! اس نے اپنے آپ سے کہا اور میز کے سامنے بیٹھی ہوئی انجم کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی تندہی سے نوٹس بنانے میں مشغول تھی۔ شبنم نے کتاب کھول کر فاضل آبادی کے متعلق ڈالٹن (DALTON) کا فارمولا پڑھنے کی کوشش کی لیکن ذہن میں کچھ بھی نہ آسکا۔ مجبوراً اس نے وہ کتاب بند کر کے رکھ دی اور پھر (K. BOULDING) کی (ECONOMIC ANALYSIS) کھول کر بیٹھ گئی۔

دوسرے روز یونیورسٹی میں جب اس نے کمال پاشا کو بتایا کہ رات کو وہ اس کے دیس مصر کے بارے میں بہت دیر تک سوچتی رہی اور نتیجے کے طور پر وہ رات کو ایک لفظ نہیں پڑھ سکی ہے تو کمال پاشا بہت ہنسا اور اپنی جیب سے ایک خط نکال کر دکھاتے ہوئے بولا۔

"کل میری چھوٹی بہن صوفیہ کا خط آیا ہے۔ تمہیں سلام کہتی ہے۔"

"میری طرف سے بھی اسے سلام لکھیں۔" شبنم نے دھیرے سے مسکرا کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہ خط عربی میں ہے ورنہ میں تمہیں ضرور پڑھاتا۔" کمال پاشا نے کہا۔

"کوئی بات نہیں!" شبنم نے کہا اور کلاس روم کی طرف بڑھ گئی۔

ان دنوں اسماء باجی کے لئے دو جگہ سے رشتے آئے ہوئے تھے۔ بڑے زور شور سے بات چیت چل رہی تھی۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ ایک رشتہ حیدر آبادی لڑکے کا تھا اور ایک ہندوستانی لڑکے کا۔ لیکن ان لوگوں کے مطالبات اور فرمائشوں کی فہرست اتنی طویل تھی کہ بات بننا مشکل ہی نظر آتا تھا ــ امی بے چاری بے حد پریشان تھیں۔ ان کا بلڈ پریشر اور بڑھ گیا تھا۔ اسماء باجی بڑی خاموش خاموش سی گھر کے کاموں میں لگی رہتی تھی۔ گھر کا ماحول کچھ عجیب سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اور اس رات "میرے بھی صنم خانے" کے اوراق الٹتے ہوئے شبو کی سوچوں کے دھارے مشرقی رسوم و روایات کی سمت مڑ گئے۔ اس نے سوچا،

"یہ کیسے رواج ہیں؟ یہ کیسی رسوم ہیں؟ یہ کیسا دستور ہے؟ اور یہ کیسا قانون ہے؟ اتنے عرصے تک لڑکیوں کو پالو پوسو، انہیں پڑھا لکھا کر بڑا کرو۔ اور پھر انہیں دوسروں کے حوالے کر دو۔ جنم دن سے جشنِ شادی کے لمحات تک کے ساتھی کوئی اور ہوتے ہیں اور جشنِ شادی کے لمحات سے ساعتِ مرگ تک کا ساتھی کوئی دوسرا ہی

انسان ——— یہ زندگی کے طویل سفر کے بدلتے ہوتے ساتھی۔ شادی کی رسم بھی کیا رسم ہے، جو کل تک اجنبی تھا آج کے دن (شادی کے دن) اسے اپنا کہنے کے لئے دل مجبور رہے۔ زبان مجبور رہے، اسے اپنا سمجھنے کے لئے ذہن مجبور رہے اور دماغ بھی مجبور رہے۔ اور وہ لوگ ——— جنہوں نے عہدِ طفلی سے عہدِ شباب کے آغاز تک لڑکیوں کو اپنا سمجھا تھا اور اپنا کہا تھا انہیں دوسروں کا سمجھنے، انہیں دوسروں کو دے دینے پہ مجبور رہیں ——— اور پھر ——— ظلم و ستم کی انتہا تو یہ ہے کہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو دو تو دو ان کے ساتھ اپنی کمائی کا، اپنی جمع پونجی کا ایک انبار بھی ساتھ میں باندھ کر بھیجو۔ ذرا سی کمی ——— ذرا سی کسر رہ گئی تو بے چاری لڑکی کے لئے زندگی بھر کے طعنے ہیں۔ تربیت میں ذرا سی چوک ہو جائے تو زندگی اجیرن۔ پھر نئے زمانے کی نئی باتیں ہیں۔ نئے تقاضے ہیں۔ لڑکے والوں کی طرف سے کار کا تقاضا بھی ہے سونے کی گھڑی کا تقاضا بھی ہو رہا ہے۔ صاحبزادے کو بیرونی ممالک بھیجنے کی شرط بھی عائد کی جا رہی ہے۔ اگر صاحبزادے خیر سے نیک اور شریف تو ہیں لیکن برسرِ روزگار نہیں ہیں تو ان کو کہیں اچھی سی ملازمت دلوا دینا بھی بے چاری لڑکی کے باپ کی نہ صرف ذمہ داری ہے بالکل فرضِ اولیں ہے۔

اُف یہ جہیز کی فرسودہ رسم ——— باشبو نے بے حد دکھ سے سوچا۔ کتنے ہی غریب ماں باپ اس فکر میں زندہ درگور ہو جاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں ——— جو اپنی بیٹیوں کے سہرا کے پھول کھلنے کی حسرتوں اور آرزوؤں کو اپنے سینے میں دبائے اپنی آخری

آرام گاہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ آرام گاہوں کے ساتھ تو فوراً ہی سکون کا تصور ذہن میں آتا ہے لیکن حسرتوں اور آرزوؤں کی لاشوں کا ماتم کرتے ہوئے لوگوں کے لیے آرامگاہوں میں بھی سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

اس ایک فرسودہ رسم کی قربان گاہ پر مشرق کی کتنی ہی معصوم کنواریوں کی جوانیاں بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ قربان گاہ کے ہر طرف خون ہی خون پھیل جاتا ہے۔ ہواؤں میں چیل کوّے اور گدھ منڈلاتے ہیں۔ فضا وحشتناک ہو جاتی ہے لیکن رسم جہیز کسی ظالم و جابر دیوتا کی طرح قہر و جبروت کا مجسمہ بنی سب کچھ دیکھتی ہے۔ پروہت نئی قربانیوں اور نئی بھینٹ کے تقاضے کرتے ہیں اور قربان گاہ کے چاروں اور وحشت انگیز و جنوں خیز قہقہے گونجنے لگتے ہیں۔ دیواروں سے ٹکراتے ہیں اور فضاؤں میں ان وحشت انگیز قہقہوں کی صدائے بازگشت گونجتی رہ جاتی ہے۔ دنیا کی آنکھیں یہ سب دیکھتی ہیں زمانے کی نگاہیں ان المناک مناظر کو دیکھتی ہیں لیکن کوئی عبرت نہیں پکڑتا، کوئی کچھ نہیں کرتا۔ آنکھیں رکھتے ہوئے لوگ اندھے بن جاتے ہیں —— اور زبانیں رکھتے ہوئے گونگے بن جاتے ہیں۔

انسان ایک دوسرے کی مجبوریوں کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں لیکن مدد کرنے کی رسم اب دنیا سے شاید اٹھ گئی ہے۔ شاید رخصت ہو گئی ہے۔ اور شیخ تیغ ہو جائے تو طعن و تشنیع سے کلیجہ چھلنی کرنے کو، گرگٹ اور چھپکلی کی طرح لمبی لمبی زبانیں نکال کر الٹی سیدھی باتیں بنانے کو سب ہو جاتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے مسائل کا حل

تلاش کرنے کی زحمت کوئی نہیں کرتا۔ ہاں ۔! مسائل کو اور زیادہ اُلجھا کر پریشان کرنے کا فن دنیا والوں کو خوب آتا ہے۔ اور اس سے لطف اندوز ہونے کا ہنر اور بھی اچھی طرح سے آتا ہے۔ یہ کیسی دنیا ہے؟ اور یہ لوگ کیسے ہیں؟ شبّو نے ایک طویل سانس لی۔ تصوّرات کچھ اور آگے بڑھ گئے۔

اور اکثر اس دنیا میں، ایسا بھی ہوتا ہے شبّو رانی! کہ اس فرسودہ رسم کی وجہ سے شریف، نیک مگر غریب گھرانوں کی لڑکیاں غلط راہوں پر نکل جاتی ہیں۔ اپنے مستقبل سے بے خبر، اپنے انجام سے بے پروا ہو کر ایسی سمتوں کی طرف بڑھ جاتی ہیں جہاں ان کے لئے سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ پھر زندگی کے آخری لمحوں تک کیلئے طبلے کی تھاپ، گھنگروؤں کی جھنکار اور تعیش پسند مردوں کی ہوسناک نگاہیں ان کا مقدر بن جاتی ہیں۔ وہ مرد ۔ جن کے نزدیک صنفِ نازک کی حیثیت صرف اور صرف ایک کھلونے کی سی ہوتی ہے۔ جب دل چاہا۔ کھلونا خریدا ۔ اسے استعمال کیا ۔ کھیلے ۔ اسے توڑا ۔ چکنا چور کیا اور دوسروں کے قدموں تلے روندنے، کھیلنے کے لئے چھوڑ دیا اور زندگی کے ان لمحات میں ان لڑکیوں کے لئے بس ذلت و رسوائی کی دھکتی ہوئی آگ کے بھڑکتے ہوئے بھیانک شعلے ہوتے ہیں اور بدنامی و بے عزتی کے خوفناک ناگ اپنی لمبی لمبی سرخ زبانیں نکالے ان کی زندگی کو چاٹتے رہتے ہیں۔

اگر اس ایک رسم کو ختم کر دیا جائے تو معاشرے کے کتنے ہی مسائل حل ہو سکتے ہیں

مگر ابتداء کون کرے ؟ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مشرقی لوگوں میں تقلید کا جذبہ تو بڑی شدت کے ساتھ موجود ہے لیکن وہ صرف بُری باتوں کی تقلید کرنا جانتے ہیں، اچھی باتوں کی نہیں۔ مغربی دنیا کی بہت سی باتوں کو سراہتے ہیں، ان کی بہت سی باتوں کی تعریف کرتے ہیں، انہیں اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر شاید آج تک کسی اچھی رسم اور کسی اچھی عادت کو اپنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ شبنم کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کھیل گئی۔ اس نے چونک کر اپنے ارد گرد دیکھا اور اپنی طویل لامتناہی سوچوں سے خود ہی گھبرا گئی۔

ھارون کے خط بڑی پابندی سے آتے، اور شبنم بھی بہت پابندی سے ان کا جواب دیتی تھی۔ زندگی لمحہ بہ لمحہ، پل بہ پل گزرتی جارہی تھی اور لمحات سرک سرک کر پیچھے دھندلکوں میں گم ہوتے جارہے تھے۔ یونیورسٹی میں ایک بار پھر امتحانوں کا سیزن آیا۔ لڑکے لڑکیاں سب کچھ بھول کر کتابوں کی دنیا میں گم ہوگئے۔ امتحان شروع ہوئے، ختم ہوئے اور پھر فرصت کے لمحات کا ہجوم تھا۔ سلمان بھائی نے پچھلے بے شمار خطوں میں پاکستان آنے کے لئے لکھا تھا۔ سب بڑی بے چینی سے ان کی آمد کے منتظر تھے۔ شبنم اور انجم کے امتحان ختم ہوئے چند ہی روز ہوئے تھے تب اچانک ہی ریحان بھیا کے نام تار آیا۔ سلمان بھائی مع بیوی بچوں کے پہنچنے والے ہیں۔

یہ چھٹیاں کتنی اچھی گزریں گی! شبنم نے بڑی مسرت سے سوچا اور انجم مارے خوشی کے اس سے لپٹ گئی۔ اسماء باجی کے چہرے سے خوشی کی کرنیں پھوٹی پڑتی تھیں عمران کی شرارتوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا اور امیؒ کی صحت پہلے سے بہتر ہو گئی تھی سلمان بھائی کے متعلق سوچتے ہوئے شبو کو ذیشان بھائی کا خیال آ گیا۔ کاش! وہ بھی آ جاتے۔ مگر ذیشان بھیا تو آنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ سلمان بھائی تو بھابی اور بچوں کے ساتھ دو تین سال بعد ضرور آ جاتے تھے۔

معلوم نہیں —— ذیشان بھائی نے کیا سوچا ہے؛ شبو کی نگاہوں میں ذیشان بھیا کا پیارا سا چہرہ گھوم گیا۔

اور پھر —— طویل انتظار کے بعد وہ لمحات بھی آ پہنچے۔ جب سلمان بھائی بڑی بھابی اور بچے اپنوں کے درمیان کھڑے حیرت اور مسرت کا امتزاج چہروں پر بکھیرے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ کبھی سلمان بھائی ایک بہن کے سر پر بوسہ دیتے تھے۔ کبھی عمران کو سینے سے لگاتے تھے، کبھی ریحان سے گلے ملتے تھے۔ اور کبھی اپنی امیؒ کے گلے میں باہیں ڈال کر ان کے سر میں چمکتے ہوئے چاندی کے تاروں کو دیکھنے تھے۔ بالکل یہی حال بڑی بھابی کا تھا۔ ان کے بچے عدنان، ارسلان سمیعہ اور فریحہ کبھی اپنی چچی سے لپٹے تھے کبھی پھوپھیوں سے، کبھی چچاؤں سے اور کبھی دادی سے۔

گھر میں سامان بکھرا پڑا تھا۔ امیؒ اور اسماء باجی والا کمرہ ان کے لیے خالی

کر دیا گیا تھا۔ اسماء باجی انجم اور شبنم کے کمرے میں آ گئیں۔ نفیس اور امی عمران کے کمرے میں۔ نہا دھو کر سستانے اور آرام کرنے کا موقع ملا تو سفر کی تکان ذرا کم ہوئی۔ سلمان بھائی اور بھابی ان لوگوں کے لیے بے شمار چیزیں لائے تھے اور چیزوں کے معاملے میں تو چھوٹی بھابی خاموش ہی رہیں لیکن کپڑوں کے انتخاب کے وقت وہ اپنا بڑا پن جتاتے ہوئے کافی چالاکی دکھا گئیں۔ شبو وغیرہ کو ایسی باتوں پر ضد بحث کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا تھا انہیں جو کچھ بھی ملا بڑی خوشی سے لے لیا۔

سلمان بھائی شبو کی قابلیت پر بہت نازاں تھے اور اس سے بہت خوش! بھائی اور بھابی دونوں نے اس کے کپ اور گولڈ میڈل بڑی دلچسپی سے دیکھے اور اسے خوب شاباشی دی۔ عمران منہ بنا کر بولا:

"میرے ساتھ سراسر زیادتی ہو رہی ہے۔"

"کیسی زیادتی؟" بڑی بھابی نے پوچھا

"یہ سارے انعامات ان محترمہ کو میرے طفیل میں ملے ہیں!"

"تمہارے طفیل میں؟" سلمان بھائی نے حیرت سے پوچھا۔

"جی۔ ساری تقریریں تو ان کو میں ہی لکھ کر دیتا تھا!"

کمرے میں قہقہے گونج گئے۔

"مجھ غریب بے زباں کا کوئی ذکر نہیں۔ سارا کریڈٹ ان محترمہ کو جا رہا ہے۔"

"یہ تو واقعی زیادتی ہے بھئی شبو! تمہیں بتانا چاہیئے تھا۔" سلمان بھائی ہنسے۔

"اب جب بھی مباحثوں کا کوئی تذکرہ ہو تو لا محالہ تقریریں کی تو میں نے تھیں مگر لکھ کر عمران نے دی تھیں!" بڑی بھابی بولیں۔

"یہ تو وہی بات ہو گئی کہ دولہا تو وہ بیٹھا ہے مگر دوشالہ میرا ہے۔" ایم نے دوشالے والے لطیفے کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"ارے صاحب! نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔" عمران نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"بس تو پھر طے کر لو کہ آئندہ سے نیکی نہیں کرو گے!" اسماء باجی بولیں۔

"کیا کریں بھئی۔ آخر جنت میں جانے کا سامان بھی تو کرنا ہے۔" عمران نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"پھر تو تمہیں شکوہ کرنا ہی نہیں چاہیے!" امّی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شبو فریحہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی اور دریچے کے قریب کھڑی ہو کر اس سے باتیں کرنے لگی۔

گرمیوں کی تعطیلات کے تمام روز و شب بہت پرلطف گزرے۔ نت نئے پروگرام بنتے رہے۔ سیریں ہوتی رہیں اور وقت بیتتا رہا لیکن خوشی کے ان لمحات میں شبو کو بے شمار دفعہ اپنے رزلٹ کا خیال آیا اور وہ گہری سوچوں میں ڈوب گئی معلوم نہیں کون سی ڈویژن آئے گی! کیسے نمبر آئیں گے! پوزیشن لانے کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اگرچہ اس سال اس نے گزشتہ دو سالوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی محنت

کی تھی۔ مگر عین امتحان کے دنوں میں بھابی نے خواہ مخواہ کا ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ ایک نئی فرمائش کر دی تھی۔ ایک نیا مطالبہ کر دیا تھا۔ اور وہ مطالبہ ایسا تھا کہ ریحان بھائی اس پر عمل کرنے کی پوزیشن میں قطعی نہیں تھے۔ چھوٹی بھابی کا نیا مطالبہ یہ تھا کہ وہ اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ الگ گھر میں رہیں گی جب کہ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔ ریحان بھیا کا ضمیر اس بات کو کسی طرح بھی گوارا نہ کر سکا کہ ان کے جیتے جی ان کی ماں اور جوان بہنیں الگ رہیں۔

" اس مطالبے کو کیسے مانا جا سکتا ہے؟ زمانہ اس قدر خراب ہے کہ عورتوں اور جوان لڑکیوں کا تنہا رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ عمران تو بچہ ہی ہے۔ پھر دنیا والے کیا کہیں گے؟ ذیشان اور سلمان بھیا سنیں گے تو کیا سوچیں گے؟" انہوں نے سوچا اور بیگم کے مطالبے کو رد کر دیا۔ انہیں نرمی سے، محبت سے ہر طرح سمجھایا، زمانے کی اونچ نیچ کا حوالہ دیا مگر چھوٹی بھابی تو بھڑک ہی اٹھیں۔ گھر میں لڑائی جھگڑے ہوئے۔ اچھا خاصا ماحول خراب ہو گیا اور ان ساری باتوں کا اثر انجم اور شبنم کے امتحانوں پر پڑا۔

اپنی قسمت میں تو یہی لکھا ہے، کسی بھی امتحان کے دنوں میں سکون نصیب نہیں ہوا۔ شبنم افسردہ ہو کر سوچتی رہی

اور انہی سوچوں میں رزلٹ آ گیا۔ اس نے بڑی بددلی سے اپنا رول نمبر تلاش کیا۔ بس وہی قسمت میں لکھی ہوئی سیکنڈ ڈویژن۔ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے اخبار ایک طرف ڈال دیا۔ تھوڑی دیر میں سب کو معلوم

ہو گیا کہ شبو کی سیکنڈ ڈویژن آئی ہے۔ سب اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ شاباشی دے رہے تھے۔ مگر وہ ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ بکھیرے کھوئی کھوئی سی بیٹھی تھی۔

"ارے بھئی یہ کیا بات ہے ـــ؟ خوش ہونے کی بجائے منہ بسور رہی ہو۔" اسماء باجی نے کہا

"شبو کو یہ افسوس ہے کہ فرسٹ ڈویژن نہ آسکی۔" انجم نے کہا

"اور کیا۔ آپی تو ٹاپ کرنے کا ارادہ کئے بیٹھی تھیں۔" عمران بولا۔

"یہ لڑکی ہمیشہ کی ناشکری ہے۔" امی نے کہا۔

"دل چھوٹا نہ کرو بی بی۔ سیکنڈ ڈویژن کوئی خراب ڈویژن نہیں ہوتی۔" بڑی بھابی بولیں۔

"اور پھر تم یہ بھی تو سوچو کہ دوسری ایکٹویٹیز (Extra Activities) میں حصہ لے کر سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔" سلمان بھائی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"افسوس کرنے کی کیا بات ہے۔ تم نے تو اپنی محنت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آگے اللہ کی مرضی۔" چھوٹی بھابی نے کہا۔

تینوں بہنوں اور عمران نے سوچا، اللہ کی مرضی تو جو کچھ بھی تھی سو تھی آپ کی عنایت بھی کچھ کم نہ تھی۔

"کوئی بات نہیں ایم۔ اے میں انشاءاللہ تمہاری فرسٹ پوزیشن آئے گی۔"

ریحان بھیّا نے کہا

اور شبنم نے سوچا ـــــــ بشرطیکہ پھر امتحان کے دنوں میں کوئی ہنگامہ نہ ہو جائے۔۔!

سلمان بھائی نے شبنم کے پاس ہونے کی خوشی میں اسی روز سب کے لئے "فال آف دی رومن ایمپائر" کی بکنگ کروائی۔ بڑی بھابی نے اسے شامروز کی کامدار ساڑھی خرید کر دی۔

کچھ روز بعد اسے ہارون کا خط ملا۔ اس کی کامیابی پر ہارون نے اسے بہت سراہا تھا۔ اور زندگی کے آئندہ لمحات کے لئے اسے بہت سی نصیحتیں لکھ بھیجی تھیں۔ وہ ہارون کا خط پڑھ کر اٹھی ہی تھی کہ انجم اور عمران آگئے۔

"کیا لکھا ہے ہمارے دولہا بھائی نے؟" عمران نے شرارت سے پوچھا

"تو تم خود پڑھ لو۔" شبنم نے خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

"نہیں بھئی ہم کسی کا پرائیویٹ خط نہیں پڑھتے"

"اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے" شبنم مسکرائی۔

"ہمارے ہارون بھائی بہت سنجیدہ اور باوقار آدمی ہیں۔ انہیں فضول اور باتیں پسند نہیں۔" انجم نے کہا۔

"ارے ہم خود سنجیدہ اور باوقار آدمی ہیں۔" عمران نے اکڑ کر کہا۔

"کیا کہنے تمہاری سنجیدگی اور وقار کے۔" انجم نے کہا۔

"کیوں آپی؟ آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟" عمران نے شبنم سے پوچھا

"ہم اس سلسلے میں اپنی رائے محفوظ رکھیں گے۔"

"ضرور محفوظ رکھئے۔ چالاک لوگوں کی نشانی یہی ہے کہ وہ ہر اہم موقع پر اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں۔" عمران نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہا۔

"بہت شیطان ہو گیا ہے یہ لڑکا۔" انجم نے کہا

اور شبنم خط کو الماری میں ڈالتے ہوئے زیرِ لب مسکرا دی۔

سلمان بھائی کی چھٹیاں ختم ہونے میں بہت کم دن رہ گئے تھے۔ ہر شخص ان لمحات کا خیال کر کے ایک اذیت محسوس کر رہا تھا۔ جب سلمان بھائی مع بیوی بچوں کے اس گھر سے رخصت ہونے والے تھے۔ سیر، تفریح کے کچھ پروگرام اور بنے کچھ روز عزیز و اقارب کے ملنے میں گزر گئے۔ کچھ دعوتیں اور پارٹیاں ہوئیں اور وقت گزر گیا۔ ہنگاموں، خوشیوں، قہقہوں اور مسکراہٹوں کے لمحات بیتے تو جدائی کے پُر الم لمحات نمناک آنکھوں سے استقبال کرتے نظر آئے۔ ہر شخص یوں محسوس کر رہا تھا کہ اب جو یہ دل پر بوجھ آن گرا ہے تو شاید اس بوجھ تلے دل ٹوٹ جائے گا۔ شاید اب ضبطِ غم کا یارا نہ رہے گا۔ شاید ان لمحات کی اذیت برداشت نہ ہو سکے گی لیکن یہ سب باتیں صرف خیالات و احساسات کی حد تک ہوتی ہیں۔ وقت پڑتا ہے تو سب کچھ سہہ لیا جاتا ہے۔ اچھا اور برا ہر وقت آ کر گزر جاتا ہے۔ غم اور خوشی ہر قسم کے لمحات

اگر بیت جاتے ہیں۔ وقت کی دھول پچھلی خوشیوں کی طرح پچھلے غموں پر بھی جم جاتی ہے۔ سب کچھ دھندلکوں میں ڈوب جاتا ہے اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر اذیت اور ہر تکلیف کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر شاید دنیا والے اس دنیا میں جینے کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

سلمان بھائی رخصت ہو گئے۔ گھر میں ہر طرف افسردگی اور ویرانی کا بسیرا ہو گیا تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بالکل چپ اپنے کام میں مصروف رہتا تھا۔ کچھ وقت گزر جانے کے بعد یہ کیفیت نہ رہی۔ حالات معمول پر آ گئے۔ انجم اور شبنم نے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا اگرچہ کلاسز ابھی تک باقاعدگی سے شروع نہیں ہوئی تھیں۔

کلاسز ختم ہونے کے بعد شبنم کو جو بھی وقت ملتا وہ لائبریری میں گزارتی۔ کچھ وقت اور گزرا تو ایڈمیشن کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ کلاسز بھی باقاعدگی سے ہونے لگی تھی۔

اس روز شبنم ڈاکٹر رمی کی کلاس اٹینڈ کر کے ریڈنگ لائبریری کی طرف جا رہی تھی تب اس کے بالکل قریب ہی سے کسی نے اسے پکارا۔

"مس شبنم!"

شبنم نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اس کا شرق اردن کا کلاس فیلو یوسف حسین مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"اوہ ہیلو مسٹر یوسف!" شبنم مسکرائی۔

یوسف نئے سیشن کے بعد آج پہلی مرتبہ کلاس میں آیا تھا۔ وہ چھٹیاں گزارنے

اپنے وطن گیا ہوا تھا۔ اور کافی تاخیر سے واپس آیا تھا۔ وہ یوسف حسین کے ساتھ لینڈنگ لائبریری میں آ گئی۔ لائبریری میں اس وقت سوائے دو لڑکوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ یوسف اور شبنم لمبی میز کے ایک سرے پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ یوسف نے اسے امتحان میں کامیابی پر مبارکباد دی لیکن اسے شبنم کی سیکنڈ ڈویژن پر حیرت تھی۔ اسے تو یقین تھا کہ اس کی فرسٹ ڈویژن آئے گی کیونکہ وہ شبنم کی ذہانت سے بہت مرعوب تھا۔

"میرے پرچے بہت اچھے نہیں ہوتے تھے مسٹر یوسف!" وہ شرمندہ ہو کر بولی۔

"مگر کیوں! آپ نے تو بہت محنت کی تھی۔"

"ہوں۔" اس نے بات کو ٹال دیا۔ اس نے سوچا وہ یوسف کو کیا بتائے کہ اس کے گھر کے حالات اور اس کے گھر کا ماحول کیسا ہے۔

یوسف نے اسے چند تصویریں نکال کر دکھاتے ہوئے کہا:

"دیکھئے مس شبنم! یہ میری فیملی کی تصویریں ہیں۔"

یوسف اسے بتا رہا تھا کہ یہ میری بہنوں کی تصویر ہے۔ یہ میری والدہ اور بھائی ہیں۔ یہ والد ہیں۔ ایک بڑی پیاری سی لڑکی کی تصویر دکھاتے ہوئے وہ قدرے شرمایا۔

"یہ کون ہے مسٹر یوسف!" شبنم نے اس کی شرمیلی مسکراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میری عم زاد ہے امینہ!"

"غالباً آپ کی شادی امینہ سے ہو گی!" شبنم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"انشاء اللہ!" یوسف نے کہا۔

"بہت پیاری ہیں۔" شبنم نے تصویر کو قدرے دور رکھ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے بھی اپنے گھر والوں کو آپ کی تصویریں دکھائی تھیں۔ سب نے آپ کو پسند کیا۔"

"ہاں آپ نے تو ڈیپارٹمنٹ کے فنکشنز کی بہت سی تصویریں جمع کر لیں تھیں" شبنم مسکرائی۔

"جی!" یوسف نے بڑے زور سے ہنستے ہوئے کہا

"ہاں ایک بات اور ہے!" یوسف نے کہا۔

"وہ بھی کہہ ڈالئے!" شبنم نے تصویروں کو لفافے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میری والدہ اور والد نے بڑی سخت ہدایت کی تھی کہ میں یاد سے ان کی دعائیں آپ تک پہنچا دوں!"

"اچھا۔ آپ نے بھی اپنے گھر والوں تک میرا سلام پہنچا دیا تھا؟" شبنم نے پوچھا۔

"جی ہاں! آپ سمجھتی ہیں میں بھلکڑ ہوں۔" یوسف مسکرایا۔

"نہیں جناب — بالکل نہیں —" شبنم کو یوسف کے معصومانہ انداز پر

ہنسی آ گئی۔

"آپ کی چھٹیاں کیسی گزریں!" یوسف نے پوچھا۔

"بہت اچھی۔" شبنم نے کہا۔

"کیا آپ کہیں باہر گئی تھیں؟"

"نہیں۔ میرے بڑے بھائی جان اور ان کے بیوی بچے چھٹیوں میں پاکستان آئے ہوئے تھے۔"

"پھر تو بڑا دلچسپ وقت گزرا ہوگا۔"

"بے حد دلچسپ!"

"اور وہ آپ کے منگیتر مسٹر ہارولی کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں!"

"ان کے خط یقیناً آتے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔"

کچھ دیر وہ دونوں بالکل خاموش بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں گم رہے اس دوران میں لائبریری میں کچھ اور لڑکے اور لڑکیاں آ گئے تھے۔ چند لڑکے بڑی عجیب نظروں سے، معنی خیز انداز سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خصوصاً وہ لڑکے — جنہیں شبنم کی طرف سے کبھی لفٹ نہیں ملی تھی۔ کچھ لڑکے باہر کھڑے تھے ان کی نظریں بھی ان ہی لوگوں کی طرف تھیں۔ لیکن شبنم ایسے لوگوں کی باتوں کی

طرف کبھی دھیان نہیں دیتی تھی۔ جن کے سوچنے سمجھنے کا انداز سطحی ہو۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے اور یوسف کے اتنی دیر تک ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے پر ان سطحی لوگوں کی سوچوں کے انداز کیا ہوں گے؟ ان کے خیالات کس قسم کے ہوں گے؟ مگر وہ بڑی بے نیازی سے بیٹھی رہی۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد سیاست پر بات چل نکلی۔

"آپ کے ملک کے حالات تو دن بدن خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔" شبنم نے کہا۔

"جی ہاں!" یوسف افسردہ ہو گیا۔

"ویسے مسٹر یوسف! آپ کا کیا خیال ہے۔ عربوں اور اسرائیل کا قضیہ کبھی ختم بھی ہو سکے گا؟"

"اس سلسلے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی مس شبنم!"

"کیوں؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ دورِ حاضر میں نہ صرف عربوں اور اسرائیل کے بلکہ پوری دنیا کے سیاسی معاملات کچھ اس طرح الجھ کر رہ گئے ہیں کہ کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جا سکتی۔"

"آپ کا کہنا ٹھیک ہے مسٹر یوسف لیکن کیا آپ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے کہ کوئی بات، کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل موجود نہ ہو لیکن"

"لیکن ــــــ؟"

"لیکن یہ کہ اس دنیا میں کچھ طاقتیں ایسی ہیں جو مسائل کو سلجھانے کے بجائے الجھانے میں زیادہ دلچسپی لیتی ہیں کیونکہ ان کا مفاد اسی سے وابستہ ہے۔"

"جی ہاں - آپ کا کہنا درست ہے مس شبنم!"

"یہ بات تو طے شدہ ہے یوسف صاحب! کہ طاقت (BALANCE) کی عدم موجودگی کے باعث قطبیت POLARIZATION کی طرف مائل ہو گئی ہے اور یہی بات آج عالمی سیاست کا ایک انتہائی خطرناک رجحان بنتی جا رہی ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے قطبیت (POLARIZATION) کی جانب توازن قوت کے رجحان کا عام نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ مداخلتوں، جنگوں اور باہمی رقابتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔

پھر ایک بات یہ ہے کہ توازنِ قوت (BALANCE OF POWER) کو قائم رکھنے کی خاطر تمام بڑی طاقتیں زبردست فوجی تیاریوں اور دفاع کے دوسرے وزرائع پر بہت زیادہ توجہ دینے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں - یہ پالیسی دراصل اسلحہ کی دوڑ میں حصہ لینے کے مترادف ہے - اس سے باہمی دشمنی میں اضافہ اور خطرناک غیر یقینی حالات پیدا ہو رہے ہیں۔" شبنم نے کہا۔

"میں تو یہ سمجھتا ہوں مس شبنم! کہ اگرچہ گزشتہ دور میں توازنِ قوت کے نظریے نے قیامِ امن کے سلسلے میں بڑا موثر کردار ادا کیا ہے لیکن بیسویں صدی میں جس قسم کے

حالات ہیں ان حالات میں توازنِ قوت کی وہ اہمیت نہیں رہتی جب تک کہ ایک مرکب تعاونِ قوت (Joint Command Compound) یا کوئی اور صورت پیدا نہ ہو ایک عالمی جنگ کا خطرہ بڑھتا ہی رہے گا۔"

"جی ! جنیوا میں ۱۹۵۵ء کی اعلیٰ سطح کی کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈ (Max Ascoli) میکس اسکولی نے اس سلسلے میں بڑی اچھی بات کہی ہے" شبنم نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اس کا کہنا یہ ہے کہ آج توازنِ قوت کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ ایک طرف جمہوریت اور دوسری طرف اشتراکیت ہے۔ اس طرح دونوں میں دراصل قوت کا توازن نہیں بلکہ دہشت کا توازن قائم ہے۔ کسی بھی اعلیٰ سطح کی کانفرنس میں تخفیفِ اسلحہ، اجتماعی تحفظ (Collective Security) اور دیگر اہم مسائل پر اشتراکی اور غیر اشتراکی ملکوں کے درمیان کوئی بنیادی سمجھوتہ نہ ہو سکا تاکہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کی جنگ کے خطرات کو کم کیا جا سکے۔" شبنم نے یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

یوسف تحسین آمیز نظروں سے شبنم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ماشاء اللہ مس شبنم ! آپ کا حافظہ بہت اچھا ہے۔"

"آپ تو شرمندہ کرتے ہیں یوسف صاحب !" شبنم نے کہا اور چند سیکنڈ تک سوچنے کے بعد بولی "تو جناب یوسف صاحب۔ جب عالمی سیاست کے رجحان کا حال یہ ہے تو ایسی صورت میں واقعی کوئی مسئلہ بھی حل نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ مسئلہ

اور اسرائیل کا ہو، جنوبی اور شمالی ویت نام کا ہو، چین اور ہندوستان کا ہو یا مسئلہ کشمیر ہو۔"

"ہوں!" یوسف نے ایک طویل سانس لی۔

شبنم میز پر سے اپنی کتابیں اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"اچھا! اب اجازت دیجئے!" شبنم نے کہا۔

"ضرور!" یوسف مسکرایا اور شبنم خدا حافظ کہہ باہر نکل گئی۔

یوسف سے وہ اتنی دیر تک باتیں کرتی رہی تھی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ اس نے سوچا کچھ دیر لائبریری میں بیٹھ کر پڑھ لے لیکن اب اتنا وقت ہی نہیں تھا۔ مجبوراً وہ بس اسٹاپ کی طرف چل دی۔ بسوں میں بے پناہ رش تھا۔ بڑی مشکل سے اسے اندر گھسنے کی جگہ ملی۔ اپنی کتابیں سیٹ پر بیٹھی ہوئی ایک لڑکی پکڑا کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ گھر پہنچتے پہنچتے اسے کافی دیر ہو گئی۔

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر انجم اور اسماء باجی پر پڑی۔ دونوں بستر پہ بیٹھی سر جوڑے جانے کس کی تصویر دیکھ رہی تھیں۔

"کس کی تصویر دیکھی جا رہی ہے؟" شبنم مسکراتی ہوئی ان کے قریب آ گئی۔

"تمہارے صاحب بہادر کی۔" انجم مسکرائی۔

"ارے یہ تصویریں کہاں سے آئیں؟" شبنم نے پوچھا۔

"لندن سے آئی ہیں۔ فاروق بھائی کے ہاتھ بھجوائی ہیں ہارون بھائی نے۔"

اسماء باجی نے کہا۔

"تم تو دیکھ چکے تو اب تم دیکھ جی بھر کے۔" انجم نے مسکراتے ہوئے تصویریں اس کے ہاتھ میں پکڑا دیں۔ انجم اور اسماء باجی کمرے سے باہر چلی گئیں تو وہ تصویریں ہاتھ میں لئے دریچے کے قریب آ گئی۔ چار یا پانچ رنگین تصویریں تھیں۔ دو تصویروں میں ہارون تنہا تھے۔ باقی تین تصویریں دوستوں کے ساتھ تھیں۔

ہارون کی تصویریں بہت اچھی تھیں۔ ان کی صحت بہت شاندار ہو گئی تھی۔ شبنم کافی دیر تک ان کی تصویریں ہاتھ میں لئے ان پر نظریں جمائے کھڑی رہی۔ اس کے تخیل کی پرواز اسے جانے کہاں سے کہاں لئے جا رہی تھی۔ پلکیں جھپکاتے بنا وہ سوچتی رہی ۔۔۔ بے شمار باتیں جن کا تعلق صرف اس کی اور ہارون کی ذات سے تھا۔ پھر کمرے کے باہر آہٹ ہوئی تو وہ تصویروں کو الماری میں رکھ کر کپڑے بدلنے چلی گئی۔

اس روز نظریہ موازنہ مصارف THEORY OF COMPARATIVE COSTS پر نوٹس بناتے ہوئے اور ابا میاں کی لائبریری میں روسو کے "اعترافات" پڑھتے ہوئے اسے ہارون کا خیال آیا۔ معلوم نہیں کیا وجہ تھی آج اسے ہارون بے پناہ یاد آ رہے تھے۔ بھابی بچوں کو لے کر میکے گئی ہوئی تھیں۔ دوسرے روز کیونکہ اتوار تھا اس لئے بھابی کا اپنے میکے میں رہنا یقینی تھا۔ شبنم بھی امی سے پوچھ کر عمران کے ساتھ نانا امی

کے گھر چلی گئی۔ گھر سے تو وہ یہ سوچ کر گئی تھی کہ رات کو عمران کے ساتھ ہی واپس آجائے گی لیکن وہاں پر سب نے ہی اسے رک جانے کے لیے اتنا اصرار کیا کہ وہ مزید انکار نہ کر سکی۔ عمران معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جب کمرے میں وہ دونوں رہ گئے تو عمران نے بڑی زور کا قہقہہ لگایا۔

"کیوں بھئی خیریت ہے" شبنم مسکرائی۔

"آپی کس قدر بنتی ہیں آپ؟"

"کیا مطلب ہے؟"

"چاہے گھر سے ہی یہ ارادہ کر کے آئی ہوں کہ کوئی جھوٹے منہ بھی کہے تو جھٹ رہنے کے لیے راضی ہو جائیں گی اور یہاں اوپری دل سے منع کیے جا رہی تھیں۔"

"جی نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا"

"اب شرمائیے نہیں۔ کوئی بات نہیں آپ کی سسرال ہی تو ہے۔"

"تم بہت شریر ہوتے جا رہے ہو عمران" شبنم کو ہنسی آگئی۔

"سچ بات کہہ دی تو شریر، شیطان اور بدتمیز کے خطابات سے نوازا جا رہا ہے" عمران نے بڑی مسکین صورت بنائی اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

اس روز ـــــ کافی دیر تک وہ رات کو جاگتی رہی۔ تقریباً بارہ بجے تک تو وہ خالہ امی کو نسیم حجازی کا "آخری معرکہ" سناتی رہی۔ پھر اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔ ٹیپ ریکارڈر پر اپنے پسندیدہ گیت سنتی رہی۔ پھر ایک میگزین اٹھا کر

سونے کے لئے اپنے بستر پہ آگئی۔

دوسرے روز صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ صبح کی نماز قضا ہو جانے کا اسے بہت افسوس ہوا۔ ناشتہ کر کے وہ اخبار اٹھا کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔

"سہارنپور میں ایک کشمیری کو ہندو غنڈوں نے جان سے مار دیا۔"

"بحر ہند میں امریکہ اور برطانیہ کے جنگی اڈے۔"

یورپ مشرق پر چھا جانے کے منصوبے"۔

"فلپائن صباح کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کرے گا۔"

"برطانیہ انگوئیلا سے اپنی فوجیں واپس نہیں بلائے گا۔"

"سیگاؤں جنوبی ویت نام میں امریکہ کے نئے وزیر دفاع کلارک کلفورڈ کی پریس کانفرنس"۔

"سیگاؤں کے قریب اتحادیوں کے ایک تیل کے ذخیرے پر ویٹ کانگ کی گولہ باری۔ تیل کے ذخائر بالکل تباہ ہو گئے۔"

"خلیج عقبہ کی ناکہ بندی توڑنے کے لئے امریکہ اور برطانیہ کی سازباز"!

"اسرائیلی جہاز آبنائے طیران سے دور رہیں"!

صدر ڈیگال کا انتباہ!

"الجزائر کے صدر بومدین مصر پہنچ گئے۔ اردن، عراق اور سعودی عرب کے سربراہوں کی آمد کی توقع ہے۔"

اخبار کی سرخیوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے جب شبنم کی نظریں عرب اور اسرائیل کی خبروں پر آکر ٹھہریں تو اس کی نگاہوں کے سامنے یوسف حسین اور کمال پاشا کے چہرے گھوم گئے۔

اس نے سوچا کہ یہودی سلطنت کے قیام کی تحریک اس صدی کی عظیم سازشوں میں سے ایک ہے اور اس بات میں کبھی کوئی شبہ نہیں کہ اس کی بنیاد دراصل یہود دوستی پر نہیں بلکہ مسلم دشمنی پر رکھی گئی ہے۔

آج چاہے تاجِ برطانیہ، صدرِ فرانس اور صدرِ امریکہ کی طرف سے اسرائیل اور عرب قضیہ کو چکانے کے لئے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کئے جائیں لیکن اس حقیقت سے انحراف ممکن ہی نہیں ہے کہ یہودیوں کی پشت پناہی کرنے والے ابتدا سے لے کر آج تک یہی لوگ رہے ہیں۔ اس بات کے بے شمار ثبوت موجود ہیں لیکن پھر بھی یہ طاقتیں دنیا والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے سے باز نہیں آتیں۔

۱۹۱۷ء میں یہودی لیڈر ڈاکٹر وائزمین اور برطانوی وزیر خارجہ لارڈ بالفور کے درمیان خفیہ معاہدہ، سنہ ۱۹۳۶ء کا "پیل کمیشن" اور سنہ ۱۹۴۲ء کو نیویارک میں منعقد ہونے والی صیہونی کانفرنس، سب میں کس کی تجاویز تھیں، کس کے مشورے تھے اور کس کے فیصلے تھے؟

اپنے قیام کے روزِ اول سے لے کر آج تک یہ ناجائز مملکت محض امریکہ برطانیہ اور بین الاقوامی صیہونیت کی خیرات پر ہی تو نشوونما پا رہی ہے۔ شبنم نے

انتہائی تکلیف سے سوچا۔ اور اخبار کے اندر کے صفحات دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد یاسمین بھابی کے بلانے پر وہ ان کے کمرے میں چلی گئی۔

"آج پکچر دیکھنے کا موڈ ہے شبّو؟" یاسمین بھابی نے پوچھا۔

"مگر فاروق بھائی کو تو آج ڈیوٹی پر جانا ہے۔"

"نہیں آج نہیں جانا ہے۔"

"پھر ٹھیک ہے۔"

"تم کچھ بور ہو رہی ہے۔"

"نہیں تو۔" شبنم نے کہا۔

"میں محسوس کر رہی ہوں کہ تمہارا موڈ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

"آپ بالکل غلط محسوس کر رہی ہیں۔" شبنم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس تو پھر تیار ہو جاؤ۔ میٹنی شو میں جائیں گے۔"

"اچھا!" شبنم نے جھک کر ننھے ضیاء کو پیار کیا اور کمرے سے باہر آگئی۔

وہ لوگ پکچر دیکھ کر واپس آئے تو بھابی کی امّی اور ان کے بھائی بھابی آئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ تاش کھیلتے ہوئے کافی اچھا وقت گزر گیا تھا۔ رات کو وہ لوگ کھانا کھا کر اٹھے ہی تھے کہ عمران اسے لینے آگیا۔ بھابی اور خالہ امّی لاکھ اصرار کرتی رہیں کہ دو چار روز اور رک جاؤ مگر وہ پھر آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

یونیورسٹی میں ان دنوں بڑے اہم لیکچر ز ہو رہے تھے۔ پھر آئندہ دو

ایک ہفتے میں ٹیسٹ بھی ہونے والے تھے۔ دو ٹیوٹوریل بھی سب مٹ SUBMIT کرنے تھے۔ بے پناہ مصروفیت تھی۔ کتابوں اور لائبریری سے اسے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ ہارون کا خط اتنے دنوں سے آیا ہوا تھا لیکن جواب دینے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ ڈاکٹر یونس کی کلاس اٹینڈ کرتے ہوتے اس نے سوچا، اگلا پیریڈ فری ہے۔ ہارون کو مختصر سا خط لکھ دوں گی۔ گھر جا کے تو بالکل بھی فرصت نہیں ملے گی۔ چھوٹی بھابی کے ہاں ایک اور لڑکا ہوا تھا۔ گھر میں کچھ اور کام بڑھ گیا تھا۔ اسما باجی بے چاری دن بھر کام کر کر کے تھک جاتی تھیں۔ شام کو تھوڑی بہت مدد کرنا لازمی تھا۔

لیکن ڈاکٹر یونس کی کلاس ختم ہوئی تو اس کی کلاس فیلو لڑکیاں تزئین اور ارجمند اور کلثوم اس کے پیچھے پڑ گئیں کہ کینٹین چلو۔ اس نے بہت معذرت کی لیکن ان لوگوں نے ایک نہ سنی۔ تزئین تو اس سے سخت ناراض ہوئی۔ منہ بسور کر بولی:

"تم بہت بدل گئی ہو شبنم! ہم سے الگ الگ رہتی ہو۔"

"ہاں!" ارجمند نے بھی تائید کی۔

"نہیں بھئی! یہ محض تم لوگوں کا خیال ہے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں!" شبنم مسکرائی

"اچھا اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر ہمارے ساتھ چلو کینٹین!" کلثوم نے کہا۔

اپنی سہیلیوں کو ناراض کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ کینٹین جانے پر راضی ہو گئی۔ اس روز موسم بھی بہت اچھا تھا۔ دھوپ نام کو بھی نہیں تھی۔ گھرے گھرے بادل چھائے ہوئے تھے۔

بھیگی ہوئی خنک ہواؤں کی مدھم سرسراہٹیں تھیں۔ شبو نے گھرے گھرے بادلوں کی طرف دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ ورنہ دھوپ میں تو کینٹین تک جانا بھی ایک مسئلہ تھا۔ راستہ میں جگہ جگہ اس نے لڑکے لڑکیوں کے پیئرز (PAIRS) دیکھے تھے جو ہر بات سے بے فکر اور بے نیاز ہو کر ہنسی مذاق میں معروف تھے۔ جمنازیم کے باہر ایک طرف اس نے سنبل اور یوسفی کو کھڑے راز و نیاز کرتے دیکھا۔ یوسفی نے چلتے اس سے کیا بات کہی تھی کہ سنبل لجائی شرمائی سی کھڑی تھی۔ شبنم کی سہیلیاں ان دونوں کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز سے مسکرائیں۔ کینٹین کچھ فاصلے پر رہ گئی تو انہیں پچھلی طرف اور فوارے کے نزدیک بہت سے لڑکے لڑکیاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیٹھے نظر آئے۔

"یونیورسٹی میں کتنا گلیمر (GLAMOUR) ہے!" تزئین نے کہا۔

کلثوم اور ارجمند نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی

اور شبنم نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر سوچا کہ یونیورسٹی لائف میں بے شک گلیمر ہے لیکن سب کے لئے نہیں۔ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو ہر قسم کے غموں، فکروں اور پریشانیوں سے آزاد ہیں، جو خوبصورت گاڑیوں میں آتے ہیں۔ نت نئے ڈیزائن کے کپڑے پہنتے ہیں، جنہیں یونیورسٹی میں اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ گھر جا کر کچھ کام کرنا ہے۔ جنہیں ہر ماہ کے آغاز پر اس بات کی پریشانی نہیں ہوتی کہ ابھی فیس جمع کروانی ہے اور جنہیں ہر نئے سیشن کے آغاز پر اس بات کا تردد نہیں ہوتا کہ ڈیڑھ دو سو روپے فیس کے ساتھ کتابوں کے

امتزاجات بھی ہیں

یونیورسٹی میں پڑھنے والے ہر طالب علم کا چہرہ ہشاش بشاش نہیں ہوتا اکثریت تو ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کے چہرے بے رونق اور آنکھیں سوچ اور فکر کا مرقع بنی رہتی ہیں۔ اپنے چہروں پر بھدے سکون اور اطمینان کا نقاب چڑھائے پھیکی مسکراہٹوں اور کھوکھلے قہقہوں سے دولتمند ساتھی طالب علموں کا ساتھ دیتے ہیں۔ یونیورسٹی میں اپنی سفید پوشی کا بھرم قائم رکھنے کے لئے ان کے ماں باپ کو اور خود انہیں کیا کچھ جھیلنا پڑتا ہے، اسے صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے لئے بھلا گلیمر کہاں ہے! شبو نے بڑی اداسی سے اپنے قریب سے گزرتی ہوئی دو لڑکیوں کی طرف دیکھا جو یقیناً اسی طبقے کی جیتی جاگتی تصویریں تھیں جن کے افکار و مسائل کی آماجگاہ اس وقت شبو کا ذہن بنا ہوا تھا۔ ان کے لباس، ان کے جوتوں، ان کے چلنے کے انداز سے اور ان کے چہروں سے ظاہر ہونے والے تاثرات سے ہی معلوم ہو رہا تھا کہ ان بے چاریوں کے لئے یونیورسٹی لائف میں کتنا گلیمر ہوگا!

وہ بڑی بے دلی سے اپنی سہیلیوں کے ساتھ کینٹین میں داخل ہوگئی۔ ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ بکھیرے وہ ہنسی مذاق اور باتوں میں ان لوگوں کا ساتھ دیتی رہی اور کوک پیتی رہی۔ اس چکر میں اس کا کافی وقت ضائع ہو گیا۔ وہاں سے فرصت ملی تو وہ لائبریری میں چلی گئی۔ اسے پڑھتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہوا تھا کہ کوئی اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو کمال پاشا تھا۔ وہ اس سے

صنعت کی عقلی بنیادوں پر تنظیم "RATIONALIZATION" پر تبادلۂ خیال کرنا چاہتا

مفادہ ایکسیکیوزمی د MANAGEMENT کہہ کر اس کے سامنے خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

کئی لڑکوں اور لڑکیوں نے سر اٹھا کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اپنی اپنی کتابوں

پر جھک گئے۔ کچھ دیر تک موضوع پر تبادلہ خیال کرنے کے بعد وہ دونوں لائبریری

سے ساتھ ہی ساتھ باہر نکلے۔

کمال پاشا نے لائبریری کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے کہا کہ آج ہوسٹل

پہنچ کر اس کا سب سے پہلا کام خط لکھنا ہے۔ وہ اپنے گھر والوں کی طرف سے

بہت فکر مند تھا۔ عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی شکست اور اپنے ملک کے

سیاسی حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے بڑی نفرت سے یہودیوں کو برا بھلا کہا۔

شبنم کا دل چاہا وہ اس سے کہے کہ صرف یہودیوں کو بُرا بھلا کہنے سے

ہی سے تو مسائل حل نہیں ہو جائیں گے۔ خود اپنی اصلاح کرنی بھی تو ضروری ہے۔

بے شک یہ بات صحیح ہے کہ اسرائیل کی فتح میں امریکہ اور برطانیہ کا بڑا ہاتھ ہے

لیکن ـــــ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ عربوں کی شکست کے اسباب میں خود ان کی اپنی

کوتاہیوں کا بہت بڑا دخل ہے مگر وہ کمال پاشا سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ اسی وقت بس

آگئی اور وہ اسے خدا حافظ کہہ بس میں سوار ہوگئی۔ سیٹ پر بیٹھتے ہی اس

کا ذہن پھر سوچوں کی آماجگاہ بن گیا۔ عرب دنیا کا تصور آتے ہی اس نے سوچا کہ ازل

سے لے کر آج تک یہ بات طے شدہ ہے کہ جنگیں ہمیشہ نصب العین کے لئے

لڑی جاتی ہیں۔ لیکن جس قوم کو نصب العین ہی سے دور کر دیا جائے تو پھر جنگ کے سامنے آنے والے نتائج پر حیرت کی کونسی بات ہے؟ کیا موجودہ جنگ میں عربوں کی شکست کا ایک سبب یہ نہیں تھا کہ دورانِ جنگ میں ان کی قیادت نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا کہ یہ جہاد ہے۔ عوام اور فوج کو ہر لمحہ یہی یقین دلایا جاتا رہا کہ یہ عربوں کی قومی جنگ ہے اور اس کا تعلق اسلام سے نہیں۔ پھر ہر ملک کی تاریخ کے کسی نہ کسی دور میں میر جعفر جیسے غدار بھی گزرتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی گزرتے ہیں جن کے نزدیک ذاتی مفاد کا جذبہ حب الوطنی کے جذبے سے کہیں زیادہ اہم ہوتا ہے۔" ایلیا کوہین" نامی ایک مصری یہودی نے عرصۂ دراز تک مصر میں اسرائیل کے لیے جاسوسی کی خدمات انجام دیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے نظر انداز کیا جا سکے۔ شبو نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سوچا۔

اور یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے باہمی اتحاد ضروری ہے مگر گزشتہ کئی برسوں سے عرب ممالک کے حکمران آپس میں ہی ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ عراق کے سربراہ اور وزیر اعظم کے اختلافات، اردن اور سعودی عرب کے حکمرانوں کی باہمی دشمنی اور اردن و مصر کی باہمی چپقلش ساری دنیا پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

اور کمال پاشا! تم یہودیوں کو الزام دیتے وقت، ان کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے وقت یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ تم لوگوں کی شکست میں تمہاری داخلی

کش مکش کا بھی بہت بڑا دخل تھا۔ تمہارے یہاں عوام اور حکومت یا حکمرانوں کے نظریات میں جو فرق تھا اسے بھی تو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ عوام کو اگر مشرقی اقدار سے محبت تھی تو حکمرانوں کو مغربی اقدار سے! ایک طرف اسرائیل دمشق کو فتح کرنے کا پلان بنا رہا ہے تو دوسری طرف دمشق کی حکومت اپنے ہی عوام کے خون کی پیاسی ہو رہی ہے۔ تم خود سوچو کمال پاشا! کسی ملک کی کامیابی و کامرانی کس طرح ممکن ہے جبکہ صورتِ حال یہ ہو۔ شبنم نے سوچا اور ایک دم چونک پڑی۔ کنڈکٹر اس کے سامنے کھڑا ٹکٹ کے پیسے مانگ رہا تھا۔ وہ اپنی خود فراموشی پر کچھ جھینپ سی گئی اور جلدی سے پرس کھول کر پیسے نکالنے لگی۔

گھر پہنچی تو اس کے نام "شبستان" کا تازہ پرچہ اور ایڈیٹر کا خط آیا رکھا تھا۔ اس نے رسالہ کھول کر فہرست پر نظریں دوڑائیں۔ اس کا افسانہ "روح کے زخم" پہلے نمبر پر چھپا تھا۔ اس نے رسالہ بستر پر ڈال کر لفافہ چاک کیا۔ سالنامے کے لئے ایڈیٹر نے افسانہ بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔ شبنم نے خط کو ڈائری میں رکھتے ہوئے سوچا:

"کیا لکھوں، کیا نہ لکھوں؟ لکھنے کو اگرچہ بہت کچھ ہے لیکن لکھ نہیں سکتی — اس لئے کہ جو کچھ میں لکھنا چاہتی ہوں اس کے لئے قلم بھی ساتھ دیتا ہے، دل و دماغ بھی اور خیالات بھی — لیکن زمانہ ساتھ نہیں دیتا، پڑھنے والے ساتھ نہیں دیتے اور چھاپنے والے بھی ساتھ نہیں دیتے۔ قدم قدم پر افسانوں کے پلاٹ بکھرے ہوئے ہیں۔ ہر چہرہ ایک نہیں کئی کہانیاں کہتا ہوا دکھائی دیتا ہے جس میں سراسر حقیقت

ہی حقیقت ہے لیکن حقائق کا سامنا کرنے والے لوگوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ زندگی کی جتنی صحیح اور سچی تصویر پیش کی جائے گی وہ اتنی ہی گندی اور گھناؤنی ہوگی۔ مگر لوگ اپنی گندی اور گھناؤنی تصویریں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ لوگوں کی صورتیں چاہے کیسی ہوں لیکن تصویر اتروانے سے قبل فوٹوگرافر سے مکرّر اور سہ کرّر کہتے ہیں کہ بھئی ہماری اچھی سی تصویر اتارنا حالانکہ یہ کس طرح ممکن ہے؟ جیسی صورت ہوگی ویسی ہی تو تصویر اترے گی۔

اسی طرح لوگوں کے افعال و اعمال خواہ کتنے ہی گندے ہوں لیکن وہ اعمال کا محاسبہ کرنے والوں سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ دنیا والوں کے سامنے پیش کرتے وقت ان پر خوبصورت سا پردہ ڈال دیں۔ لوگ عمل کرتے وقت اپنے کردار سے اپنے خیالات اور اپنے افعال کی غلاظت کی طرف توجہ نہیں دیتے مگر جب کوئی مصنف اور ادیب ان کوجوں کا توں سب کے سامنے پیش کردے تو وہ سرتاپا سُلگ اٹھتے ہیں، آگ کے شعلوں کی مانند بھڑک اٹھتے ہیں۔ آپس میں گفتگو کرتے ہوئے ایک دوسرے سے کہتے ہیں، سنو! تم نے فلاں مصنف کی کتاب پڑھی؟ فلاں ادیب کا افسانہ پڑھا؟ کس قدر عریانیت ہے اس کی تحریروں میں! بہت ہی فحش خیالات ہیں اس کے! اب ان سے جاکر کون یہ کہے کہ یہ عریانیت تو حقیقت میں تمہارے کردار، تمہاری شخصیت کی عریانیت ہے! یہ فحش خیالات تو دراصل تمہارے ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ تمہارے ہی ذہنوں سے یہ دل میں آئے اور دل کے ہاتھوں مجبور

ہو کر تم نے انہیں عملی جامہ پہنایا۔ اس ادیب اور مصنف کی تحریریں تمہیں اس لئے بڑی لگیں کہ اس کی تحریروں کے آئینے میں تم نے اپنی شخصیت کو، اپنے کردار کو اور اپنے وجود کو سرتاپا ننگا دیکھ لیا۔۔۔ ! شبنم نے طنزیہ انداز سے مسکراتے ہوئے سوچا اور اسے فرانسیسی مصنف "ستاں دال" کا خیال آگیا۔ اس نے کتنی سچ اور صحیح بات کہی ہے۔

"جناب! ناول تو ایک آئینہ ہے جسے لے کر آدمی شاہراہ پر سے گزر رہا ہو۔ کبھی تو اس میں نیلے آسمان کا عکس پڑتا ہے کبھی آپ کے پیروں کے پاس والی کیچڑ کا۔ اور جو آدمی یہ آئینہ لے کر چل رہا ہے اس پر آپ بد اخلاقی کا الزام لگاتے ہیں۔ اس کا آئینہ تو کیچڑ کی تصویر دکھا رہا ہے اور آپ قصور آئینے کا بتاتے ہیں، الزام تو اس سڑک کو دیجیے جس پر یہ کیچڑ پڑی ہوتی ہے۔"

شبنم اپنے خیالات میں گم کھڑی تھی کہ کھڑکی کے راستے عمران کمرے میں آ کودا۔ اس نے چونک کر عمران کی طرف دیکھا۔ عمران شرارت سے مسکرایا اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا:

"ہاں بھئی، لوگ تو بہت بڑی چیز ہو گئے ہیں، لفٹ ہی نہیں دیتے۔ لوگوں کے افسانے چھپتے ہیں۔ ایڈیٹر صاحبان نئے افسانوں کی فرمائشیں کرتے ہیں۔"

شبّو نے قریب جا کر عمران کا کان کھینچا۔

"یہ کیا بکواس لگائی ہے تم نے؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہم نہ ادیب نہ شاعر، ظاہر ہے ہماری باتوں میں بکواس ہی ہوگی۔" عمران

نے مسکین سی صورت بنائی۔

"تو یہاں تمہیں کونسا ادیب یا شاعر نظر آرہا ہے؟"

"محترمہ شبنم فیاض!"

"احمق! دو چار الٹے سیدھے افسانے لکھ کر کوئی ادیب نہیں بن جاتا۔ ادیب کا مقام حاصل کرنے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں!"

"آپ تو خواہ مخواہ کسرِ نفسی سے کام لے رہی ہیں۔"

"تم نے طے کر لیا ہے عمران! کہ آج تم مجھے مستقل شرمندہ کرتے رہو گے!"

"ارے نہیں آپی! بھلا میری یہ مجال!"

"تو پھر خاموش رہو۔"

"اچھا میں خاموش ہو جاؤں گا۔ بس ایک بات کا جواب اور دے دیجئے!"

"جلدی کہو!"

"آپ ناراض ہو جائیں گی!"

"نہیں بالکل نہیں!"

"اچھا تو اگر میں آپ کے افسانوں میں سے کوئی افسانہ اپنے نام سے چھپوا دوں تو کوئی حرج تو نہیں ہو گا؟"

"نہیں کوئی حرج نہیں ہو گا۔ لیکن آخر یہ تمہیں سوجھی کیا؟"

"وہ ۔۔۔ بات یہ ہے ناآپی میں بھی ایک چھوٹا موٹا ادیب بن کر ادب کی

خدمت کرنا چاہتا ہوں۔" عمران نے کچھ اس انداز سے کہا کہ شبنم کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں عمران! کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر بن جاؤ گے اور تمہاری۔ باتیں اس قدر بچگانہ ہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا آپی! میں تو بچوں کا ڈاکٹر بنوں گا!" عمران نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔ اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

پھر —— اس روز شبنم اور انجم ساتھ ساتھ ہی یونیورسٹی سے آئیں۔ گھر میں داخل ہوتے ہی انہیں بڑی چہل پہل کا احساس ہوا۔ فوراً ہی انہیں فرحین اور نازنین کے چہرے نظر آئے۔

"پھوپھی جان آئی ہیں؟" شبنم اور انجم نے بیک آواز کہا اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

کتابیں اپنے کمرے میں رکھ کر وہ ڈرائنگ روم میں آئیں تو آصف بھی نظر آئے۔ پھوپھی جان بھی سامنے بیٹھی تھیں اور اسماء باجی ان لوگوں کی خاطر مدارات میں لگی ہوئی تھیں۔ شبو اور انجم بھی سلام کر کے بیٹھ گئیں۔ آصف اور شبو میں نوک جھونک شروع ہو گئی۔

"بہت غلط بات ہے آصف بھائی۔ آتے ہی پریشان کرنا شروع کر دیا۔"
فرحین نے کہا۔

"دونوں بے چاری بھوکی ہیں ملی نا تو کھا لینے دیں!" نازنین نے کہا۔

"اے ہے! دونوں بھوکی آکر بیٹھ گئیں۔ جاؤ دونوں جاکر کھانا کھاؤ" پھوپھی
جان نے کہا۔

دونوں تکلّف کرنے لگیں لیکن پھوپھی جان نے انہیں زبردستی کھانا کھانے
بھیج دیا۔ کھانا کھاکر اٹھی ہی تھیں کہ اسماء باجی فرحین اور نازنین کو ساتھ لے کر آئیں۔

"کیوں شبو کوئی اور تصویر بھجوائی ہارون بھائی نے؟" فرحین نے پوچھا۔

"نہیں ——!" شبنم جھینپ سی گئی

"شبو! ہمیں تو دکھا دو وہ تصویریں!" نازنین نے کہا۔

"تم نے نہیں دیکھیں؟"

"نہیں میں اس روز کہاں آئی تھی؟" نازنین نے یاد دلایا۔

"اچھا ——!"

شبنم ان لوگوں کو ساتھ لے کر کمرے میں آگئی۔

ہارون کی تصویریں دیکھ کر وہ دونوں کچھ دیر شبنم کو تنگ کرتی رہیں۔ الخبسم بھی
ان دونوں کے ساتھ مل گئی۔ شبنم نے پریشان ہو کر اسماء باجی کی طرف رحم طلب نگاہوں
سے دیکھا۔ اسماء باجی نے فوراً ان تینوں کو پیار بھری ڈانٹ پلائی۔ مگر اسی لمحے آصف

کمرے میں آ گیا۔ اس نے میز پر رکھی ہوئی تصویریں دیکھ کر شبّو کا پیچھا پکڑ لیا۔

"یا اللہ! مَیں کہاں چلی جاؤں!" شبّو نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"لندن چلی جاؤ!" آصف مسکرایا۔

"آصف! خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔ یہ لوگ کیا کم تھے کہ تم بھی آ گئے!"

شبّو نے کہا۔

لیکن آصف مسلسل اسے تنگ کرتا رہا۔ شبّو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گھر کے کس کمرے میں جا کر چھپ جائے۔ اس نے سوچا بھابی کے کمرے میں چلی جائے مگر بھابی تو میکے جاتے وقت ہمیشہ اپنے کمرے میں تالا ڈال کر جاتی تھیں۔ وہ اٹھ کر پھوپھی جان اور امّی کے پاس چلی گئی۔ باقی سب بھی اس کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ لیکن غنیمت تھا کہ ان لوگوں نے اسے تنگ نہیں کیا۔

اس روز رات تک بہت مصروفیت رہی۔ امّی اور اسماء باجی نے ان لوگوں کو بہت اصرار کر کے کھانے پر روک لیا تھا۔ پھر مغرب کے وقت فاروق بھائی اور یاسمین بھابی بھی آ گئیں۔ رات کو ان لوگوں کے رخصت ہو جانے کے بعد گھر میں بڑی خاموشی سی چھا گئی۔

اور تب —— وہ عشاء کی نماز پڑھ کر جا نماز لپیٹ رہی تھی کہ امی نے اسے بلا بھیجا۔ پھر امّی نے اسے اتنی اچھی خبر سنائی کہ اس کی ساری تھکن ایک دم سے معدوم ہو گئی۔ امّی نے اسے بتایا کہ پھوپھی جان کی بڑی جیٹھانی کی بھاوج نے اپنے

لڑکے صولت کے لئے اسماء باجی کا رشتہ مانگا ہے۔ شبنم کو یاد آیا کہ پچھلی دفعہ جب پھوپھی جان آئی تھیں تو کسی صولت کا ذکر تو کر رہی تھیں کہ بلجیم سے سی۔ اے کر کے آئے ہیں۔ اس کے آگے بات ادھوری رہ گئی تھی۔ کیونکہ وہ انجم کے آواز دینے پر کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔

"تو پھر بات طے ہو گئی ہے نا امّی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں بیٹی —— اب جمعہ کو وہ لوگ منگنی کرنے آئیں گے۔"

"اللہ امّی! کیا سچ؟" شبنم کی خوشی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا۔

"اے ہے تو کیا میں تجھ سے مذاق کر رہی ہوں!" امی کو ہنسی آگئی۔

"مگر امّی! اسماء باجی کو دیکھے بغیر ان لوگوں نے ...."

"دیکھے بغیر کیوں! تمہاری پھوپھی کے گھر میلاد کے دن لڑکے کی ماں، بہنیں، چاچی سب آئی تھیں۔ اسی دن ان لوگوں نے اسماء کو پسند کر لیا تھا۔ بس لڑکے کی مرضی معلوم کرنی تھی۔ ان لوگوں نے جبھی تمہاری پھوپھی کے کان میں یہ بات ڈال دی تھی۔"

"مگر امّی صولت صاحب بھی تو چاہیں گے کہ باجی کو دیکھ لیں۔"

"تمہاری پھوپھی تصویر لے گئی تھیں۔"

"کمال ہو گیا امّی۔ آپ نے چپکے ہی چپکے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دے لیا اور ہمیں کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔"

امّی کو ہنسی آگئی۔

"امّی آپ نے بھی دیکھا ان صاحبزادے کو؟"

"ہاں دیکھا تھا!"

"کب؟"

"پرسوں — میں اور عمران گئے تھے نا تمہاری پھوپھی کے گھر!"

"اچھا — لیکن امّی۔ اسماء باجی سے تو پوچھا نہیں آپ نے، نہ ان کو تصویر دکھائی۔ شبنم نے فکرمند ہو کر کہا۔

"مجھے معلوم ہے اسماء کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔ کوئی یہ تو نہیں کہ وہ کہیں اور چاہتی ہو۔ اور پھر وہ لڑکا ہر لحاظ سے اس قدر موزوں ہے کہ انکار کرنے کی کوئی وجہ ہی نظر نہیں آتی۔

"یہ تو بتایئے امّی، وہ ہیں کیسے؟"

امّی نے تکیے کے نیچے سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ شبنم نے لفافے سے تصویر باہر نکالنے میں بڑی پھرتی دکھائی۔ تصویر پر نظر ڈالتے ہی اس کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔ نہایت موزوں نقش و نگار تھے۔ صحت بھی اچھی نظر آتی تھی۔

"قد کیسا ہے ان کا امّی؟"

"درمیانہ قد ہے۔"

"اور رنگ گورا ہے یا سانولا؟"

"توبہ ہے شبو! تم تو بال کی کھال نکال رہی ہو!"

"دیکھئے نا امی! ہماری اسماء باجی بھی تو اتنی پیاری سی ہیں۔ اسی لئے ہم اتنی تفصیلات

پوچھ رہے ہیں۔"

"آجکل کی لڑکیوں کے تو دماغ خراب ہو گئے ہیں۔" امّی قدرے غصے سے بولیں۔

شبنم کو ہنسی آگئی کہ اب امّی لیکچر جھاڑنا شروع کر دیں گی۔

"ہاں امّی! بتایا نہیں آپ نے رنگ کیسا ہے؟"

"ارے بابا! گندمی رنگ ہے۔ اب تم یہ سوال جواب ختم کرو اور یہ تصویر اسماء کو دکھا دو۔"

"اچھا امّی!" شبنم نے تصویر کو لفافے میں رکھا اور باہر جانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ ایک دم پھر اسے کوئی بات یاد آگئی۔

"امّی! آپ نے ریحان بھیا اور بھابی کو بتا دیا؟"

"ہاں ــــ دو تین مرتبہ سرسری طور پر تذکرہ تو کیا تھا۔ آج یا کل بتا دوں گی پکّی بات!"

شبو تصویر لے کر اپنے کمرے میں آئی تو اسے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ ڈرائنگ روم میں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ عمران کے کمرے میں آگئی۔ عمران بیٹھا بڑی سنجیدگی سے پڑھ رہا تھا۔

"انجم اور اسماء باجی کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"اوپر ــــ چھت پر!" عمران نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

شبنم اوپر چلی گئی۔ وہ دونوں وہاں ٹہل رہی تھیں۔

شبو کچھ دیر معموں میں باتیں کر کے اسماء باجی کو پریشان اور انجم کو حیران کرتی رہی لیکن جب دونوں نے اسے پکڑ کر گدگدایا تو وہ ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے بولی،

"اچھا نیچے چلو۔ سب کچھ بتا دوں گی صاف صاف!"

وہ لوگ زینے سے اتر رہی تھیں، تبھی ٹیکسی آکر رکی۔ بھابی اور ریحان بھیاؒ آگئے تھے۔ بچے ٹیکسی میں سو گئے تھے۔ شبنم اور اسماء باجی ان کو اندر پہنچانے کے لئے بھابی کی مدد کرنے لگیں۔ انجم اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ بچوں کو چھوڑ کر وہ دونوں کمرے میں آئیں تو انجم بڑے مزے سے بستر پر دراز تھی۔ اسماء باجی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے بٹھا دیا۔ شبنم نے کچھ دیر اور پہیلیاں بجھوانے کے بعد تکیے کے نیچے سے لفافہ نکال کر اسماء باجی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اسماء باجی نے حیرت زدہ ہو کر پہلے لفافے کی طرف۔ پھر اس کی طرف دیکھا۔

"کھول کے تو دیکھئے پہلے۔" شبنم مسکرائی۔

اسماء باجی نے لفافہ کھول کر تصویر باہر نکالی۔

انجم کی آنکھیں فوراً چمک اٹھیں۔

"اچھا تو یہ بات ہے!" وہ بڑی زور سے بولی۔

اسماء باجی نے شرما کر تصویر بستر پر ڈال دی۔

"نہ۔ نہ! یہ غلط بات ہے۔ اچھی طرح صاحب بہادر کا جائزہ لیجئے پھر بتلایئے قبول یا نہیں!"

شبنم نے تصویر پھر ان کی گود میں رکھ دی۔

"ہائے شبو! قبول نہ ہونے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ دیکھتی نہیں کیسے بچ رہے ہیں حضرت!" انجم نے کہا۔

"تم چپ رہو جی! تم سے تھوڑی قبول کروا رہی ہوں؟"

"ہاں پلیز! اسماء باجی! ہری اپ، بی کوئیک!!" شبو نے چٹکی بجائی۔

"جلدی سے ہاں کہہ دیجئے نا اسماء باجی!" انجم نے کہا

اسماء باجی خاموش ــ شرمائی سی بیٹھی رہیں۔

"شبو! تم کیسی ادیبہ ہو ــــ؟" انجم نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ چہرے پر چھائی ہوئی شرم کی لالی دیکھ کر بھی اندازہ نہیں کر سکتیں کہ ہاں ہے کہ قبول!"

"کیوں باجی! نجو ٹھیک کہہ رہی ہے؟"

"ہٹو! مجھے کچھ نہیں معلوم!" اسماء باجی جھینپ کر بولیں

"لیکن مجھے تو معلوم ہے کہ اسماء باجی کا دل یہ چاہ رہا ہے کہ شادی کل کی ہوتی، آج ہی ہو جائے!" نجو نے کہا۔

"نجو کی بچی تو چپ رہ!" اسماء باجی نے کہا۔

"ہاں تو پھر بتا ئیں امی سے کیا کہوں؟"

"کہہ دو راضی ہیں!" نجو نے کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" اسماء باجی نے اسے گھورا۔

"اچھا بھئی شبو! امی سے کہہ دو راضی نہیں ہیں!" شبو نے کنکھیوں سے اسماء باجی کی طرف دیکھا اور مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر جانے لگی۔ اسماء باجی نے خوفزدہ ہو کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بڑی بے بسی سے بولیں:

"ہائے اللہ! نہیں شبو! نجو کا تو دماغ خراب ہے!"

شبنم پلٹ آئی اور ان کے قریب آ کر بولی:

"جب تک آپ زبان سے نہیں کہیں گی کہ ہاں میں راضی ہوں۔ ہم لوگ نہیں مانیں گے۔"

"تم لوگ مجھے کیوں تنگ کر رہی ہو۔ امی سے کہو جو کچھ وہ کر رہی ہیں ٹھیک ہے" اسماء باجی نے بدقت تمام کہا اور ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔

"نام کیا ہے ان کا؟" نجو نے پوچھا

"صولت حسین!" شبو نے کہا اور مکمل تفصیلات ان دونوں کو بتا دیں۔ پھر شرارت سے اسماء باجی کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ بولی:

"باجی! ذرا یاد کر کے بتایئے، اس روز میلاد میں آپ کون سے کپڑے پہن کر گئی تھیں"

"مجھے یاد ہے شبو! آسمانی رنگ کا غرارہ سوٹ! بالکل آسمانی حور معلوم ہو رہی تھیں۔ دیکھتے ہی لٹو ہو گئی ہوں گی صولت میاں کی بہنیں۔"

"تم تو جیسے صولت میاں کی دادی اماں لگتی ہونا! کیا منہ سے کہہ رہی ہو صولت میاں !" شبو مسکرائی اور دونوں بڑی دیر تک منگنی کے دن کے لئے پروگرام بناتی رہیں۔

دوسرے روز انہی نے چھوٹی بھابی کو یہ بات بتائی تو انہیں بہت ناگوار گزرا۔ ڈھکے چھپے لفظوں میں انہوں نے بے شمار باتیں کہہ ڈالیں۔

"ایسی بھی کیا رازداری تھی! پوری بات طے ہو گئی اور ہمیں خبر تک نہیں۔ آخر میں بھی تو اس کی بڑی بھاوج ہوں، اس گھر کا ایک فرد ہوں۔ نہ کوئی رائے نہ کوئی مشورہ اگر مجھے کچھ سمجھا جاتا تو مجھ سے پوچھا جاتا۔ لیکن مجھے تو اس گھر میں سب غیر ہی سمجھتے ہیں۔ اب تک چھپایا تھا تو اب بھی نہ بتائیں۔ کیا ضرورت تھی!" اس روز بھابی کا موڈ سخت خراب رہا۔ دوسرے روز صبح ریحان بھیا کے سمجھانے بجھانے سے قدرے تمام ان کا موڈ درست ہوا۔

پھر جمعہ کے روز اسماء باجی کی منگنی خاصی دھوم دھام سے ہو گئی اور اسی روز یہ طے ہو گیا کہ انجم اور شبو کے امتحانات ختم ہونے کے بعد شادی ہو جائے گی۔ صولت بھائی اپنی تصویر کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی اچھے تھے۔ بڑے خوش اخلاق اور ہنس مکھ بھی تھے۔ اسماء باجی کی جیٹھانی بھی بڑی کشش انگیز اور پیاری شخصیت کی مالک تھیں۔ ویسے ان کا گھرانا خاصا موڈرن تھا۔

شب و روز پھر بڑی تیزی سے گزرنے لگے۔ ہر آنے والا دن اپنے دامن میں بے پناہ مصروفیتوں کو سمیٹے ہوئے آتا اور بے انتہا تھکن کو سینے سے لگائے رات کی تاریکیاں

میں گم ہو جاتا۔ موسم سرما کے سارے دن ایک ایک کر کے بیت گئے تھے۔ برسات بھی آئی اور آ کر گزر گئی۔ ابرِ سنبلی، ابرِ طبقی، ابرِ خلولی اور ابرِ باراں آسمان کی بیکراں وسعتوں پر چھائے اور ہواؤں کے دوش پر اڑ گئے۔ گھٹائیں امنڈ کر آئیں، جھوم کر برسیں اور کھل گئیں۔ سورج طلوع اور غروب ہوتا رہا۔ چاند ناریل، آم اور چمپا کے درختوں سے پرے بہت بلندیوں پر چمکتا اور چھپتا رہا۔ ستاروں کا کارواں ہر رات صحرائے آسمان پر سے گزرتا رہا، چپ چاپ آگے بڑھتا رہا۔ چپکے چپکے صبحیں کہر آلود ہوئیں، دوپہریں مختصر ہوئیں۔ شامیں دھندلائیں اور راتیں طویل ہوئیں تو آنگن میں بکھری ہوئی اداس چاندنی اور ہر روز نکھرتے اور حسین سے حسین تر ہوتے ہوئے چاند کو دیکھ کر خیال آیا اور احساس ہوا کہ سردیاں آ گئی ہیں۔

اور ان گزرتے ہوئے دنوں میں شبو کی زندگی میں ایک چھوٹا سا انقلاب آیا۔ وہ انقلاب اگرچہ چھوٹا تھا مگر اس کی اہمیت اپنی جگہ بہت زیادہ تھی۔ اور وہ انقلاب یہ تھا کہ ہارون کے خط اب برائے نام ہی آتے تھے۔ شبو یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دیتی کہ شاید ہارون بہت مصروف ہوں، انہیں وقت نہ ملتا ہو۔ وہ اس موضوع پر جتنا زیادہ سوچتی اس کا ذہن الجھتا ہی چلا جاتا، ان خیالات سے تنگ آ کر وہ اپنے آپ کو کتابوں کے انبار میں گم کر دیتی۔ ہارون کے خطوں کی تعداد اگرچہ کم ہو گئی تھی لیکن ان کا انداز وہی تھا۔ ان خطوں سے اب بھی اسے والہانہ پن اور اسی انسیت و اخلاص کی خوشبو آتی تھی۔

آخری دنوں میں یونیورسٹی میں تقاریب کا جو سلسلہ شروع ہوتا تھا تو امتحانات کے آغاز سے تھوڑے سے ہی عرصے پہلے ختم ہوتا تھا۔ مباحثوں، مذاکروں اور جلسوں کا زور و شور تھا۔ شبنم کو اس سال پھر مباحثوں میں کپس اور ٹرافیاں ملے تھے۔ راولپنڈی کے ایک مباحثے میں اسے گولڈ میڈل ملا تھا۔ افسانہ نویسی کے مقابلے میں خلیل جبران کی کتابوں کا سیٹ ملا تھا لیکن پھر بھی اسے ہر لمحہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی زندگی بالکل بے مقصد گزر رہی ہو۔ ایک عجیب سا اضطراب وہ محسوس کرتی تھی۔ پورا موسم سرما یونہی اضطراب اور بے چینی میں گزر گیا اور پھر ایک رات وہ گہری نیند سو کر اٹھی تو موسم بہار کی پہلی صبح اس کی منتظر تھی۔ اس نے دریچے کے پردے سرکا کر جھانکا تو بہار کا پہلا پھول درختوں کے گھنے سائے تلے دھیرے دھیرے جھوم رہا تھا۔ چمپا کی شاخوں میں بے شمار کلیاں تھیں اور گل مہر کا درخت سرخ و نارنجی پھولوں سے ڈھک گیا تھا۔

جانے اب کے برس کی بہار تمہارے لئے کیا سندیسہ لائی ہے شیونرانی! اس نے کھڑکی سے لپٹی ہوئی چنبیلی کی بیل کو بڑے پیار سے چھوا اور اس کے تصور کی اڑان اسے جانے کہاں سے کہاں لے گئی۔

انجم نے اسے ناشتہ کے لئے آواز دی تو وہ اپنا سبز آنچل سر پر ڈالتی ہوئی باہر آگئی۔

پھر ——— اس روز وہ یونیورسٹی سے واپس آئی تو گھر میں بڑا سناٹا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ امی اور اسماء باجی خالہ امی کے گھر گئی ہوئی ہیں۔ انجم شام سے پہلے یونیورسٹی

سے نہیں آ سکتی تھی۔ عمران بھی کالج گیا ہوا تھا۔ بھابی اور بچے گھر میں تھے۔ شبنم کو گھر میں داخل ہوتے ہی تنہائی کا احساس بڑی شدّت سے ہُوا۔ اس نے بڑی اداسی سے اکیلے بیٹھ کر کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ کچھ دیر دریچے میں کھڑے ہو کر بلا مقصد درختوں کے سرسراتے ہوئے پتوں کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم ہی وہ میز کے قریب آ گئی اور کاپی کھول کر بیٹھ گئی۔ اتنے دنوں سے جس افسانے کا پلاٹ اس کے ذہن پر بوجھ بنا ہوا تھا۔ آج اسے لکھنے کا اچھا موقع تھا۔ وہ شام تک بیٹھی لکھتی رہی۔ انجم یونیورسٹی سے واپس آئی تو وہ چائے بنانے کے لئے اٹھ گئی۔

"کوئی نیا افسانہ شبو؟" انجم نے پوچھا۔

"ہاں!"

"پورا ہو گیا؟"

"تقریباً۔"

"آج مکمل کر لو پھر ہم پڑھیں گے!"

"کوشش کروں گی!"

مگر —— رات کے وقت باوجود اس کے کہ افسانہ لکھنے کا اس کا قطعی موڈ نہیں تھا، انجم نے اسے زبردستی کاپی اور قلم دے کر بٹھا دیا۔ بڑی مشکل سے اس نے افسانہ لکھنے کا موڈ طاری کیا اور اس کا قلم کاغذ کے صفحات پر پھسلنے لگا۔

افسانہ مکمل ہوا تو اُس نے کاپی انجم کے سامنے ڈال دی۔ انجم نے بڑی دلچسپی سے پہلے افسانہ

کے صفحات شمار کئے۔ پھر اپنی کتاب بند کر کے افسانہ پڑھنے لگی۔ شبنم باہر برآمدے میں چلی گئی۔ دیر تک وہ ریلنگ پر ہاتھ دھرے تاریکیوں میں مبہوت کھڑے درختوں کو دیکھتی رہی۔ بڑی مدھم سی سرگوشیاں تھیں، بڑی پراسرار سی سرسراہٹیں تھیں۔ موتیا اور بیلے کے پھولوں کے قریب گہرا سکوت تھا اور رات کی رانی کے پھولوں پر ایک محویت، ایک غنودگی طاری تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو ملتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے ہارون کے بارے میں سوچا اور بوجھل قدموں سے اندر چلی آئی۔ انجم افسانہ پڑھنے میں مشغول تھی۔ شبنم میز پر سے ایک رسالہ اٹھا کر بستر پر لیٹ گئی، اور ڈاکٹر اظہر قاسمی کا مقالہ "ادیب اور معاشرہ" پڑھنے لگی۔ خاصا طویل مقالہ تھا۔ اس نے مقالہ ختم کر کے رسالہ میز پر ڈالا ہی تھا کہ انجم اس کے پاس آگئی۔

"بھئی شبنو! میں تو تم سے عاجز ہوں۔"

"کیوں ——؟"

"آخر کب کا بدلہ لیا ہے تم نے ہیرو ہیروئن سے؟"

"کیا مطلب؟"

"ان دونوں کے انجام کو المیہ بنا کر تمہیں کیا ملا؟"

"یہی انجام حقیقت سے قریب تر تھا۔"

"تمہیں تو ہر بات کا تاریک پہلو دیکھنے کی عادت ہو گئی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، انجم یہ محض تمہارا خیال ہے۔"

"اچھے بھلے افسانے کا ناس مار دیا تم نے!"

شبنم مسکراتی رہی۔

"کیا تم اس کا انجام بدل نہیں سکتیں؟"

"بہت مشکل ہے بجو!"

"کوئی مشکل نہیں ہے۔ تم آخری صفحہ پھر سے دیکھو۔"

"چھوڑو، اسے اس کے حال پر رہنے دو۔"

"بہت سنگدل ہو تم!"

"چلو یہی سہی!" شبنم نے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ انجم دوبارہ اپنی کورس کی کتاب کھول کر بیٹھ گئی۔

اس روز شبو ڈاکٹر احتشام کے دو ٹیوٹوریل جمع کروا کے ان کے کمرے سے باہر نکلی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے منوں بوجھ ٹل گیا ہو۔ وہ تزئین اور ارجمند کو ساتھ لے کر کنٹین چلی گئی۔ گرم گرم سموسے اور چٹنی کھاتے ہوئے وہ ان لوگوں سے بالکل فضول باتیں کرتی اور ہنستی رہی۔ کنٹین سے واپسی پر اسے ابا عبداللہ ملا جو ہاسٹل واپس جا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا اور قریب آگیا۔ دو چار رسمی سی باتیں کرنے کے بعد وہ بس اسٹاپ کی طرف چل دی۔ گھر پہنچ کر اسے سموسے کھانے کا بہت افسوس ہوا کیونکہ اسما باجی نے مٹر پلاؤ اور آلو کے کباب پکائے تھے اور سموسے کھا لینے کے بعد اس کے پیٹ میں برائے نام سی گنجائش تھی۔ وہ اسما باجی کے قریب آ کر مصنوعی ناراضگی سے بولی۔

"آپ نے صبح کیوں نہیں بتایا تھا کہ آج اتنا مزیدار کھانا پکانے کا پروگرام ہے آپکا؟"
"مگر صبح تک تو اس قسم کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔" اسما باجی مسکرائیں۔
"اب خود ہی بتایئے کہ میں مٹر پلاؤ اور آلو کے کبابوں کو کس پیٹ میں جگہ دوں؟"
"کرائے پر لے آؤ کسی کا پیٹ!"
"آپ اپنا پیٹ دے دیجئے کرائے پر!"
"معاف کیجئے محترمہ! میرا پیٹ کرائے کے لئے خالی نہیں ہے۔"
"لیکن محترمہ! میرا پیٹ کرائے کے لئے خالی ہے۔" عمران نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔
"تم چپ رہو جھوٹے، بے ایمان! ابھی تو میں دیکھ کر آئی ہوں کہ تم میز کے سامنے بیٹھے بڑی پھرتی سے یہ لوازمات اپنے پیٹ میں سمیٹ رہے تھے!" شبنم نے کہا۔
"اس سے آپ کو کیا مطلب؟" عمران اسما باجی کے قریب بیٹھ گیا اور ان کے ہاتھ سے کشیدہ کاری لیتے ہوئے بولا!
"دولہن بی بی! اپنا جہیز تیار کر رہی ہیں!"
"کیا بدتمیزی ہے عمران؟" اسما باجی جھینپ کر بولیں۔
شبنم مسکراتی ہوئی کھانے کے کمرے میں چلی گئی۔ پلاؤ اور کبابوں کی اشتہا انگیز خوشبو کی وجہ سے وہ بھوک سے زیادہ ہی کھا گئی۔ کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ اور اخبار لے کر بستر پہ دراز ہو گئی۔

اخبار میں وہی لڑائی جھگڑوں اور فسادات کی خبریں تھیں، ایک دوسرے کے خلاف الزامات تھے، امنِ عالم قائم کرنے کے جھوٹے دعوے تھے اور ایسی تجاویز تھیں جن پر نہ اس سے قبل کبھی عمل ہوا تھا اور نہ آئندہ عمل ہونے کا امکان تھا۔

"وزیرِ اعظم کوسیجن کا تاریخی دورۂ برطانیہ"

"ویت نام کے تصفیہ میں روس تعاون نہیں کرتا۔"

"قیامِ امن کی بات چیت کے لئے امریکی نمائندے مسٹر گولڈ برگ ویت نام جائیں گے۔"

"نیٹو ممالک اور وسطی یورپ میں روسی جاسوسوں کا جال۔"

"اردن کی سرحدوں پر اسرائیل کی شدید گولہ باری۔"

"نائیجیریا میں وفاقی نائیجیریا اور باغی بیافرا کے فوجی دستوں کے درمیان گھمسان کی جنگ۔"

نائیجیریا کے متعلق خبر پڑھتے ہوئے شبو کو اپنے کلاس فیلو عبداللہ کا خیال آگیا جس سے آج ہی گھر آتے وقت اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے سوچا نہ جانے ان دنوں اس کے احساسات کس قسم کے ہوں گے، وہ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب کو وطن چھوڑ کر اتنی دور پڑا ہوا ہے اور وطن کی حالت یہ ہے کہ وہ جنگ کے خوفناک اور مہیب شعلوں میں گھرا ہوا ہے۔ جنگ کی تباہکاریوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی لوگ بڑی دلیری سے جنگ کے شعلوں میں کود جاتے ہیں۔

جب لوگوں کا دین وایمان "اقتدار" اور "کرسی" بن جائے تو پھر ان کے نزدیک اچھے اور بُرے، غلط اور صحیح میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ ایسے لوگ یہ بھی نہیں سوچتے کہ ان کے اس خونی اقدام کا نتیجہ کیا ہوگا؟ قوم کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کا مستقبل کیا ہوگا؟ جنرل آئرونسی نے بھی یہ خونی قدم اٹھاتے وقت یہ سب باتیں نہیں سوچی ہوں گی۔ یقیناً اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے ایسے دبیز پردے پڑے ہوں گے۔ کہ اسے کچھ نظر نہیں آرہا ہوگا جبھی تو ——— ۱۵ر جنوری ۱۹۶۶ء کو اس نے نائیجیریا کی سرزمین کو جس خونی انقلاب سے روشناس کرایا تھا اس کی خوفناک سزا نائیجیریا کی قوم آج تک بھگت رہی ہے۔ آئرونسی کا تختہ الٹنے کے لئے کرنل یعقوبو گوان میدان میں آگیا اور یعقوبو گوان کا مقابلہ کرنے کے لئے باغی بیافرا کا لیڈر کرنل اجوکوئے اَن ٹپکا جو کبھی اس کا ساتھی تھا اور نہ جانے ابھی کتنے لوگ اور آئیں گے جو ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے رہیں گے۔ اور قوم کو غربت و افلاس اور فاقہ زدگی کی لعنتوں کا سامنا کرنے کے لئے بھٹکتا ہوا چھوڑ دیں گے۔

شبو نے سیلف پر پڑا ہوا اخبار اٹھا لیا اور فلموں کے اشتہار دیکھنے لگی۔ یونہی اخبار دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور اخبار ہاتھ سے گر کر بستر پر گر پڑا۔ شام کو وہ دیر تک سوتی رہی۔ انجم نے اسے اٹھایا تو کمرے کے باہر بچوں کی چیخ و پکار کی آواز سنائی دی۔

"یہ کیسا شور ہے بجو؟" اس نے پوچھا۔

"روفی اور سہیل لڑ رہے ہیں آپس میں!"

"کیوں کیا بات ہے؟"

"دونوں اس کوشش میں ہیں کہ سہیل کو ان کی گود میں دیا جائے!" انجم مسکرائی۔

شبنم آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ گئی۔

"یاسمین بھابی اور خالہ امی آئی ہیں۔" انجم نے کہا۔

"اچھا — کب آئیں؟"

"تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہوا۔"

شبنم منہ دھونے کے لئے غسل خانے میں چلی گئی۔ پھر وہ اپنے کمرے سے نکل رہی تھی کہ اسی وقت آصف آ گیا۔ اس کے ساتھ پھوپھی اماں بھی تھیں۔ وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئی۔

"تسلیم پھوپھی جان!" وہ قریب جا کر بولی

"جیتی رہو۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

آصف نے گاڑی کو لاک کرتے ہوئے اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔

اس نے آصف کو گھور کر دیکھا اور اس کے ساتھ اندر آ گئی۔ ڈرائنگ روم میں سامنے ہی خالہ امی اور یاسمین بھابی بیٹھی تھیں۔ ان کے برابر والے صوفے پر چھوٹی بھابی سہیل کو گود میں لئے بیٹھی تھیں۔ اس نے خالہ امی کو سلام کیا تو اس نے اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔ اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ان کی نگاہوں میں ہارون کا چہرہ گھوم گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی اور ان لوگوں کے لئے چائے اور دیگر لوازمات کی تیاری میں اسماء باجی کا ہاتھ بٹانے لگی۔ ان لوگوں کے آنے سے گھر میں بہت چہل پہل ہوگئی تھی۔ رات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ سب رخصت ہوگئے تو وہ کھانا کھا کر چھت پر آگئی۔ اِدھر سے اُدھر ٹہلتے ہوئے وہ بڑی عجیب عجیب سی باتیں سوچنے لگی۔ اسے اپنے اردگرد بڑی شدید تنہائی کا احساس ہوا۔ اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔ اوائل تاریخوں کا مدھم سا چاند بڑی اداسی سے اس کی طرف تک رہا تھا۔ ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کا قافلہ خاموشی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ بادل آسمان پر تیرتے ہوئے سے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کا دل انجانے غموں کے بوجھ تلے دب کر رہ گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنے اڑتے ہوئے آنچل کو سنبھالا اور نیچے اتر آئی۔ اپنے کمرے کے دروازے کے قریب ایک لمحہ کو رک کر اس نے دیکھا انجم جھکی ہوئی اپنا جرنل بنا رہی تھی۔ امی اور اسماء باجی کے کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ ریحان بھائی اور چھوٹی بھابی بھی وہیں تھے۔ ایک لمحہ کو اس نے سوچا، وہ بھی انہی لوگوں کے پاس بیٹھ کر باتیں کرے لیکن پھر اس نے ارادہ بدل دیا اور اس کے قدم ابا میاں کی لائبریری کی طرف اٹھ گئے۔ الماری سے وہ بوطیقا نکال کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ لیکن اس وقت ذہنی کیفیت اتنی عجیب سی ہو رہی تھی کہ "بوطیقا" جیسی کتاب پڑھنے پر دل آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر کتاب کو وہیں ٹکا دیا۔ اور ایک بہت پرانے رسالے کا خاص نمبر اٹھا لیا اور قرۃ العین حیدر کا بہت دفعہ کا پڑھا ہوا ناولٹ "سیتا

برن پڑھنے لگی۔ عینی کا یہ افسانہ اسے بے انتہا پسند تھا۔ ہر بار اس افسانے کو پڑھ کر اس کی وہی کیفیت ہوتی تھی جو پہلی دفعہ پڑھ کر ہوئی تھی۔ افسانہ پڑھ کر وہ اٹھی تو اس کی نظریں ابا میاں کی تصویر کی طرف اٹھ گئیں۔ چند لمحے وہ ٹکٹکی باندھے تصویر کو دیکھتی رہی لیکن قبل اس کے کہ اس کی آنکھوں میں نمی آتی وہ تیزی سے لائبریری سے باہر آگئی، اور بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی طرف آگئی۔ سب کمروں میں اندھیرا تھا۔ صرف عمران کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ انجم بھی سو گئی تھی۔ ان دونوں کے کمرے میں زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی لیکن پھر بھی وہ بستر پر لیٹ گئی۔ اور بہت رات گئے تک اس کا ذہن الجھے الجھے خیالات کی آماجگاہ بنا رہا۔

پل، ساعت اور لمحے وقت کی لہروں میں گم ہوتے جا رہے تھے۔ صبح اور شام ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہوئے بڑی تیزی سے گزر رہے تھے۔ اجالے اندھیروں میں تحلیل ہو رہے تھے اور زندگی نت نئے تغیرات سے دوچار ہو رہی تھی۔

امتحانات بالکل قریب آگئے تھے۔ انجم اور شبنم اسٹڈی میں ہر وقت مصروف رہتی تھیں اور پھر ـــ امتحانات شروع ہو گئے۔ ہر پرچہ دے کر آنے کے بعد یوں محسوس ہوتا جیسے سر سے کچھ بوجھ اتر گیا ہو۔ آخری پرچہ دے کر شبنم بالکل پرسکون ہو گئی۔ انجم کا ایک پرچہ ابھی باقی تھا۔ پریکٹیکل بھی باقی تھے۔ شبنم کے پرچے اس سال توقع سے کہیں زیادہ اچھے ہوئے تھے۔ ویسے اس نے محنت کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اپنے پرچے ختم

ہونے کے دوسرے دن اسے پھر یونیورسٹی جانا پڑا۔ کمال پاشا، یوسف اور عبداللہ نے اسے بڑے اصرار سے بلایا تھا۔ اس روز ـــــ اپنی سہیلیوں تزئین، ارجمند اور کلثوم کے ساتھ اس نے کمال پاشا، یوسف اور ابوعبداللہ سے باتیں کیں اور خلافِ عادت بہت زیادہ چائے پی۔ تزئین، ارجمند اور کلثوم کچھ دیر بعد جمنازیم کی طرف چلی گئیں۔ وہاں کلاس کے کچھ لڑکے اور لڑکیاں ان کے منتظر تھے۔ ان تینوں لڑکوں نے اپنی آٹوگراف بکس پر شبنم کے دستخط لیئے۔ شبنم بہت انکار کرتی رہی۔ اسے ان کی اس فرمائش پر بے تحاشا ہنسی آئی۔ اس نے انہیں لاکھ سمجھایا کہ وہ کوئی اہم ہستی نہیں ہے اور نہ ہی لیاقت و قابلیت کے اعتبار سے اسے ان لوگوں پر فوقیت حاصل ہے۔ مگر وہ ان کے بے پناہ اصرار پر مجبور ہو گئی۔

شبنم کو امتحان سے فرصت ملی تو وہ اسماء باجی کے جہیز کی تیاری میں امّی اور اسماء باجی کا ہاتھ بٹانے لگی۔ اور انہی دنوں گھر میں وہی پرانا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ بھابی نے ریحان بھیا سے پھر وہی فرمائش کرنی شروع کر دی کہ میں سب کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ الگ گھر لے کے رہو۔

ریحان بھیا نے انہیں بہت سمجھایا لیکن ان کے اوپر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس دفعہ ان کا پارہ کچھ زیادہ ہی ہائی ہو گیا تھا۔ ریحان بھیا نے بالکل خاموشی اختیار کر لی ــ تو بھابی نے رونا اور جھینکنا" شروع کر دیا۔ جب اس سے بھی کام نہ چلا تو ہر وقت گھر کے کسی نہ کسی فرد پر بلاوجہ غصہ اتارنا شروع کر دیا۔ گھر کی چیزیں پٹخی اور پھینکی جانے لگیں۔ امی بھی آخر کب تک خاموش رہتیں۔ انہوں نے بھی سمجھانے بجھانے کی کوشش کی مگر وہ

اور زیادہ گرم ہو گئیں۔ نتیجہ میں لڑائی جھگڑا اور بڑھ گیا۔ چھوٹی بھابی نے اپنے کپڑے سمیٹنے شروع کر دیئے۔

"میں اب اس گھر میں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رہ سکتی" انہوں نے بے حد غصے میں کہا اور پڑوس کے ایک بچے سے ٹیکسی منگوا کر بچوں کو لے کر میکے چلی گئیں۔ گھر کے ایک ایک فرد نے انہیں روکا۔ سوٹ کیس ہاتھ سے لے کر رکھ دیا لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی۔ ریحان بھیا آفس گئے ہوئے تھے۔ امی کو اختلاجِ قلب کا دورہ پڑ گیا۔ تینوں بہنیں پریشان ہو گئیں۔ ان لوگوں کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ اسی وقت عمران آ گیا۔ عمران بے چارہ نیم ڈاکٹر تو بن ہی چکا تھا۔ کچھ دیر وہ اپنی کارکردگی دکھاتا رہا تو امی کی طبیعت قدرے سنبھلی۔

شام کو ریحان بھیا آفس سے واپس آئے تو وہ گھر کا یہ نقشہ دیکھ کر سر تھام کر رہ گئے۔ امی کی طبیعت پھر بہت خراب ہو گئی تھی۔ وہ ڈاکٹر کو ساتھ لے کر آئے۔ ڈاکٹر کے واپس جانے کے بعد امی نے ریحان بھیا سے اصرار کیا کہ وہ بھابی کو منا کر لائیں۔ ریحان بھیا گئے مگر ناکام واپس آئے۔ نہ صرف اسی روز بلکہ اس کے بعد بھی تین چار دفعہ ریحان بھیا نے اپنی سی کوشش کی لیکن چھوٹی بھابی کا وہی ایک فیصلہ تھا۔ مجبوراً امی نے ریحان بھیا سے کہا کہ الگ گھر لے لو۔ انہوں نے بھی سوچا کہ ان روز روز کے جھگڑوں سے تو یہی بہتر ہے کہ وہ لوگ الگ ہی رہیں۔

کرائے کے مکان کے لئے بھی خاصی دوڑ دھوپ کرنی پڑی۔ آخر خدا خدا کر کے

سوسائٹی میں ایک مکان مل گیا اور یہ جھگڑا ختم ہوا۔ تقریباً ایک مہینے تک تو چھوٹی بھابی بالکل لاتعلق سی رہیں۔ ایک دفعہ بھی آکر نہیں جھانکا۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اس بات کا خیال کرتیں کہ سسرال میں پہلی لڑکی کی شادی ہونے والی ہے۔ بڑی بھاوج ہونے کے ناطے نندوں کا کچھ ہاتھ بٹاتیں، کوئی مشورہ دیتیں مگر انہوں نے تو پلٹ کر بھی نہ پوچھا محلے والے سبھی افسوس کرتے تھے۔ خالہ امّی، یاسمین بھابی، پھوپھی اماں اور ان کی لڑکیاں جہیز کی تیاری میں اور چیزوں کی خریداری میں مدد کر رہی تھیں۔ رخشندہ اور ثروت آپا بےچاری بھی ہاتھ بٹا رہی تھیں

کچھ عرصہ بعد چھوٹی بھابی کو خود ہی خیال آیا اور انہوں نے آنا جانا شروع کر دیا۔ کاموں میں بھی تھوڑا بہت ہاتھ بٹانے لگیں۔ ہو سکتا ہے دنیا دکھاوے کے لیے ہی انہوں نے یگانگت کا اظہار شروع کیا ہو۔

ذیشان بھیا اور سلمان بھیا کو بھی خط لکھے گئے کہ اسماء کی شادی قریب ہے۔ اگر چھٹی مل جائے تو شرکت کر لیں۔ سلمان بھیا کو تو چھٹی مل ہی نہیں سکتی تھی البتہ ذیشان بھیا نے لکھا کہ وہ شادی میں شرکت کرنے ضرور آئیں گے۔ انہیں دو مہینے کی چھٹی مل جائے گی۔ باہر جانے کے بعد ذیشان بھیا پہلی مرتبہ وطن آ رہے تھے۔ بہنوں کی خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ ریحان بھائی بےحد خوش تھے اور امّی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

ذیشان بھیا نے آنے سے قبل امّی کے نام خط لکھا کہ میں نے آپ کی اجازت کے بغیر یہاں ایک مصری لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اسے بھی

ساتھ لیتا آؤں؟

یہ خبر سب کو اچانک ہی معلوم ہوئی تھی۔ سب حیرت زدہ سے رہ گئے لیکن اس خبر کو سن کر ناخوش کوئی بھی نہ ہوا۔ ذیشان بھیّا حسبِ وعدہ شادی سے دو ہفتے قبل ہی اپنی بیوی کے ساتھ وطن آ گئے۔ ایئر پورٹ پر ان لوگوں کو لینے امی کے سوا سبھی گئے تھے۔ خالہ امّی، یاسمین بھابی، فاروق بھائی اور پھوپھی اماں بھی مع اپنے بچوں کے انہیں لینے گئی تھیں۔ اتنی طویل مدت کے بعد ذیشان بھیّا اپنوں کے درمیان کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں خوشی سے جھلملا گئیں۔ باری باری وہ سب سے ملتے رہے۔ بہنوں کو گلے سے لگاتے رہے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے۔ بچوں کو پیار کرتے رہے۔ خالہ امی اور پھوپھی اماں کی دعائیں لیتے رہے۔ عمران کو انہوں نے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا:

"ماشاء اللہ!"

وہ تو سب کو بالکل چھوٹا چھوٹا سا چھوڑ کر گئے تھے۔ یاسمین بھابی تو ایک طرح سے ان کے لئے اجنبی ہی تھیں کیونکہ انہوں نے ان کی صرف دو ایک تصویریں ہی دیکھی تھیں۔ جو شبنم نے انہیں بھیجی تھیں۔ شبنم دل ہی دل میں چشمِ بد دور کہتے ہوئے ذیشان بھیا کو تکے جا رہی تھی۔ کس قدر خوبصورت اور شاندار لگ رہے تھے وہ ـــ اور ذی شان بھیّا کی مصری دولہن ایک طرف چپ چاپ کھڑی سب کو تکے جا رہی تھی۔ یکایک ذیشان بھیّا کو اس کا خیال آیا اور انہوں نے اپنی دولہن کو آگے کر کے سب سے تعارف کروایا۔ تعارف کا سلسلہ ختم ہوا تو گھر جانے کا بھی خیال آیا۔

گھر پہنچتے پہنچتے اچھی خاصی دیر ہو گئی۔ امی برآمدے کی سیڑھیوں کے قریب منتظر کھڑی تھیں۔ ذیشان بھیا جونہی گاڑی سے اترے امی نے اپنی دونوں بانہیں پھیلائیں۔ ذیشان بھیا لمبے لمبے ڈگ بھرتے ان کے قریب پہنچے اور "میری امی" کہہ ان سے بے انتہا لپٹ گئے۔ ان کی خوبصورت آنکھوں میں نمی سی تیر گئی تھی۔ امی کے ہونٹ فرطِ طرب سے کپکپا رہے تھے اور آنکھوں میں بے شمار ستارے جھلملا رہے تھے۔ وہ ذیشان بھیا کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بڑی محبت سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ذی شان بھیا نے امی کے بالوں میں چمکتے ہوئے چاندی کے تاروں کو بڑی افسردگی سے دیکھا اور پھر پیچھے پلٹ کر نزدیک کھڑے لوگوں کے ہجوم میں اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ وہ سب کے درمیان سر جھکائے کھڑی تھی۔

"امینہ!!" ذیشان بھیا نے پکارا

امینہ بھابھی نے چونک کر اپنی کالی کالی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا اور آہستہ روی سے ان کے قریب آگئیں۔ ہاتھ اٹھا کر بڑی متانت سے امی کو سلام کیا۔ امی نے آگے بڑھ کر انہیں سینے سے لگا لیا۔ ان کی پیشانی کو چومتے ہوئے امی نے ہولے سے کہا

"چشم بد دور!"

امینہ بھابی کا چہرہ دفورِ حیا سے گلنار ہو گیا۔

شبنم نے سوچا:

"امی نے امینہ بھابی کی تعریف میں مبالغہ نہیں کیا۔ وہ سچ مچ بے حد نازک اور

پیاری ہیں۔"

"شبو بیٹی! بھابی کو ان کا کمرہ دکھاؤ اور ان کے غسل کا انتظام کرو۔" امی نے کہا۔

شبو ان کو ساتھ لے کر ان کے کمرے میں آگئی۔ ریحان بھیا اور بھابی والا کمرہ ان کے جانے کے بعد خالی پڑا رہتا تھا۔ وہی ان لوگوں کے لئے آراستہ کر دیا گیا تھا۔ ریحان بھیا گھر کے ایک ملازم کے ذریعے ان دونوں کا سامان کمرے میں رکھوا رہے تھے۔ اس ملازم کو حال ہی میں رکھا گیا تھا کیونکہ شادی کے سلسلے میں کام بہت بڑھ گیا تھا۔

ریحان بھیا اور ملازم سامان رکھوا کر چلے گئے تو شبو آمنہ بھابی کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ جواباً وہ بھی دھیرے سے مسکرا دیں۔

"آپ اردو سمجھ لیتی ہیں بھابی؟" شبو نے پوچھا

"ہاں خوب اچھی طرح!"

"اردو بول بھی لیتی ہیں؟"

"ہاں ذی شان نے بہت محنت کی ہے اردو سکھانے کے لئے!"

"ہاں! ہمارے بھیا ہر معاملے میں بہت محنتی آدمی ہیں۔" شبو کے لہجے میں فخر محبت اور پیار، سبھی کچھ تھا۔

آمنہ بھابی نے شبو کی جھکی ہوئی پلکوں کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں اس کی پرکشش صورت کو سراہے بغیر نہ رہ سکیں۔

شبو نے ان سے چابیاں لے کر ان کا سوٹ کیس کھولا اور ان کا تولیہ اور کپڑے

نکالے۔ ان کے لئے شلوار قمیض نکالتے ہوئے ایک دم جانے اسے کیا سوجھی کہ اس نے ساڑی نکال لی۔

"ارے نہیں، ساڑی نہیں!" وہ ایک دم بولیں۔

"کیوں بھابی؟" شبّو مسکرائی۔

"ساڑی میں گرمی لگتی ہے۔" امینہ بھابی نے پریشان ہو کر کہا۔

"پلیز بھابی! میری خواہش پر!"

"اچھا جیسی آپ کی مرضی!" وہ بڑی نرمی سے بولیں۔

امینہ بھابی غسل کرنے چلی گئیں تو اسے اپنے مصری کلاس فیلو کمال پاشا کا خیال آ گیا۔ وہ بھابی کا سامان ٹھیک سے رکھتے ہوئے اس کے متعلق سوچ رہی تھی ——— تبھی ذیشان بھیا اندر آ گئے۔

"تم رہنے دو شبّو رانی! تمہاری بھابی خود ٹھیک کر لیں گی۔" ذیشان بھیا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی حرج نہیں بھیا! میں ٹھیک کر لوں گی!"

ذیشان بھیا دریچے کے قریب جھک کر سگریٹ سلگانے لگے تو وہ شریر نظروں سے ان کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور دھیرے سے بولی؛

"ذیشان بھیا!"

"ہوں؟" انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ایک بات کہوں ؟"

"ضرور ــــ ایک نہیں دو کہو۔" وہ مسکرائے۔

"بھابی بہت پیاری ہیں۔" شبنم کے لہجے میں بے پناہ محبت تھی۔

"کیا واقعی ــــ ؟" ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"جی ہاں ــــ واقعی !"

"ہاں ! انہیں معلوم ہے نا، کہ ہماری ایک بہن کا ذوق بہت ہی اونچا ہے اس لئے ہم نے بہت محتاط ہو کر انتخاب کیا۔" ذیشان بھیا کے ہونٹوں پر بڑی پیاری سی مسکراہٹ تھی۔ شبنم جھینپ کر رہ گئی اور وہ مسکراتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد امینہ بھابی نہا کر آئیں تو شبنم انہیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ہلکے گلابی رنگ کی ساڑی اور بلاؤز میں وہ بے پناہ حسین لگ رہی تھیں۔ وہ اپنی آنکھوں میں پیار سمیٹے ان کے قریب آگئی اور ان کی ساڑی کی فال ٹھیک کرتے ہوئے بولی،

"میں نے تو سنا ہے اور یونیورسٹی میں دیکھا بھی ہے کہ مصر اور اردن کی لڑکیاں اور عورتیں بڑے مضبوط جسم کی مالک ہوتی ہیں۔ ان میں نزاکت نہیں ہوتی۔ پھر آپ کیسے اتنی نازک ہیں ؟"

امینہ بھابی اس بات کا کیا جواب دیتیں۔ وہ چپ چاپ کھڑی مسکراتی رہیں اسی اثناء میں ذیشان بھیا کمرے میں آگئے۔ امینہ بھابی ان کے لئے کپڑے نکالنے لگی۔ ذیشان بھیا غسل خانے میں چلے گئے۔ تو شبو امینہ بھابی کے ساتھ انہی کے کمرے میں آگئی۔

"امی! آپ ہماری بھابی کو رونمائی کب دیں گی؟" شبو نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے، دو ایک روز میں بھابی کو باقاعدہ دولہن بنا کر ایک چھوٹی موٹی تقریب میں سب لوگ ہماری بھابی کو رونمائی دے دیں۔" عمران نے کہا

عمران کی تجویز سے سب لوگوں نے اتفاق کیا تو عمران اپنے آپ کو کوئی بہت بڑی شخصیت سمجھتے ہوئے بڑے فخر سے سب کی طرف دیکھا اور جیب سے ایک چاکلیٹ نکال کر بھابی کے قریب آ گیا۔ ان کے سر پر ساڑی کا آنچل ڈالتے ہوئے بولا

"بھابی ——— ! میری طرف سے تو آپ ابھی رونمائی لے لیں!" اس نے ان کا ہاتھ پھیلا کر اس پر چاکلیٹ رکھ دی۔

امینہ بھابی بے چاری حیران پریشان کھڑی تھیں۔

"اب آپ مجھے جھک کر سلام کیجئے!" عمران نے کہا۔

"اے نالائق! تنگ مت کرو میری بھابی کو۔" شبو نے کہا۔

خالہ امی نے بھی اسے پیار سے ڈانٹا۔ پھوپھی اماں اس کے کان کھینچنے کے لئے آگے بڑھیں تو فوراً کمرے سے باہر نکل گیا۔

رات کے کھانے کے بعد ذیشان بھیا اور امینہ بھابی اپنے لاتے ہوئے تحائف سب کو دیتے رہے۔ اس وقت بھی ایک ہنگامہ جاری رہا اور عمران اپنی شرارتوں سے سب کو تنگ کرتا رہا۔

ذیشان بھیا کی آمد کے تیسرے روز امی نے عمران کی تجویز کے مطابق ایک چھوٹی

سی تقریب کا اہتمام کیا۔ جس میں گھر کے افراد کے علاوہ خالہ امّی اور پھوپھی، ماں کے گھر کے سبھی افراد شریک ہوئے۔ شبو نے امینہ بھابی کو سرخ زرتار ساڑھی اور زیورات پہنا کر بڑی نفاست سے ان کا میک اپ کر دیا اور پھولوں کے گہنے پہنا کر انہیں شعلہ جوالا بنا دیا۔

امینہ بھابی پر قیامت کا نکھار آیا تھا۔ ہر شخص ان کی حسین اور من موہنی سی صورت کی تعریف کر رہا تھا لیکن امینہ بھابی بڑی حیران پریشان اور گھبرائی ہوئی سی تھیں، وہ اپنے سرد ہاتھوں میں شبو کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھیں اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد بڑی آہستگی سے اس سے کہتی تھیں:

"شبو! آئی ایم ناٹ فیلنگ ویل!"

"بھابی سویٹ! تھوڑی دیر کی بات ہے!" شبو مسکرا کر انہیں تسلی دیتی۔

ہر شخص نے امینہ بھابی کے حسین چہرے کا دیدار کر کے انہیں حسب حیثیت کچھ نہ کچھ دیا۔ اس کے بعد کھانے پینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ بڑی مشکل سے امینہ بھابی کو اس پریشانی سے نجات ملی۔ تو وہ اطمینان کا سانس لے کر کپڑے تبدیل کرنے چلی گئیں۔ سیدھی سادی شلوار قمیض اور دوپٹے میں وہ باہر نکلیں تو عمران ان کے قریب آیا:

"ایمان سے بھابی! اتنی سویٹ لگ رہی تھیں آپ!" وہ اپنے کندھے پر لٹکے کیمرے کو جھلاتے ہوئے بولا۔

امینہ بھابی سرخ ہو گئیں۔

"بس میں نے آپ کو اس کیمرے میں محفوظ کر لیا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوسری طرف مڑ گیا۔

اینہ سجابی سوچتی رہ گیئں کہ اس گھر میں کون ایسا فرد ہے جو محبت و یگانگت کے اظہار میں بخل سے کام لیتا ہو۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہنس مکھ، غمگسار، وفا کیش اور قابلِ عزت ——— !!

اور اس روز ——— اسماء باجی کی شادی تھی۔ گھر میں بے پناہ ہنگامے تھے۔ ہر شخص مصروف نظر آرہا تھا۔ روشنیوں اور خوشبوؤں کا سیلاب امنڈ پڑ رہا تھا۔ لہراتے ہوئے آنچل، سرسراتے ہوئے ریشمی غرارے، حسین و دلفریب ساڑیاں — جدھر نظر اٹھتی تھی حسن اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ نظر آتا تھا۔ بارات آنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ سبھی لوگ تیار ہو چکے تھے لیکن شبّو ویسے ہی سر جھاڑ اور منہ پھاڑ پھر رہی تھی۔ اسماء باجی کی شادی کے لئے امّی نے امینہ بھابی کے لئے غرارے کا سوٹ بنایا تھا۔ شبو انہیں بنانے، سنوارنے میں مصروف تھی۔ آسمانی رنگ کے غرارہ سوٹ میں امینہ بھابی بے حد پیاری لگ رہی تھیں اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد گھبرا کر شبو سے پوچھتی تھیں،

"شبّو — چلنے میں پریشانی تو نہیں ہو گی نا؟"

"فکر نہ کریں بھابی۔ میں آپ کے ساتھ ساتھ رہوں گی!" شبّو انہیں تسلی دیتی۔

شبّو نے انہیں نک سے سک تک سنوارنے کے بعد تنقیدی نگاہ سے ان کا جائزہ لیا۔ پھر ایک دم اس کی آنکھوں میں شرارت کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ وہ شوخی سے بولی:

"ذیشان بھیا کو بلا لاؤں اب؟"

امینہ بھابی نے پیار سے اس کے شہابی رخسار پر چپت لگائی اور مسکراتے ہوئے بولیں

"کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ اب تم خود جلدی سے تیار ہو جاؤ!"

"بسر و چشم! اب آپ ہی کے حکم کی تعمیل ہو گی!" وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

جب وہ کپڑے بدل کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو ان بے پناہ ہنگاموں اور رنگ و نور کے سیلاب میں اسے ہارون کا خیال یک بیک بڑی شدت سے آیا۔ وہ بال کھولے کنگھا ہاتھ میں لیے، مہر بلب خلاؤں میں گھور رہی تھی کہ خالہ امی ادھر آنکلیں۔ مگر وہ یوں گم سم کھوئی کھوئی سی کھڑی تھی کہ اسے خالہ امی کے وجود کا احساس تک نہ ہو پایا۔ انہوں نے بڑی حیرت سے اُسے دیکھا۔ پھر آہستہ سے اسے پکارا:

"شبّو!"

شبّو یک لخت چونک اٹھی۔

"کس سوچ میں ڈوب گئی تھیں تم؟" انہوں نے پیار سے پوچھا

"جی۔ وہ — کچھ نہیں — کچھ بھی تو نہیں!" وہ پریشان ہو گئی۔

خالہ امی کو ایک دم ہی احساس ہو گیا کہ وہ کن سوچوں میں گُم تھی۔ ان کی نگاہوں میں ہارون کا چہرہ گھوم گیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر شبّو کو سینے سے لگا لیا۔ ان کی اتنی شفقت پاکر شبّو کا دل سسکار کر رو اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو مچل گئے۔ مگر اس نے آنکھیں جھپکا کر آنسوؤں کو پی لیا۔ خالہ امی نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا، چند لمحوں کے لئے اس کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولیں۔

"تم تو کبھی بھی اتنی کمزور دل نہیں تھیں شبّو!"

شبّو خاموش رہی مگر اس نے سوچا۔ وہ خالہ امی کو کیسے بتائے کہ یہ سب کچھ ہارون کا عطا کردہ ہے۔

خالہ امی چلی گئیں تو اس نے دراز سے ہارون کی تصویر نکال لی۔ چند لمحے تصویر کو دیکھتی رہی پھر زیرِ لب بولی،

آپ نے یہ کن جذبات سے مجھے آشنا کر دیا ہے، خود کو بہت سمجھاتی ہوں مگر اس دل کی دھڑکنیں کیسے جاتی ہیں کہ اب یہ دل بس میں نہیں!"

کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ ہوئی تو اس نے تصویر دراز میں واپس رکھ دی اور بڑی بے دلی سے بال بنانے لگی ـــــــــــــــ تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلی تو امینہ بھابی مل گئیں۔ انہوں نے بڑی حیرت سے اس کے اداس چہرے کی طرف دیکھا مگر یہ سوچ کر کچھ نہیں پوچھا کہ اسماء کی جدائی کے خیال سے اداس ہو گی۔ وہ آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام کر باہر آ گئیں۔

اور پھر ـــــ ایک دم "بارات آ گئی!" کا شور بلند ہوا۔ وہ امینہ بھابی اور دوسری لڑکیوں کے ساتھ سمدھنوں کا استقبال کرنے کے لئے آگے بڑھ گئی۔ ہنگاموں اور شور و غل کے درمیان لمحات آہستہ آہستہ سرکتے رہے۔ بڑی بوڑھیاں اپنی اپنی رسمیں کرتی رہیں اور تب ـــــ چپکے سے وہ لمحات بھی آ گئے جب اسماء باجی اپنوں کو چھوڑ کر جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ وقتِ رخصت بے شمار آنسو تھے، ان گنت سسکیاں تھیں اور لاتعداد دعائیں تھیں۔ انہی آنسوؤں، سسکیوں اور دعاؤں کے ہجوم سے گزر کر اسماء باجی گھونگھٹ کی اوٹ میں آنسو بہاتی ہوئی چلی گئیں۔

اسماء باجی کیا گئیں، گھر کی ساری رونق، سارے ہنگامے اپنے ساتھ سمیٹ کر لے گئیں۔ اُن کے کمرے میں بچھا ہوا اسماء باجی کا پلنگ تنہا رہ گیا۔ وہ تو امینہ بھابی اور ذیشان بھائی کی موجودگی کی وجہ سے گھر میں کچھ چہل پہل تھی ورنہ تو تنہائی اور اداسی کا زہر جانے کیا رنگ لاتا۔

اسماء باجی کی شادی کے تیسرے روز شبو کے نام ہارون کا خط آیا۔ خط اگرچہ خاصا طویل تھا مگر اس کی ہر سطر سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہارون ان دنوں ذہنی طور پر بہت الجھے ہوئے ہیں۔ وہ ہمیشہ بڑی نفاست سے خط لکھا کرتے تھے۔ ان کے خط میں کوئی جملہ تو درکنار کبھی کوئی لفظ بھی نہیں کٹا ہوا ہوتا تھا مگر اس خط میں تو جا بجا پورے پورے جملے لکھ کر کاٹ دیئے گئے تھے۔ شبنم ان کا خط پڑھ کر دیر تک دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھی رہی۔ وہ تو غنیمت تھا کہ اس وقت وہاں کوئی موجود نہیں تھا ـــــ پھر کمرے کے باہر

کسی کے قدموں کی آہٹ ہوئی تو وہ چونک گئی۔ امینہ بھابی انجم کے ساتھ آ رہی تھیں۔ شبو کے ہاتھ میں لفافہ دیکھ کر وہ معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔ شبنم بھی جواباً دھیرے سے مسکرا دی۔ انجم نے امینہ بھابی کے کان میں چپکے سے کچھ کہا وہ ایک دم ہنس پڑیں۔ پھر شبو کے قریب آ کر دھیرے سے بولیں،

"نہیں بھئی ہم اپنی شبو کو تنگ نہیں کریں گے۔"

لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ اس وقت امینہ بھابی کی رگ شرارت بھی پھڑک رہی تھی۔ وہ انجم کی تجویز سے اتفاق نہ کرنے کے باوجود کچھ دیر شبنم کو تنگ کرنے سے باز نہ رہ سکیں۔

امینہ بھابی پہلی دفعہ پاکستان آئی تھیں اس لئے ہر روز نت نئے پروگرام بننا لازمی تھا۔ ہر آنے والا دن انتہائی مصروفیت کے عالم میں گزرتا۔ سبھی رشتہ دار امینہ بھابی اور ذیشان بھیا کی دعوت کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ کبھی دعوت ہے، کبھی پارٹی، کبھی پکنک، کبھی شاپنگ اور کبھی پکچر کا پروگرام۔ پکچر اور شاپنگ کے علاوہ باقی سب جگہ امی بے چاری کو ضرور ساتھ گھسیٹ جاتا۔ وہ انکار کرتی رہ جاتیں مگر ذیشان بھیا ان کی ایک نہ سنتے۔

اور پھر ــــــ ذیشان بھیا کی چھٹیوں کے وہ تمام دن اتنے چپکے سے بیت گئے کہ آہٹ بھی نہ ہوئی۔ ذیشان بھیا نے پندرہ روز کی چھٹی اور بڑھوالی حالانکہ سب جانتے تھے کہ جس طرح دو مہینے اتنی جلد گزر گئے اسی طرح پندرہ دن بھی پلک جھپکتے میں گزر جائیں گے۔ لیکن پھر بھی یہ سوچ کر مطمئن تھے کہ خوشیوں کے دنوں میں کچھ اور دنوں کا اضافہ ہو جائے گا۔ ذیشان بھیا کی روانگی سے ایک ہفتہ پیشتر انجم کا رزلٹ آ گیا۔ وہ سیکنڈ ڈویژن میں

کامیاب ہوئی تھی۔ ذیشان بھیا نے اس کی کامیابی کی خوشی میں پارٹی دی۔ سب لوگوں نے اسے تحائف سے لاد دیا۔ ذیشان بھیا بار بار کہہ رہے تھے کہ کاش! شبو کا رزلٹ بھی ان کی موجودگی ہی میں آجائے اور شبو اپنے رزلٹ کے متعلق سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔

ذیشان بھیا کی چھٹیوں کے وہ دن بھی بڑی جلدی گزر گئے اور وہ سب کو روتا سسکتا چھوڑ کر چلے گئے۔ البتہ ہنگام رخصت وہ یہ وعدہ کر گئے کہ اب ہر دو سال بعد وہ ضرور وطن آیا کریں گے۔ امینہ بھابی نے شبو کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر کہا:

"شبو! میں تمہاری شادی میں ضرور آؤں گی چاہے ذیشان آئیں یا نہ آئیں۔"

امینہ بھابی کے خلوص سے متاثر ہو کر اس کی پلکیں بھیگ گئیں لیکن اس نے اپنی مسکراہٹوں کی کرنیں بکھیر کر پلکوں پر چمکتے موتیوں کو چھپا لیا۔

وقت آگے بڑھ گیا ——— اور اپنے پیچھے طویل اور لامتناہی سناٹوں اور ویران اُداسیوں کو چھوڑ گیا۔ گھر میں کچھ ایسی وحشت سی برستی تھی کہ ہر لمحے دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ گھر کے کسی گوشے میں شبو کا دل نہیں لگتا تھا حتیٰ کہ ابا میاں کی لائبریری میں بھی وہ زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ سنسان دوپہروں میں وہ کمرے کے دریچے کھولے چپ چاپ سامنے والی سڑک کی طرف تکتی رہتی۔ خاموش راتوں کو وہ برآمدے کی ریلنگ کے قریب کھڑی بے مقصد درختوں کے سرسراتے اور کانپتے ہوئے سایوں کو دیکھا کرتی۔ انجم بعض اوقات اسے اس طرح کھڑا دیکھ کر سہم جاتی۔ وہ اس سے اتنی طویل خاموشیوں کا مطلب پوچھنے کی ہزار کوشش کرتی مگر شبنم صرف ایک ہی بات کہتی۔

"مجھے خود نہیں معلوم نجو! میں تجھے کیا بتاؤں مگر۔۔۔۔۔"

"مگر ـــــ؟"

"جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ میری زندگی میں کوئی انقلاب آنے والا ہے۔"

"انقلاب!"

"ہاں! کوئی بہت بڑا انقلاب!"

"کیسی باتیں کر رہی ہو شبو؟"

"تم پریشان کیوں ہو گئیں؟ یہ بھی تو ممکن ہے کہ کوئی خوشگوار انقلاب آئے۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" نجو دل ہی دل میں کہتی اور چپ چاپ وہاں سے چلی جاتی ـــــ اس کے سوا وہ کرتی بھی کیا!

اور ـــــ اس روز ـــــ صبح وہ غسل کر کے نکلی تھی کہ عمران اخبار ہاتھ میں لئے تقریباً دوڑتا ہوا اس کے قریب آگیا!

"آپی ـــــ! میدان مار لیا ـــــ!"

شبو کا دل بڑی زور سے دھڑکا۔

"دیکھنے تو دو اخبار!" انجم نے عمران کے ہاتھ سے اخبار چھیننے کی کوشش کی۔

"نہیں کیا دیکھنے دیں! تم پرے ہٹو۔" عمران نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے" انجم جھنجھلا گئی۔

"چلو بدتمیزی ہی سہی۔"

"اچھا تو مجھے دیکھ لینے دو۔" شبنم نے کہا

"دیکھتا کیا ہے؟ مجھ سے پوچھیے اپنا رزلٹ!"

"ارے تو بابا! بتا بھی چکو!" شبنم پریشان ہوکر بولی

"نالائق ہے۔ نہ خود بتاتا ہے نہ دوسروں کو دیکھنے دیتا ہے۔" انجم نے کہا۔

"تم تو بڑی لائق ہو۔ شرم ہوئی سیکنڈ ڈویژن لاکر سمجھتی ہیں بڑا تیر مارا ہے۔"

"ابھی امّی سے شکایت کر دوں گی، اترائے چلا جارہا ہے۔"

"اُف بابا! تم دونوں تو آپس ہی میں لڑنے لگے۔ میرا رزلٹ تو بتا دو!" شبنم نے کہا۔

"فساد کی جڑ تو یہی ہے معلوم نہیں اس سے کس نے کہا تھا بیچ میں ٹپکنے کو؟" عمران نے انجم کو گھورا۔

"میں ابھی، امّی سے کہتی ہوں جاکر۔ خواہ مخواہ تنگ کررہا ہے شبو کو۔" انجم پیر پٹختی ہوئی چلی گئی۔

"اب تو بتا دو عمران!"

"پہلے آپ یہ بتایئے آپ مجھے انعام میں کیا دیں گی؟"

"جو کچھ مانگو گے دے دوں گی۔ تم اب میرے صبر کا مزید امتحان نہ لو۔"

"اچھا جایئے آپ بھی کیا یاد کریں گی۔ ماشاء اللہ نے آپ کو پہلی پوزیشن دے دی ہے۔" عمران کا انداز شاہانہ تھا۔

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔"

"کمال ہے آپ کو یقین نہیں آتا۔ یقیناً کچھ گھپلے والی بات ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ طالب علم کو تو پرچے دینے کے بعد خود ہی اندازہ ہو جاتا ہے اپنے رزلٹ کا۔"

شبنم خاموش رہی

"عابد ولمت کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے چونکہ ایسے پرچے نہیں کئے تھے جو آپ کو اپنی پہلی پوزیشن کا یقین ہوتا۔ اس سے ظاہر یہ ہوا کہ رزلٹ میں کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے"

"اپنی طرف سے جو چاہو قیاس آرائی کرتے رہو۔"

"میں قیاس آرائی نہیں کر رہا ہوں، حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ یقیناً کسی اور کی پہلی پوزیشن ہوگی، غلطی سے آپ کی آگئی ہے۔"

"اچھا کبھی اخبار مجھے دے دو!"

"اخبار تو بے شک آپ لے لیجئے مگر بہرحال آج مجھے یونیورسٹی جا کر انکوائری کرنی ہے!"

شبنم نے اس کے ہاتھ سے اخبار لے لیا۔ اسی وقت انجم امی کو ساتھ لے کر آگئی عمران جھپاک سے دروازے کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

"کیا رزلٹ رہا شبو؟" امی نے پوچھا۔

"ابھی دیکھتی ہوں امی۔" شبو نے اخبار پر جھکتے ہوئے کہا۔ انجم بھی اس کے ساتھ ہی اخبار پر جھک گئی۔

"ہائے اللہ! شبو تم کتنی لکی (Lucky) ہو!" انجم اخبار دیکھ کر اس سے لپٹ گئی۔

"ارے بابا! مجھے تو کچھ بتاؤ۔" امی نے کہا۔

"امی شبو کی پہلی پوزیشن آئی ہے یعنی فرسٹ کلاس فرسٹ!"

امی کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ شبو کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے ان کے ہونٹ کپکپا گئے۔ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق زیرِ لب گیارہ مرتبہ "الحمد للہ" پڑھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔

"امی! میرے لئے مٹھائی کا ٹوکرا!" عمران نے دروازے کے پیچھے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"ارے صرف ٹوکرا! کم از کم دکان کی فرمائش کی ہوتی!" شبو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ پیٹو! اس کا تو دکان میں بھی بھلا نہ ہوگا!" انجم نے کہا۔

"تم تو سب کو اپنی طرح سمجھتی ہو۔" عمران نے کہا۔

"اچھا آؤ میرے ساتھ! الماری سے جا کر مٹھائی لا دو!" امی نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہا۔

"آتا ہوں امی، ذرا اپنی آپی کی پیٹھ تو ٹھونک بجا کر توڑ دوں!"

"تم کو تو قسم ہے جو کبھی ڈھنگ کی بات کرو۔" انجم نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا

عمران نے بڑے بزرگانہ انداز میں شبنم کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا شاباش

آپی مجھے آپ کی لیاقت سے یہی توقع تھی ــــ"

شبنم اس کے بزرگانہ انداز پر بے ساختہ ہنس دی۔

عمران سیٹی بجاتا ہوا باہر چلا گیا۔ شبّو نے اپنی فائل کھول کر دوسری لڑکیوں کے رول نمبر ملانے شروع کئے۔ کمال پاشا، عبداللہ اور یوسف حسین تینوں سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہو گئے تھے، اس کی قریبی سہیلیوں میں سے دو کی تھرڈ ڈویژن آئی تھی۔ اسے بے حد افسوس ہوا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ اور وضو کر کے نفلیں پڑھنے لگی۔

اور ــــ اس روز ایک بار پھر گھر میں ہنگامے جاگ اٹھے۔ آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ہر شخص ہار، پھول اور مٹھائی سے لدا پھندا چلا آرہا تھا۔ سب لوگ ایک زبردست قسم کی دعوت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ شور آصف، زلفی احمر، نازنین وغیرہ نے مچا رکھا تھا۔ عمران بار بار افسوس کر رہا تھا کہ شبّو کا رزلٹ ذیشان بھیا کی موجودگی میں کیوں نہ آگیا؟ انجم نالائق کی سڑی سی سیکنڈ ڈویژن پر انہوں نے ناحق ہی پارٹی دے دی تھی۔ اس کے بجائے مجھے دگنی رقم دے جاتے ہیں آپی کی شاندار کامیابی پر اتنی عمدہ دعوت کا انتظام کرتا کہ برسوں تک لوگ یاد رکھتے۔"

خالہ امی کا بس نہیں چل رہا کہ وہ شبّو کو اپنے دل میں چھپا لیں یا آنکھوں میں بسا لیں۔ آخر کو وہ ان کی بھانجی ہونے کے علاوہ ان کے چہیتے ہارون کی محبوبہ تھی۔ ان کی منگیتر تھی۔ انہیں ہارون کا خیال بڑی شدت سے آرہا تھا۔

رات تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ انجم اور گھر کا ملازم فخرالدین چائے اور کھانے کا انتظام کرتے کرتے تھک چکے تھے۔ اور تب وہ رخشندہ اور ثروت آپا کو خدا حافظ کہنے گیٹ تک گئی تھی کہ صولت بھائی آگئے۔ اسماء باجی اپنی ساس اور نندوں کے ساتھ دن ہی میں مبارکباد دینے آئی تھیں۔ ان کی ساس نندیں تو شام کو چلی گئی تھیں لیکن اسماء باجی کو انجم اور عمران نے روک لیا تھا۔ صولت بھائی کا اس روز آفس کے بعد کہیں اور جانے کا پروگرام تھا۔ بیچارے وہاں سے فرصت پاکر سیدھے چلے آئے تھے۔ صولت بھائی کی ان سب کی نظروں میں بڑی قدر تھی۔ وہ تھے بھی بے حد پیاری شخصیت کے مالک۔ ہنس مکھ، خوش مزاج، پرخلوص اور باوقار! اسماء باجی کو نہ صرف وہ بلکہ ان کے تمام گھر والے بے حد چاہتے تھے۔

شبو ثروت آپا اور رخشندہ کو خدا حافظ کہہ کر واپس آئی تو صولت بھائی برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس رک کر اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ قریب آئی تو صولت بھائی نے اس کے گلے میں گلاب کے پھولوں کا بڑا سا ہار ڈال کر اس کا سر تھپکتے ہوئے بڑے پیار سے شاباشی دی۔

"اوہ! صولت بھائی، میرا خیال ہے آج آپ کے گھر والوں نے پھولوں کی دوکان خرید لی ہے!"

"اپنے جملے کی وضاحت کرو۔"

"مطلب یہ ہے کہ دن میں آپ کے گھر والوں نے مجھے اتنے پھول پہنا دیئے

تھے کہ میں نظر بھی نہیں آرہی تھی۔ اب آپ کونسی کسر پوری کر رہے ہیں؟"

"ان لوگوں نے اپنی خوشی پوری کر دی۔ میں اپنی خوشی پوری کر رہا ہوں۔" صولت بھائی مسکرائے۔

اور جب صولت بھائی نے مٹھائی کا ڈبہ اس کے ہاتھ میں پکڑایا تو وہ سچ مچ ان سے ناراض ہو گئی۔

"ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے صولت بھائی!" شبنم منہ بنا کر بولی۔

"ہوں، ہوں! بُری بات، بڑوں سے ناراض نہیں ہوتے۔" صولت بھائی نے کہا اور وہ ان کے ساتھ امی کے کمرے میں آگئی۔

دوسرے روز شبنم یونیورسٹی گئی تو ہر طرف سے لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ اسے اتنی مبارکبادیں موصول ہوئیں کہ وہ پریشان سی ہو گئی۔ ڈبیٹر ہونے کی وجہ سے سائنس اور آرٹس دونوں فیکلٹیز میں اس کے بے شمار جاننے والے تھے۔ ہر شخص پارٹی کا تقاضہ کر رہا تھا۔ انجم کی سہیلیوں نے تو جان ہی کھالی۔ ڈیپارٹمنٹ کے چپراسی اور کامن روم کی بڑی بی ——— سبھی تو انعام و اکرام لینے کے منتظر تھے۔

سب کی فرمائشوں اور تقاضوں سے تنگ آکر امی کو پارٹی کا انتظام کرنا ہی پڑا۔

رزلٹ کے دوسرے ہی روز شبّو کو ہارون کا خط موصول ہوا۔ خط کے ہر ہر لفظ سے بھرپور مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ شبّو خط کو پڑھتے ہوئے مسکرا دی۔

شام کو اس نے ہارون کے پسندیدہ رنگ کی ساڑھی باندھی، سنہرے تاروں کے

کام والی آسمانی رنگ کی ساڑھی، جو انجم نے جب اس کے بالوں کا خوبصورت سا جوڑا بنا کر اس کے کپڑوں میں "شینل" کی مدھم اور پیاری سی مہک بسائی تو ہارون کا خیال اسے بڑی شدت سے آیا۔ ہارون کو یہ پرفیوم بہت پسند تھا۔ جب بھی وہ یہ پرفیوم استعمال کرتی تھی، ہارون بڑے گہرے گہرے سانس لے کر اس خوشبو کو اپنی سانسوں میں جذب کرتے تھے

وہ انجم کے ساتھ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو بے شمار مہمان آ چکے تھے۔ خاندان کی بزرگ خواتین اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دینے لگیں۔ چھوٹی بھابی اور ان کی بہنوں نے اسے پھولوں کے ہار پہنا دیئے۔ اگرچہ اس نے بہت احتجاج کیا کہ یہ رسم تو آپ لوگ پہلے ہی ادا کر چکی ہیں۔ مجھے پھول پہن کر سب کے سامنے جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لیکن کسی نے اس کی باتوں کی پرواہ نہ کی۔ وہ چار قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ عمران آ گیا۔

"آپی پلیز! فوٹو اتار لینے دیجیے!"

"اُفوہ، عمران، تم سب نے مل کر تو میرا تماشا بنا دیا ہے!" وہ پریشان ہو کر بولی۔ مگر عمران، انجم، آصف اور دوسرے لڑکے لڑکیاں اس بُری طرح اس کے پیچھے پڑ گئے تھے کہ مجبوراً اسے خاندان کے مختلف افراد کے ساتھ گروپ فوٹو اتروانے پڑے۔ عمران نے کیمرہ بند کیا تو فاروق بھائی دھیرے سے اس کے قریب آ کر بولے،

"جس تصویر میں شبّو تنہا ہے اس کی ایک بڑی سی کاپی بنوا کر مجھے دینا!"

"کیوں؟ کیا لندن لے کر جائیں گے؟" عمران شرارت سے مسکرایا۔

فاروق بھائی کوئی جواب دیئے بغیر زیرِ لب مسکرا دیئے۔

ہنگامے عروج پر تھے، مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ شبنم آنے والوں سے تحفے لیتے ہوئے پشیمان ہو جاتی۔ چند ایک لوگوں سے تو وہ الجھ ہی پڑی۔ بھلا یہ کوئی طریقہ بھی ہے، مجھے یہ سب باتیں سخت ناپسند ہیں۔ میں آپ لوگوں سے قطعی بات نہیں کروں گی۔ میں اسی لئے پارٹی دینے کی مخالفت کر رہی تھی۔

مگر اس کی ان سب باتوں کا کسی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ فاروق بھائی نے اپنے تحفے کے علاوہ اسے ایک تحفہ اور دیا۔ جس کے اوپر فرام ہارون FROM HAROON لکھا تھا۔ شبنم کو ایک دم خیال آگیا کہ کل فاروق بھائی لندن سے فلائیٹ لے کر آئے تھے۔۔ وہ ان کے ہاتھ سے تحفہ لیتے ہوئے ایک دم سنجیدہ سی ہو گئی۔ اسی وقت عمران جانے کہاں سے آٹپکا۔ اس کے ہاتھ سے تحفہ لیتے ہوئے بڑے معنی خیز انداز سے مسکرایا۔

"آیئے آپی، اسے کھول کر دیکھیں!"

"ارے ابھی سے؟"

"ہاں!"

"ایسی بھی کیا بے چینی ہے!"

"دل تو خود آپ کا بھی چاہ رہا ہوگا!" عمران نے شوخی سے کہا۔

"احمق ہو تم!" وہ جھینپ گئی۔

عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کمرے میں لے گیا۔

"تم بھی اپنے نام کے بس ایک ہی عمران!" شبنم مسکرائی۔

"نہیں! میں ایک عمران کو اور جانتا ہوں۔ آپ بھی یقیناً جانتی ہوں گی۔" اس نے جلدی سے کہا۔

شبنم نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ابنِ صفی کی عمران سیریز نہیں پڑھتیں آپ؟ ہم دونوں انہی کے نام کے وہی ہیں!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اس اثنا میں عمران پیکٹ کھول چکا تھا۔ اندر سے ایک چھوٹا سا کارڈ پھسل کر نیچے گر پڑا۔ عمران نے جلدی سے اٹھا کر پڑھا۔

"اوہو۔۔۔!" وہ مسکرایا۔

"سونج نگر کی رانی کے لئے!" اس نے بآوازِ بلند پڑھا۔

شبنم نے آہستہ سے اس کا کان کھینچا۔

"کان مت کھینچئے پلیز! ہاتھی کے کان کی طرح لمبا ہو جائے گا۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور پیکٹ کا آخری کاغذ پھاڑتے ہوئے آسمانی رنگ کی ایک بیش قیمت ساڑی شبو کے کاندھے پر ڈال دی۔ ساڑی پھسل کر فرش پر آ رہی۔ اس نے گھور کر عمران کی طرف دیکھا:

"ویری سوری!" اس نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

شبنم مسکرا دی۔

"مگر ایک بات ہے آپی!"

"کیا؟"

"یہ تحفہ کچھ جچا نہیں!"

"کیوں؟"

"اب دیکھئے نا! ایسی ساڑی تو آپ باندھے کھڑی ہیں!"

"اوہنہ! بیوقوف ہو تم! صرف رنگ ہی تو ایک سا ہے!"

"اچھا صاحب! چلئے ہم بیوقوف ہی سہی!" عمران نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

اور شبنم ساڑی کو الماری میں ڈال کر باہر مہمانوں میں آگئی۔

زندگی میں پھر ٹھہراؤ سا آگیا تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی مصروفیتوں میں گم تھا۔ انجم کی کلاسز شروع ہو گئی تھیں۔ عمران کا ابھی تک رزلٹ ہی نہیں آیا تھا مگر پھر بھی معلوم نہیں وہ کون کون سی ضخیم کتابوں میں سر دیئے بیٹھا رہتا۔ شبنم کا تقرر ڈیپارٹمنٹ میں ریسرچ اسسٹنٹ کی حیثیت سے ہو گیا تھا۔

سب کچھ شبو کی مرضی اور خواہش کے مطابق ہی ہو رہا تھا۔ پھر بھی جانے کیوں اسے اپنی زندگی میں ایک عجیب اضطراب اور بے چینی کا احساس ہوتا تھا۔ وہ اس اضطراب اور بے چینی کے اسباب پر گھنٹوں غور کرتی تھی۔ سوچتی تھی مگر اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آتا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پچھلے ڈھائی ماہ سے ہارون کا کوئی خط نہیں آیا تھا۔ فاروق بھائی سے بھی ان کے متعلق خیر خیریت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ کیونکہ

فاروق بھائی سے ان کی ملاقات نہیں ہوسکی تھی۔

فاروق بھائی کے ٹرانسفر کی خبریں عرصہ سے گرم تھیں، لیکن اس بات کو ان لوگوں نے اہمیت دینا اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ اس سلسلے میں کوئی عملی کارروائی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ صرف خبر ہی تھی۔ لیکن ایک روز اچانک فاروق بھائی نے آکر بتایا کہ ایک مہینے تک ان کا ٹرانسفر یقیناً ہو جائے گا۔

'میری خالہ امی لاہور چلی جائیں گی!' شبو نے دکھ سے سوچا۔

سبھی کو یہ سن کر افسوس ہوا۔ شبو اور انجم نے بہت دعائیں مانگیں کہ فاروق بھائی کا ٹرانسفر نہ ہو لیکن ان کی دعاؤں کا کچھ اثر نہ ہوا اور ان لوگوں کے جانے کے دن نزدیک آگئے۔ صرف ایک ہفتہ باقی تھا ان کے جانے میں۔ امی ان دنوں زیادہ تر خالہ امی کے گھر ہی رہتی تھیں اور سامان کی پیکنگ میں ان لوگوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ شبو اور انجم بھی اکثر چلی جاتی تھیں۔

اور ـــــ اس روز ان لوگوں کے گھر فاروق بھائی وغیرہ کی دعوت تھی۔ تمام دن بے حد مصروف گزرا۔ فاروق بھائی بار بار شبّو سے کہہ رہے تھے کہ تم ہمارے ساتھ چلو۔ وہیں رہنا۔ بس اب لکھنا پڑھنا بند کرو۔ یاسمین بھابی اور خالہ امی بھی ان کی تائید کر رہی تھیں۔

رات کو وہ لوگ واپس گھر جانے لگے تو شبّو کو بھی ساتھ لے گئے۔ پھر ان لوگوں کی روانگی کے دن تک شبّو وہیں رہی۔ خالہ امی اسے بار بار سینے سے لگا کر پیار

رہی تھیں اور ہارون کو یاد کر رہی تھیں۔

خالہ امی کے جانے سے شبو کو اپنی زندگی میں اور بھی تاریک خلا کا احساس ہونے لگا۔ کچھ دن تک اس کے دل کی عجیب سی کیفیت رہی لیکن پھر اس نے خود کو سمجھا کر کتابوں کی دنیا میں گم کر دیا۔ پھر اس کے وہی شب و روز تھے، وہی معروفیتیں تھیں، گوئٹے، ٹالسٹائی، میکسم گورکی، ہارتنے، ڈی۔ ایچ لارنس، شیکسپیئر، شیلے، جبران اور میراجی جیسے رفیق تھے اور سوچوں کا وسیع اور ناپیدا کنار سمندر تھا۔ ریسرچ ورک سے فرصت ملتی تو وہ انہی سب رفیقوں کی معیت میں اپنا وقت گزارتی۔ اپنی علمی و ادبی صلاحیتوں کو پرکھنے کے لئے ان رفیقوں کے طرزِ زندگی اور طرزِ تحریر کا تجزیہ کرتی اور جب وہ یہ سوچتی کہ خلیل جبران کے خیالات و افکار کا پس منظر کیا تھا، ڈی۔ ایچ لارنس کے جبلی رجحانات کی شدت، ناراضگی کے لمحوں میں اپنے باپ کے غصے کی تندی کی خصوصیات کے پس منظر میں اس کے عیاش باپ کا وہ کردار تھا جس نے لارنس کے ذہن کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ اور ایملی برونٹے کی تحریروں میں جو شدید احساسِ تنہائی نظر آتا ہے اس کا سبب یقیناً وہ ماحول تھا جس میں اس نے پرورش پائی تھی ــــــ تو اسے وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوتا۔

وقت اسی طرح دبے پاؤں آگے بڑھتا رہا اور کئی مہینے چپ چاپ بیت گئے۔ ہارون کے متعلق اسے کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس کی کامیابی کی خوشی میں امی نے جو پارٹی دی تھی اس روز ہارون کا آخری خط اس کے نام آیا تھا اور اس کے بعد سے

صرف انتظار کے طویل لمحات تھے اور کچھ نہیں۔ اور... شبو نے اپنے آپ کو اس انتظار کا عادی بنا لیا تھا۔ اس کے چہرے پر چھاتے ہوئے گہرے سکوت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ تمام زندگی اسی انداز سے چپ چاپ ——— ہارون کے انتظار میں گزار دے گی۔

گھر کے دوسرے افراد ہارون کی طرف سے بہت پریشان تھے کہ ہارون کا خط کیوں نہیں آیا۔ شبو نے ایک دن سن لیا کہ وہ لوگ لاہور خط لکھ کر ہارون کے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں مگر اس نے انجم کو بڑی سختی سے منع کر دیا۔ اس نے بھی ہارون کو خط لکھنا چھوڑ دیا تھا۔ اپنے نادان دل کو اس نے بڑے ورشت انداز سے سمجھایا تھا کہ کوئی کسی کے بغیر مر نہیں جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو لوگ اس دنیا میں جینے کا تصور بھی نہ کر سکتے۔ تم بھی کسی کمزوری کا مظاہرہ مت کرو۔

اور یوں ——— زندگی وقت کے اور بے شمار لمحات سے محروم ہو گئی۔ سب اپنی سوچوں اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ بجو کا ایم۔ ایس سی کا فائنل ایئر تھا۔ عمران بھی میڈیکل کے چوتھے سال میں آ گیا تھا۔ دونوں کو اپنی کتابوں سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔ امی کاموں سے فرصت پا کر اپنے کمرے میں لیٹی چپ چاپ جانے کیا سوچا کرتیں۔ یا پھر لمبے لمبے وظیفے پڑھا کرتیں۔ پھوپھی اماں کے گھر سے یا پھر اسماء باجی کے سسرال سے لوگ ملنے آ جاتے۔ ریحان بھیا اکثر آتے رہتے۔ چھوٹی بھابی کبھی کبھی بچوں کو لے کر آ جاتی تھیں۔

یہ سال بڑی جلدی گزر گیا۔ بجو پھر اپنے امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھی۔

شبو کا بہت دل گھبراتا تو پھوپھی اماں کے گھر چلی جاتی۔ وہاں اتنے سارے لوگوں میں اس کا دل خوب لگتا تھا۔ پھر نجو کے امتحان ختم ہونے کے بعد پھوپھی اماں کی سسرال میں تین چار شادیاں ہونے والی تھیں۔ دو شادیاں تو پچھلے ہی سال ہوئی تھیں۔ ان کے گھر میں بہت کام پھیلا ہوا تھا۔ آصف شبو کو لے کر آتا تو کئی کئی روز تک جانے نہیں دیتا تھا اور خود شبو بھی وہاں رہ کر بہت خوشی محسوس کرتی تھی۔

انجم جب روز اپنا آخری پریکٹیکل دے کر آئی اس کے دوسرے ہی روز پھوپھی اماں کے گھر چلی گئی۔ اور اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ مہینہ بے انتہا معروفیت میں گزرا۔ شادیوں کے سلسلے میں خرید و فروخت، سلائی ٹانکائی بے شمار کام تھے۔ ان کاموں کے ساتھ ساتھ گھومنا پھرنا اور لڑکے لڑکیوں کی شرارتیں بھی اپنے عروج پر تھیں۔ چھ چھ، سات سات روز کے وقفے سے پھوپھی اماں کے سسرال میں خاندان کے لڑکے لڑکیوں کی شادیاں ہوئیں۔ بے پناہ ہنگامے ہوئے، شور و غل ہوا اور پھر زندگی پرسکون ہو گئی۔ خالہ امی بے چاری ان دنوں سخت علیل تھیں اس لئے ان کے یہاں سے شادیوں میں شرکت کرنے کے لئے کوئی نہ آسکا۔

شبو کی زندگی میں بظاہر تو سکون تھا مگر اندر ہی اندر جو اضطراب اور بے چینی وہ محسوس کرتی تھی اس کا اندازہ سوائے اس کے اور کسی کو نہیں تھا۔ پرسکون سمندروں کی سطح کے نیچے خوابیدہ طوفانوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے، شبو کے دل کی دھڑکنیں ہر لمحے کہتی تھیں، شبو! کچھ ہونے والا ہے! نفس کے تار بجتے ہوئے چپکے چپکے صدا

دیتے تھے: شبو! شاید کوئی طوفان آنے والا ہے۔ وہ چونک کر دل سے پوچھتی کیا ہونے والا ہے؟ کیسا طوفان آنے والا ہے؟ مگر دل کوئی جواب نہ دیتا۔

اور پھر ایک شام سمندر کی سطح میں لرزش پیدا ہوئی، ہلچل مچی، لہروں میں تموج پیدا ہوا۔ وہ وحشت ناک انداز میں بپھر اٹھیں، ہیبت ناک آواز میں چنگھاڑیں اور خوابیدہ طوفان کروٹ لے کر جاگ اٹھے۔ پھر اتنی چیخیں بلند ہوئیں کہ زمین و آسمان کانپ اٹھے۔ طوفان آیا اور گزر گیا۔ مگر — طوفان گزر جانے کے بعد کیا باقی بچا تھا۔ ٹوٹے پھوٹے، کٹے پھٹے ساحل، ارمانوں کے لاشے، حسرتوں کے مزار، آرزوؤں کے بجھتے ہوئے دیئے اور ناکام تمناؤں کے ویران کھنڈر۔

طوفانوں کا انجام ازل ہی سے یہی ہوتا آیا ہے اور ابد تک یہی ہوتا رہے گا۔ طوفان اپنے دامن میں تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ لے کر نہیں آتے۔

وہ اوائل اکتوبر کی ایک سوگوار سی شام تھی۔ شبو اس روز یونیورسٹی سے کافی دیر میں واپس آئی تھی۔ گھر میں اس وقت سب سو رہے تھے۔ سب کو تھا ہی کون؟ امی اور بجو کل دو ہی فرد تو تھے گھر میں۔ عمران ہاسٹل گیا ہوا تھا۔ ملازم فخرالدین شاید سو رہا تھا۔ شبنم کے دستک دینے پر اس نے اونگھتے ہوئے آ کر دروازہ کھولا اور پھر سو گیا۔ وہ خود بھی کھانا کھا کر بستر پر لیٹی تو فوراً ہی گہری نیند سو گئی۔ اور جب امی نے اسے اٹھایا تو شام آہستہ آہستہ ڈھل رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ منہ ہاتھ دھو کر آئی تو امی امی کے کمرے میں دریچے کے قریب بیٹھی تھیں۔ اوائل سردیوں کی ہلکی ہلکی خوشگوار دھوپ

دریچے کی راہ کمرے میں آ رہی تھی۔ وہ بھی امی کے قریب ہی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ فخرالدین نے اس کے لئے چائے لا کر میز پر رکھ دی۔ تبھی انجم بھی گنگناتی ہوئی کمرے میں آگئی۔ شبنم پر نظر پڑتے ہی جیسے اسے کوئی بات یاد آگئی؛

"اوہ شبو! معاف کرنا۔ تمہارا خط آیا رکھا ہے۔ میں دینا بھول گئی تھی۔" انجم نے اپنے تکیے کے نیچے سے خط نکالتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہارون کا خط آیا ہے!" امی کے لہجے سے اطمینان ظاہر ہو رہا تھا۔

شبو کے چہرے پر سرخی آگئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں ایک دم تیز ہو گئیں۔ اس نے انجم کے ہاتھ سے خط لے کر بڑی آہستگی سے کھولا اور خط پڑھتے ہوئے شبو کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ امی اور انجم بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ شبنم نے ایک بار خط پڑھا اور پریشان سی ہو کر دوبارہ پڑھنے لگی؛

سورج نگر کی رانی!!

خوش رہو! کافی عرصے بعد تمہیں خط لکھ رہا ہوں۔ میں شرمندہ ہوں کہ تمہارے کئی خطوں کا جواب میں نہیں دے سکا۔ اس تمام عرصے میں ذہنی طور پر کس قدر پریشان رہا ہوں، تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح میں اپنی داستان تم کو سناؤں۔ کس طرح تمہیں بتاؤں کہ حالات نے مجھے کس قدر مجبور کر دیا ہے! ہمارے راستے جدا ہو گئے ہیں۔

یہ الفاظ لکھتے ہوئے میرا قلم کانپ رہا ہے، شبو! کہ میں نے عرفان کی بہن سے شادی کرلی ہے ــــ یہ شادی میں نے کیوں کی ہے؟ تم سوچ سکتی ہو؛ مگر نہیں۔۔۔۔ شاید تمہاری سوچیں اتنی دور تک تمہارا ساتھ نہ دے سکیں۔ عرفان کو تو تم اچھی طرح جانتی ہو۔ اس کا ذکر میں بارہا اپنے خطوط میں کرچکا ہوں۔ اس کی بہن کے متعلق میں نے اپنے ایک خط میں تذکرہ کیا تھا۔ وہی عرفان، میرا پیارا دوست! اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ گاڑی کے ایک حادثے میں وہ ہلاک ہوگیا۔ آخری لمحوں میں مَیں اس کے پاس تھا۔ مرنے سے قبل عرفان نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اس کی نابینا بہن۔ عارفہ ــــ کا ہاتھ زندگی بھر کے لئے تھام لوں کیونکہ اس کا اس دنیا میں چند مطلبی رشتہ داروں کے سوا اور کوئی نہیں۔

تم خود سوچو! اس وقت میری پوزیشن کیا ہوگی۔ ایک عزیز دوست کی پہلی اور آخری خواہش ہی نہیں بلکہ عاجزانہ درخواست ــــ اور دوست بھی وہ جو لبِ گور تھا۔ جس نے بچپن سے لے کر اب تک جانے کتنے صدمے جھیلے تھے میں بلاوجود کوشش کے اس کی بات کو رد کرنے کی ہمت

اپنے آپ میں نہ پیدا کر سکا۔ میں نے اس کی آنکھیں بند ہونے سے قبل اس کی معصوم نابینا بہن کا ہاتھ تھام کر اس سے نباہ کرنے کی قسم کھائی۔ اس وقت سے اب تک میں ذہنی طور پر پریشان ہوں۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ مجھے احساس دلاتا ہے کہ میں نے تم پر ظلم کیا ہے۔ ہر بیتنے والی ساعت پکار پکار کر کہتی ہے کہ میں نے تمہاری حق تلفی کی ہے۔ میں نے تمہارے خلوص کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ میں نے تمہارے معصوم اعتماد کو مجروح کیا ہے۔ اور اسی احساسِ جرم کی بناد پر میں اتنے عرصہ تک تمہیں کوئی خط نہیں لکھ سکا

کیا میں یہ امید رکھوں کہ تم مجھے معاف کر دو گی! یہ سوچ کر کہ ہارون تو حالات کی زنجیروں میں جکڑا گیا ہے، اگرچہ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ تمہارے سامنے کسی خواہش کا اظہار کر سکوں۔ پھر بھی میں اپنی اس خواہش کا اظہار کرنے پر مجبور ہوں کہ تم جلد از جلد کسی کو اپنا شریکِ زندگی بنالو۔

سوچ نگر کی رانی! مجھے احساس ہے کہ میرا دیا ہوا گھاؤ تمہارا احساس دِل مشکل ہی سے برداشت کر سکے گا لیکن ــــ زندگی نام ہی دکھوں اور مشکلات کا ہے۔ زندگی سے سمجھوتہ

کرنا سیکھو۔ وقت اور حالات سے نباہ کرنا سیکھو۔ میں نے بھی اپنے آپ کو بمشکل تمام سمجھا کر زندگی، وقت اور حالات سے سمجھوتہ کیا ہے۔

تم اچھی طرح مجھے سمجھتی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میری سوچوں کے نگر میں کبھی کسی کا بسیرا نہیں رہا۔ میں نے اپنی زندگی میں اگر کسی لڑکی کے خواب دیکھے تو وہ سوائے تمہارے کوئی اور نہیں۔ میرے خیالات پر سوائے تمہارے کبھی کسی کا پہرہ نہیں رہا۔ لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ عارفہ کو میری توجہ میرے خلوص، میری ہمدردی اور میری محبّت کی شدید ضرورت ہے۔ میرے لئے دعا کرو کہ میں اپنی محبت اور خلوص سے اس کے دکھوں کو کم کر سکوں۔ اس کے غموں کو بانٹ سکوں۔

"ھارون ؔ"

شبنم نے خط ختم کر کے سر کرسی کی پشت سے ٹیک دیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"کیا لکھا ہے ہارون نے شبو؟" امی نے پوچھا۔

اسے امیّ کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔ اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور چند لمحوں تک ٹکٹکی باندھے ہوئے امیّ کی طرف دیکھتی رہی۔

"شبّو ــــ !" امّی نے پریشان ہوکر دوبارہ اسے پکارا۔

اس نے جواب دیئے بغیر بڑی بے بسی سے انجم کی طرف دیکھا جو گم سُم کھڑی اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔

"شبو! خدا کے لئے کچھ تو بتاؤ!" انجم نے کہا۔

شبنم نے ہارون کا خط امی کی گود میں ڈال دیا اور بوجھل قدموں سے کمرے سے باہر چلی گئی۔ انجم اور امیّ نے سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک ساتھ ہی خط پر جھک گئیں۔ شبنم اپنی سوچوں میں گم برآمدے کی ریلنگ کے قریب آگئی۔ دونوں کہنیاں ریلنگ پر ٹکا کر اس نے کچھ سوچنے کی کوشش کی۔ مگر ــــ وہ کیا سوچ سکتی تھی۔ کیا سمجھ سکتی تھی۔ نہ دل ساتھ دے رہا تھا نہ دماغ اور نہ ذہن۔ سب اپنی شکستوں کا ماتم کر رہے تھے۔ اتنی چیخیں تھیں ــــ اتنی آہیں تھیں ــــ اتنی کراہیں تھیں ــــ اور ــــ اتنی سسکیاں تھیں کہ شبنم کا پورا وجود ان چیخوں، آہوں، کراہوں اور سسکیوں کے ہجوم میں گم ہو کر رہ گیا تھا۔ دل کی چیخوں میں کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ سوجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے رونا چاہا مگر رو بھی نہ سکی۔ زندگی میں وہ المناک لمحات چپ چاپ چلے آئے تھے جب دل تو آباد ہوتا ہے مگر آنکھیں ویرانی کا مرقع پیش کرتی ہیں۔ دل سے آنکھوں تک طوفان ہی طوفان تھا۔ لیکن جانے کیسا طوفان تھا؛ جسے کوئی اور نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کا وجود صحراؤں میں چلنے والی آندھیوں کے ہیبت ناک اندھیروں میں کھو گیا تھا۔ اڑتے ہوئے بگولے۔ تپتی ہوئی ریت اور جسم کو جھلسا دینے والی گرم ہواؤں کے

بھیڑیے سب اسے چاروں طرف سے اسے اپنے حصار میں لئے ہوئے تھے۔ اس کے احساسات اور جذبات برف کی مانند سرد اور منجمد ہو گئے تھے۔ اس کے ارد گرد اس قدر تاریکی تھی کہ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ تاریکی ـــــ آنے والی رات کی تاریکی نہیں تھی۔ بلکہ وہ تو غم والم کی تاریکی تھی۔ ایسی تاریکی جو شاید زندگی کے آخری لمحوں تک کے لئے اس کا مقدر بن گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا دل تھام لیا مگر ایک دم اسے خیال آیا۔ وہ یہ کیا کر رہی ہے؟ اسی وقت امی اور انجم باہر آ گئیں۔ اس نے ویران نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ امی اسے اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑی نظر آئیں۔ چند بیتے ہوئے غمناک لمحوں نے انہیں ایک دم سے بہت بوڑھا کر دیا تھا۔ ان کا چہرہ ـــــ جیسے کوئی اجڑا ہوا ویران کھنڈر ہو۔ آنکھیں تھیں کہ بس چھلک پڑنے کے لئے بے تاب تھیں۔ انجم کا مسکراتا ہوا چہرہ ایک دم سہم کر رہ گیا تھا اور آنکھیں گہرے فکر و تردّد کے بوجھ تلے جھکی ہوئی تھیں۔

شبنم کے تخ بستہ احساسات اور جذبات ایک دم ہی پگھل پڑے۔ اسے احساس ہوا کہ اس کی ذات ان سب کے لئے کتنے دکھ، رنج و غم اور پریشانی کا سبب بن گئی تھی۔ ایک لمحے کو اسے اپنے آپ سے بے پناہ نفرت محسوس ہوئی۔ کیا ان لوگوں کو یہی دن دکھانے کے لئے وہ آج زندہ تھی؟ امی بڑی خاموشی سے اس کی طرف تکے جا رہی تھیں۔ اور انجم کا سر جھکا ہوا تھا۔ اور پھر امی کی لرزتی ہوئی بانہیں اس کی طرف بڑھیں۔ آنکھوں میں ستارے جھلملائے ـــــ کانپتے لبوں سے آواز آئی ـــــ بہت مدھم

سی آواز —— "شبّو!"

اور شبنم ان کی باہوں میں سمٹ کر چند لمحے چپ چاپ اپنے ناکام دل کی دھڑکنوں کو سنتی رہی۔ دل کے دریا میں لہریں اٹھیں —— آگے بڑھیں —— اور آگے بڑھیں —— آنکھوں کے ساحل تک آئیں اور پھر ساحل کو بھی پار کر گئیں۔ دل کا سارا درد آنسو بن کر آنکھوں کی راہ بہنے لگا۔ وہ اپنی مدھم آواز میں "امّی! امّی!!" کہتے ہوئے تڑپ تڑپ کر روتی رہی۔ سسکتی رہی۔ امی کی آنکھوں میں جھلملاتے ہوئے ستارے شبّو کے گیسوؤں کی گھٹاؤں میں چھپ کر اپنی روشنیوں سے محروم ہو گئے۔ امّی زبان سے کچھ کہے بغیر اسے سینے سے لگائے کھڑی تھیں۔ انجم ان دونوں کے قریب حسرت و یاس کا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ ان کے ارگرد اس قدر وحشتناک خاموشی تھی کہ دم گھٹ رہا تھا۔ ہاں شبّو کی سسکیوں کی آوازیں خاموشیوں کے سوتے ہوئے طوفانوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہی تھیں۔

بے شمار لمحے چپکے سے گزر گئے۔ پھر امی نے آہستہ سے کہا،

"صبر کرو شبو! خدا کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔"

مگر شبّو کے آنسو نہ تھم سکے۔

"انسان کو ہر اچھے برے وقت کا مقابلہ کرنا چاہیئے!" امّی نے اپنے سفید آنچل سے اس کے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

شبّو نے دانتوں میں ہونٹ بھینچ کر اپنی آہوں کا گلا گھونٹ دیا۔

"وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ بڑے لمحات کے بعد اچھے لمحات بھی زندگی میں ضرور آتے ہیں۔" انہوں نے بڑے پرعزم لہجے میں کہا۔

شبو چپ چاپ کھڑی پلکیں جھپکاتی رہی۔

"دکھ درد تو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ وقت آگے بڑھتا ہے تو نہ زخموں میں اتنی شدت باقی رہتی ہے اور نہ دکھ درد اتنے کرب انگیز رہتے ہیں۔" امی نے اس کی بھیگی پلکوں کی طرف دیکھا۔

انجم بڑی حیرت سے امی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کس قدر ضبط اور حوصلے کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ ان کے دل کی کیفیت کیا ہو گی۔ لوگوں کی لمبی لمبی زبانیں جو طعنے دیں گی جو باتیں بنائیں گی، جو بے بنیاد قصے گھڑیں گی ان سب کا مقابلہ کیسے کیا جائے گا۔ کہاں تک کیا جائے گا۔ حقیقت کو سمجھنے کی کوئی کوشش کرے گا۔ "اف میرے معبود! تو ہی ہمیں صبر دے ——— ہمیں ہمت دے!" انجم نے دل ہی دل میں کہا۔ ہارون بھائی کا سنجیدہ باوقار چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ ہارون بھائی! یہ آپ نے کیا کیا؟ کم سے کم یہ سوچ لیتے کہ بدنامی اور رسوائی کے اندھیروں میں رہ کر ہم کس طرح جی سکیں گے؟ مگر قصور آپ کا بھی نہیں۔ آپ بھی مجبور تھے اپنے دل کے ہاتھوں! انجم نے سوچا۔

"انجم! شبو کو کمرے میں لے جاؤ!" امی نے کہا۔

انجم نے چونک کر امی کی طرف دیکھا۔ وہ شبو کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ ان کا چہرہ صبر و ضبط کی آماجگاہ تھا، مگر آنکھیں گہرے اور شدید دکھوں کی داستانیں سنا رہی تھیں۔

انجم نے شبو کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ شبوؔ نے ویران، زخمی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور چپ چاپ اس کے ساتھ کمرے میں آگئی۔ میز پر اس کی چائے رکھی تھی۔ ٹھنڈی، برف سی چائے!

"تم منہ ہاتھ دھو کر آؤ شبوؔ! میں تمہارے لئے چائے لاتی ہوں۔" انجم نے میز پر سے پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

انجم کمرے سے باہر چلی گئی تو شبو دریچے کے قریب آگئی۔ سورج جانے کب کا ڈوب چکا تھا۔ سرما کی مدھم سی دھوپ ڈھل چکی تھی۔ صرف سائے باقی رہ گئے تھے۔ سوگوار انداز میں چپ چاپ لہراتے ہوئے، سرسراتے ہوئے اور ہولے ہولے کانپتے ہوتے سائے ___ !جب دھوپ ڈھل جائے تو باقی ہی کیا رہ جاتا ہے ___ ، اور شبوؔ کو بڑی شدت سے احساس ہُوا کہ اس کی زندگی کی دھوپ ڈھل چکی ہے۔ اس کے خیالوں میں بھی صرف سرسراتے ہوئے خاموش اداس سائے باقی رہ گئے ہیں۔

مغرب کی سمت آسمان لالہ گوں ہو گیا تھا۔ ہر طرف، ہلکی ہلکی دھند پھیلی ہوئی تھی۔ دھندلکوں کے عقب سے جھانکتی ہوئی سُرخی ___ جیسے اس کی آرزوؤں کے خون کی سرخی تھی۔ وہ آرزوئیں ___ جو مٹ چکی تھیں ___ جو فنا ہو چکی تھیں۔ ہواؤں کے دوش پر چپ چاپ اڑتے ہوئے بادل یوں آگے بڑھ رہے تھے جیسے اس کے ارمانوں کا لاشہ اٹھائے لئے جا رہے ہوں، آکاش کی وسعتوں سے گہری اداسیاں سر جھکائے دھرتی کو تک رہی تھیں۔ اور ایک سنگین جامد سی بے حسی چاروں طرف چھائی ہوئی تھی۔ وہ ایک دبی ہوئی

سانس لے کر وہ پیچھے سے ہٹ گئی۔ تبھی انجم اس کے لئے چائے لے کر آ گئی۔

"تم نے منہ دھویا شبّو؟"

"نہیں!"

"کیوں؟"

"ایسے ہی رہنے دو نجو!"

"اچھا جانے دو ـــــ!" انجم نے چائے کی پیالی اس کے سامنے میز پر رکھ دی۔ شبّو کرسی گھسیٹ کر تھکے تھکے سے انداز میں بیٹھ گئی۔ کئی لمحے اسی طرح گزر گئے۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

"چائے پی لو شبو! ٹھنڈی ہو جائے گی۔" انجم اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔ شبّو پھر بھی اسی طرح بیٹھی رہی۔

"سوچیں مسائل کا حل نہیں ہوا کرتیں شبو!" انجم نے کہا۔

شبنم نے اپنی آنکھوں کو دونوں انگلیوں کو دباتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"تم نے تو اتنی کتابیں پڑھی ہیں، تمہارے دل و دماغ میں تو مجھ سے زیادہ وسعت ہونی چاہیئے!"

شبنم خاموش رہی۔

"دنیا میں ہر دکھ کی دوا ہوتی ہے۔ تم یہ کیوں سمجھ بیٹھی ہو کہ تمہارے دکھوں کا مداوا کسی کے پاس نہیں!"

انجم نے چائے کی پیالی اٹھا کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دی۔

"زندگی کا ہر حادثہ اپنے نئے پن کی وجہ سے زیادہ شدید اور تکلیف دہ معلوم معلوم ہوتا ہے۔ ابھی یہ حادثہ تمہارے لئے نیا ہے اس لئے تم اتنا محسوس کر رہی ہو۔" انجم نے اس کے رخساروں کو چومتی ہوئی لٹوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"اپنے غموں سے زیادہ تکلیف دہ یہ احساس ہے بجو! کہ میری ذات دوسروں کی رسوائی کا باعث بن گئی ہے۔"

"ایسی بات سوچو بھی مت! تمہیں کیا معلوم، اس حادثے نے تو ہمارے دلوں میں تمہاری قدر اور بڑھا دی ہے۔"

شبنم نے پلکیں جھپکاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"اپنا ضمیر مطمئن ہو، اپنا دِل صاف ہو تو دنیا والوں کے کہنے کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔" انجم نے ناصحانہ انداز سے کہا۔

"انجم کتنی سلجھی ہوئی باتیں کر رہی ہے۔" شبنم نے سوچا۔

مگر وہ اپنے دل و دماغ کا کیا کرتی ——— جو انہیں کیا سمجھاتی!

اس نے چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگالی۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ مسجد سے اذان کی آواز آرہی تھی۔ چائے پی کر اس نے پیالی میز پر رکھ دی اور وضو کرنے چلی گئی۔ نماز پڑھ کر وہ آنسوؤں کی بارش میں بھیگتی ہوئی دعا مانگتی رہی۔ صبر و تحمل کی دعائیں۔ اپنے غم کو برداشت کر لینے کی دعائیں اور سکونِ دل کی دعائیں۔

نماز پڑھ کر اٹھی تو اسے احساس ہوا کہ آج سے قبل تو اس نے کبھی خدا کے سامنے اتنے خشوع وخضوع سے سر نہیں جھکایا تھا۔ کیا دل کی چوٹ انسان کی فطرت کو اس حد تک متغیر کر دیتی ہے؟ کیا دُکھ درد کے جذبات انسان کو خدا سے اس قدر قریب کر دیتے ہیں؟ اس نے جاء نماز لپیٹتے ہوئے سوچا۔

جاء نماز رکھ کر وہ دریچے میں آگئی۔ رات نے اپنی باہیں پھیلا کر ڈوبی ہوئی شام کو اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا۔ بے حد پُر اسرار سا سناٹا ہر طرف چھا گیا تھا۔ گزرتے ہوئے لمحات خاموشیوں کی لے میں جانے کیا کہہ رہے تھے؟ جانے کیا سنا رہے تھے؟ شاید بھولے بسرے افسانے ـــــ گئے وقت کی یاد میں گاتے ہوئے دکھ درد میں ڈوبے نغمات ـــــ یا پھر ـــــ اجڑے ہوئے دیار کا نوحہ۔ اس نے اپنے دل سے اٹھتے ہوئے شعلوں کو آنسوؤں کی بوچھاڑ سے بجھایا اور کسی بے جان لاش کی طرح اپنے بستر پر گر پڑی۔

اور پھر ——— دو تین روز گزر گئے۔ باوجود کوشش کے وہ اپنے آپ کو نارمل نہ کر سکی۔ ناداں دل کو سمجھایا کہ یوں فریاد کر کے زمانے بھر کی ہمدردیاں سمیٹنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ذہن کو نصیحت کی کہ گزری ہوئی باتوں کے جال میں خود کو الجھانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا ——— آنکھوں کو تنبیہ کی کہ یوں برس برس کر دنیا والوں پہ یہ مت ظاہر کرو کہ دل ویران اور بنجر ہو چکا ہے۔ مگر اس کی باتوں کا نہ دل پر کوئی اثر ہوتا تھا نہ ذہن پہ اور نہ آنکھوں پر ——!

پھر چوتھے روز اس نے بڑی ہمت کر کے قلم اور پیڈ اٹھایا اور کانپتے ہاتھوں سے ہارون کو لکھا:

"ہارون صاحب! نئی زندگی مبارک ہو۔ آپ نے اچھا کیا

جو عارفہ کا ہاتھ تھام لیا اور اپنے دوست کو سکون سے اس دنیا سے رخصت ہونے میں مدد دی۔ آپ جس پیشے سے تعلق رکھتے ہیں اس کا پہلا اصول یہی ہے کہ دکھی انسانوں سے محبت کی جائے۔ ان کو سہارا دے کر ان کے دکھ درد کو بانٹا جائے۔ مجھے آپ سے کوئی گلہ ہے نہ شکوہ۔ کیونکہ اگر آپ کے بجائے یہی صورت حال مجھے پیش آتی تو میں بھی یقیناً یہی قدم اٹھاتی۔ آپ کا کوئی قصور نہیں۔ تقدیر پر کسی کا زور نہیں، کسی کا بس نہیں چلتا۔ آپ جانتے ہیں میرے دل میں پہلے بھی آپ کے لئے بے پناہ عزت واحترام کے جذبات موجود تھے۔ یقین کیجئے اب تو ان جذبات میں کچھ اور اضافہ ہو گیا ہے۔

آپ نے مجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا، میری کوئی حق تلفی نہیں کی۔ اور نہ ہی میرے خلوص واعتماد کو مجروح کیا ہے۔ یہ محض آپ کا خیال ہے، ایک غلط خیال اور ایک غلط احساس — ! گزرتے ہوئے وقت کے لمحات ہر انسان کو زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسے موڑ پر ضرور لے آتے ہیں جہاں قدم قدم پر آزمائشوں کے جال بکھرے ہوتے ہیں۔ جہاں اپنی زندگی کی آرزوؤں اور تمناؤں کو خود اپنے ہاتھوں سے ابدی نیند سلانا پڑتا ہے۔ تو

میری اور آپ کی زندگی میں بھی وہ موڑ آچکا ہے۔

اور میرے دکھ درد کی تو بات ہی نہ کیجئے کیونکہ اس دنیا میں دل کی شکست کوئی نئی بات نہیں۔ دل کی شکست تو بہت عام سی بات ہے۔ کتنے ہی لوگ اس دنیا میں ایسے ہیں جن کی بے شمار تمنائیں اور آرزوئیں فانی زندگی کے بے رحم لمحات میں درختوں سے جھڑے ہوئے سوکھے زرد پتّوں کی طرح بوسیدہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن —— زندگی پھر بھی کسی نہ کسی طور گزر ہی جاتی ہے۔ اب کسی اور کو شریکِ سفر یا شریکِ زندگی بنانے کے متعلق میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی۔ کون جانے وہ دوسرا شریکِ سفر بھی زندگی کے کس موڑ پر اچانک بچھڑ جائے؛

اب مجھے زندگی کی ان طویل، خاموش اور اداس راہوں پر اپنے احساسات کی موجوں کے سفینے کو کھیتے ہوئے آگے بڑھنا ہوگا۔

عارفہ بہن کو میری طرف سے مبارکباد پہنچا دیجئے گا۔ خدا کرے نئی زندگی انہیں راس آئے۔

"شبنم"

فخرالدین چھٹی لے کر گیا ہوا تھا۔ وہ خود ہی خط پوسٹ کرنے چلی گئی اور

جب وہ خط پوسٹ کر کے آئی تو اسے اپنی تمناؤں کے بنجر انجام کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ ماضی کے حقائق دھندلے آئینے بن کر نگاہوں کے سامنے آ گئے۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کی زندگی راہ میں بکھرے ہوئے پتھروں کا ایک حقیر سا ڈھیر ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر دریچے میں جھک گئی۔ اس کے چاروں طرف ٹوٹتے ہوئے دل کی صداؤں کا شور تھا۔ اس نے اپنے ذہن کو جھٹک کر دوسری باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ اس کے وہ دوست جن کی صحبت میں وہ اپنا وقت گزارا کرتی تھی، اس نے انہیں یاد کرنے کی کوشش کی ۔۔۔ مگر اس وقت کوئی مفکر، کوئی شاعر، کوئی ادیب اور کوئی فلسفی اس کے غم کو نہ بانٹ سکا۔ اپنی شکستوں کا ماتم کرنے والے دل و دماغ اور ذہن اس وقت نہ آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافیت سے بہل سکتے تھے نہ بنتھم کے نظریۂ افادیت سے نہ بھگوت گیتا میں بیان کئے گئے زندگی کے نظریات سے اور خلیل جبران کے نظریۂ رنج و مسرت سے۔ دل سے اٹھتے ہوئے شعلوں کو بھلا افلاطون کا نظریۂ عدل کیسے بجھا سکتا تھا۔ ذہن میں الجھتے ہوئے خیالات کو ڈارون کا نظریۂ ارتقا کیسے سلجھا سکتا تھا۔ دماغ میں کھولتے ہوئے لاوے کو دیوجان کلبی کا نظریۂ کلبیت (Cynicism) کیسے سرد کرتا تھا۔ رومانزم کے نمائندے ورڈزورتھ، کارلائل، بائرن، شیلے، کیٹس، ہیوگو، شومان اور ڈیکرائے اس کے غم کی شدت کو کم کرنے کے بجائے اور بڑھا رہے تھے۔

اس نے یونانی علم الاصنام (گریک میتھالوجی) کے بارے میں سوچ کر اپنے ذہن کو مصروف کرنا چاہا۔ مگر روشنی، جوانی، موسیقی اور مردانہ حسن کا دیوتا اپالو (Apollo)

جس سے زہرہ محبت کرتی تھی، ہومر کا نیم افسانوی ہیرو اوڈیسی اور اس کی باعصمت وفاشعار بیوی پینی لوپی، پلوٹو دیوتا عالمِ اسفل، کوئی بھی اس کے غموں کا مداوا نہ کر سکتا تھا۔

وہ دریچے کے قریب کھڑی اپنے دماغ کو پرسکون رکھنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا اور اکتوبر کی شام دبے قدموں آگے بڑھ کر آنے والی شبِ الم کی باہوں میں سما جانے کو بیقرار تھی۔ خاموش ہوا کی سرسراہٹوں میں بیتی یادوں کی لرزشیں تھیں۔ مغرب کی فناگاہوں میں زرد بیمار سورج دم توڑ رہا تھا۔ تنہائی اور افسردگی کے بوجھ سے جھکا ہوا آکاش دھندلکوں میں ڈوبی ہوئی اور خنکی سے کانپتی ہوئی دھرتی کو تک رہا تھا۔ ابر نیلی آکاش کی وسعتوں پر تیرتے ہوئے چپ چاپ آگے بڑھ رہے تھے۔ شبو نے ایک لمحہ کو ہوا میں لہراتے ہوئے کیلے کے جھالردار پتوں کی طرف دیکھا اور دریچہ بند کر کے اپنے بستر پہ آگئی۔

اس کی منگنی ٹوٹ جانے کے بارے میں اب تک کسی کو معلوم نہیں ہوا تھا۔ اسے بستر پر لیٹے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ اسما، باجی اور صولت بھائی آگئے۔ امی نے بڑی افسردگی سے ان دونوں کو یہ خبر سنائی اور ان دونوں پر جیسے ایٹم بم گر پڑا۔ دھماکے کے اثرات کم ہوئے تو غم کی جان لیوا، شدید کسک کا احساس ہوا۔ امی نے انھیں جوں توں کر کے تسلی و تشفی دی لیکن شبو کا سامنا کرنے کی ہمت وہ لوگ اپنے میں نہیں پا رہے تھے۔ وہ تو معمولی سے معمولی بات کو بھی بے پناہ محسوس کرتی ہے۔ پھر اب، اس کے

آگے ان کے خیالات الجھ گئے۔ اور جب بہت ہمت کر کے وہ لوگ شبو کے پاس گئے تو اس کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی پھیکی، بے جان اور مجروح سی مسکراہٹ دیکھ کر ان کے دل دکھ گئے۔ لیکن شبو نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ دوسروں کے سامنے اُداس رہ کر اپنے آپ کو مزید رسوا نہیں کرے گی۔ اس نے سوچا یہ بہت گری ہوئی حرکت ہے۔ آخر ضبط غم بھی دنیا میں کوئی چیز ہے۔

اسماء باجی نے سوچا اس لڑکی میں بڑا حوصلہ ہے۔ اسے بھلا کوئی کیا سمجھ سکتا ہے۔ صولت بھائی نے دبے دبے الفاظ میں اس ناخوشگوار واقعہ کو بھول جانے کی تلقین کی۔ وہ زخم خوردہ انداز میں دھیرے سے مسکرا دی۔

اسما باجی رات کو کھانا کھا کر واپس چلی گئیں۔ صولت بھائی نے بہت کوشش کی کہ وہ شبو کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں لیکن اس نے پھر کبھی آنے کا وعدہ کر کے بات ٹال دی۔

اور تب ـــــ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اٹھی ہی تھی کہ عمران آ گیا۔ آجکل اس کی اسپتال میں ڈیوٹی لگتی تھیں۔ کبھی دن میں اور کبھی رات میں۔ عمران نے ایک لمحے کے لئے شبو کے کمرے کے قریب رک کر اندر دیکھا۔ جونہی شبو پر اس کی نظر پڑی وہ دوسری طرف مڑ گیا۔ ان چار دنوں میں اس نے شبو سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ امی اور نجو نے اسے شبنم کی منگنی ٹوٹ جانے کی خبر سنائی تھی۔ اس وقت سے اس نے ایسی چپ سادھ لی تھی کہ بے ضرورت کسی سے بات ہی نہیں کرتا تھا اور شبو سے تو

نظر ملانے کی بھی اس میں ہمت نہیں تھی۔ یوں وہ بڑا شریر اور کھلنڈرا سا لڑکا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی بے حد حساس بھی تھا۔

اس وقت بھی وہ بغیر کسی سے بات کئے اپنے کمرے میں آ گیا۔ ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے وہ دریچے کے قریب آ گیا اور پلکیں جھپکائے بغیر باہر تاریکی میں دیکھنے لگا۔ تبھی اسے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنائی دی لیکن اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

"عمران!" دوسرے ہی لمحے اسے شبّو کی آواز سنائی دی۔

"ہوں —!" وہ ایک دم چونک پڑا لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"کھانا لے آؤں تمہارے لئے؟"

"آپ رہنے دیجئے! میں خود کھا لوں گا۔" اس نے شبّو کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"عمران —!" شبّو نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جی!" اس نے بمشکل تمام شبو کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں!"

"پھر اس قدر سنجیدگی کیوں —؟"

وہ خاموش رہا۔

"تمہارا سنجیدہ چہرہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا عمران!" شبو نے بے حد پیار سے اسے اوپر سے نیچے کی طرف دیکھا۔ وہ جو اس سے اتنا چھوٹا تھا چند سال میں ایک دم

ہی اتنا لمبا چوڑا ہوگیا تھا۔ افسانوں اور ناولوں کے کسی خوبرو ہیرو کی طرح سر جھکائے اداس سنجیدہ سا کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ تھکن کے آثار تھے آنکھیں سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ بال بکھر کر پیشانی پر آگئے تھے۔ ٹائی گلے میں بے ترتیبی سے جھول رہی تھی۔ اور وہ سب باتوں سے بے نیاز چپ چاپ کھڑا تھا۔ شبّو کو اس پر بے پناہ پیار آیا۔ اس نے آہستہ سے جھک کر اس کے ہاتھ کو چوم لیا۔ وہ پھر بھی اسی طرح کھڑا رہا۔

عمران ۔۔ ! خدا کے لئے کچھ بولو ۔۔۔ ! شبّو نے اسے جھنجھوڑ دیا۔

کیا بولوں ۔۔۔ ؟

تم ۔۔۔ تم مجھ سے ناراض ہو ۔۔۔ !

آپی ۔۔۔ ! عمران نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے۔

آپ نے یہ بات کیوں کہی ۔۔۔ ؟ آپ نے مجھے کونسا دکھ پہنچایا ہے جو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا ۔۔۔ ! اس کی آواز بہت مدھم تھی۔

شبّو خاموش رہی۔

میں بھی انسان ہوں آپی اور اتفاق سے بے حد حسّاس دل رکھتا ہوں۔ اپنے دکھ درد کے ساتھ دوسروں کے دکھ درد کو کچھ زیادہ محسوس کرتا ہوں۔ اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

شبّو پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھتی رہی۔

اور پھر آپ کا غم تو میرا اپنا غم ہے آپی۔ آپ آخر سمجھتی کیوں نہیں۔؟

عمران —— ! شبّو نے آہستہ سے کہا۔

یہ ٹھیک ہے کہ میں آپ کا سگا بھائی نہیں لیکن —— !

شبّو نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایسی بات زبان سے مت نکالو عمران — ! ہم سب بہنوں نے ہمیشہ تمہیں اپنا سگا بھائی سمجھا ہے — !

میں بھی سگے بھائی کی طرح آپ کے دکھ درد کو اپنا سمجھتا ہوں۔ !

تو پھر —— تمہاری اس خاموشی کا کیا مطلب ہے —— ؟

آپی —— ! میں آپ کو کیسے بتاؤں —— ؟ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرا دل فرطِ غم سے پھٹ جائیگا — !

ہشت۔ بیوقوف ! مرد ہو کر ایسی بات کرتے ہو — !

مجھے ہارون بھائی کے اوپر بہت غصّہ آرہا ہے — !

غصّے کی کیا بات ہے —؟ انہوں نے کوئی غلط قدم تو نہیں اٹھایا — !

آخر کیا ضرورت تھی بغیر ہم لوگوں سے مشورہ لئے اتنا بڑا قدم اٹھا بیٹھے۔ !

وہ کوئی بچے تو نہیں عقل شعور رکھتے ہیں — ! شبّو نے کہا۔

مانا کہ انہوں نے بڑی عظمت کا ثبوت دیا ہے آپی لیکن !

وہ یہ کیوں بھول گئے کہ وہ ایک لمحے کیلئے خاموش ہوا۔

کہ دنیا میں چند اور لوگ بھی یہ کام کر سکتے ہیں ——!

کیا مطلب ——؟

مطلب یہ آپی ——! میں آپ کی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر ہارون بھائی شادی کرنے سے پہلے ہی ہم لوگوں کو عارفہ کے بارے میں بتا دیتے تو۔ ——تو ان کے بجائے میں عارفہ سے ——۔

عمران ——! شبو نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں آپی ——! میں خود ہر تکلیف برداشت کر سکتا ہوں لیکن آپ لوگوں کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا ——!

انسان کو اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیئے ——! شبو نے کہا۔ وہ خاموش رہا۔

اچھا۔ اب اس ذکر کو چھوڑو۔ منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔ میں تمہارے لئے کھانا لیکر آتی ہوں ——! وہ کمرے سے باہر جاتی ہوئی بولی

اور پھر —— شبو کی منگنی لوٹ جانے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ محلے پڑوس والوں، رشتے داروں، سب کو معلوم ہو گیا۔ ہر شخص افسوس کا اظہار کرنے کے لئے آیا۔ اور یہ بات شبو کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی۔ —— سلیمان بھائی، ذیشان بھیا، بڑی بھابھی اور آمنہ بھابھی کے خطوط اس کے نام آئے ان خطوں میں اتنی نصیحتیں، اتنی ہمدردی اور اتنا خلوص تھا کہ باوجود ضبط کے

اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اسے آمینہ بھابھی بڑی شدّت سے یاد آئیں۔ چلتے وقت انہوں نے بڑے پیار سے کہا تھا: "تمہاری شادی میں میں ضرور آؤنگی"

افسوس! آمینہ بھابھی! اب آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکے گی۔ آپ کو بہت ارمان تھا کہ شبّو کو دلہن بنا ہوا دیکھیں۔ مگر آپ کو کیا پتہ۔ شبو اب کبھی دلہن نہیں بنے گی —— ! اس نے سوچا۔ اور تکیوں میں منہ چھپا کر لیٹ گئی۔

چپکے چپکے بہت سارے دن گزر گئے وقت آگے بڑھا تو نہ زخموں کی ٹیس پہلے کی طرح تکلیف دہ رہی اور نہ درد و سوز اُتنا زیادہ ناقابل برداشت رہ گیا اس نے خلیل جبران کے اس نظریے سے اتفاق کر کے اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا کہ انسان کی عظمت اس بات میں نہیں ہے کہ اس نے کیا کچھ حاصل کیا ہے بلکہ اس امر میں ہے کہ وہ کس چیز کی تحصیل کا آرزومند ہے"

زندگی صرف اپنی پسندیدہ شے کو حاصل کر لینے کا ہی نام نہیں ہے اس نے اپنے دل کو یہ کہکر بہلایا تھا کہ حب زندگی دکھ درد کا سرمایہ ہے۔ تو پھر دن رات آنسوؤں کے چراغ جلانے سے فائدہ —— ؟

اس نے اپنے آپ کو پھر مصروف رکھنا شروع کر دیا تھا۔ خالہ امّی کے کے پاس سے کافی عرصے سے کوئی خط نہیں آیا تھا مگر ایک روز یوں ہوا کہ وہ یونیورسٹی سے واپس آئی تو خالہ امّی اور یاسمین بھابھی موجود تھیں۔ یاسمین بھابھی کی گود میں ایک نازک چینی کی گڑیا جیسی بچّی تھی۔ وہ لوگ بغیر کسی اطلاع اور بغیر

کسی خبر گیری آگئی تھیں۔ شبّو کو دیکھتے ہی خالہ امّی نے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ شرمندگی اور دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے وہ ہارون کو جو منہ میں آیا کہتی رہیں۔ شنبم کو اس بات سے بہت تکلیف ہو رہی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان کے منہ پہ ہاتھ رکھ دے۔ وہ دوسروں کو کیسے بتاتی؟ کہ ہارون کے اس اقدام نے ان کی عزّت و احترام کو اس کی نظروں میں کسقدر بڑھا دیا تھا؟ ان کے اس اقدام نے ان کے کردار کی بلندی کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ امّی نے سمجھا کر شبّو کو خالہ امّی سے الگ کیا اور انہیں چپ کرایا۔ اور جب شبّو تنہائی میں یاسمین بھابھی سے ملی۔ تو انہوں نے ہارون کے رد یئے پہ سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ قبل اس کے کہ وہ ہارون کو مزید بُرا بھلا کہیں شبّو نے ان کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

بھابھی —— ! خدا کے لئے آپ تو انہیں کچھ نہ کہیں —! اس کی آواز میں التجا تھی۔ یاسمین بھابھی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

انہیں مجھ سے زیادہ کوئی نہ سمجھ سکتا —— ! شبّو نے ان کے کندھے پر سر رکھ دیا —— ! تم کہنا کیا چاہتی ہو شبّو —— ؟

ہم میں سے کوئی بھی ہارون کو الزام دینے میں حق بجانب نہیں —!

کیوں —— ؟

ان کی مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے —— !

بھابھی خاموش رہیں۔

آپ لوگ بجائے ان کے جذبے کی قدر کرنے کے انہیں موردِ الزام ٹھہرا رہی ہیں ——!

وہ جذبہ اپنی جگہ ہے شبّو! مگر اس کی وجہ سے کسی معصوم ہستی کے دل کو توڑنا کوئی مناسب بات تو نہیں ——!

آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں بھابھی؟ ہارون نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا ——!

یاسمین بھابھی لاجواب سی ہو گئیں۔

آپ لوگ ناحق ان کے خلوص پر شبہ کر رہے ہیں ——!

بھابھی نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

مجھے تو اب بھی یقین ہے کہ ہارون کے دل میں میرے لئے جو جذبات تھے وہ بالکل سچے تھے —— !

ان کے خیالات پر سوائے میرے کبھی کسی کا بسیرا نہیں رہا —— اس بات پر بھی مجھے فخر ہے —— وہ مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے ——!

شبنم کی آواز مدّھم تھی۔

اس لڑکی میں کتنا حوصلہ اور کتنا ضبط ہے؟ یاسمین بھابھی نے سوچا۔

ان کے دل میں شبّو کی محبت کچھ اور بڑھ گئی۔

یاسمین بھابھی تو ایک مہینہ رہ کر لاہور واپس چلی گئیں لیکن خالہ امّی کو

ان سب نے اصرار کر کے روک لیا۔ ہارون کے اس انوکھے اقدام نے انہیں بہت دل برداشتہ کر دیا تھا بات بات پر ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ مسلسل سوچوں نے ان کے ذہن کو بیمار ڈال دیا تھا۔ وہ بہت کمزور اور دبلی ہو گئی تھیں۔

خالہ امّی کی خواہش تھی کہ لاہور جاتے وقت شبّو کو بھی کچھ عرصے کیلئے اپنے ساتھ لے جائیں۔ مگر وہ کس منہ سے شبّو سے کہتیں ——؟ وہ آنسو بہاتی ہوئی اکیلی ہی رخصت ہو گئیں۔ گھر میں ایک دم ہی بڑا سناٹا سا ہو گیا۔

پھر —— ایک روز ریحان۔ بھیّا نے جب اپنے ٹرانسفر کی خبر سنائی تو امّی دونوں ہاتھوں سے اپنا دل تھام کر بیٹھی رہ گئیں۔ کچھ دیر بعد ان کی حالت سنبھلی تو وہ ریحان بھیّا اور چھوٹی بھابھی کو گلے لگا کر رو پڑیں۔

میری قسمت میں اپنے بیٹوں بہوؤں سے جدائی ہی لکھی تھی ——؟ انہوں نے رندھے ہوئے گلے سے کہا۔

امّی جان! ہم کوئی زیادہ دور تو نہیں جا رہے —— بھابھی نے کہا۔

ہاں امّی —— کراچی اور لائل پور میں زیادہ فاصلہ تو نہیں ——! ریحان بھیّا نے کہا۔

اور پھر ہم لوگ آتے رہا کریں گے —— بھابھی نے کہا۔

تم لوگ اس گھر میں نہیں رہتے تھے نہ سہی۔ لیکن میری آنکھیں دسویں پندرھویں تم لوگوں کو دیکھ تو لیا کرتی تھیں ——!

امّی نے اپنے سفید آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

ریحان بھیّا اور بھابھی سر جھکائے افسردہ سے بیٹھے تھے۔ چلتے وقت چھوٹی بھابھی انجم کو اپنے ساتھ لے گئیں۔

ریحان بھیّا بھی پندرہ روز بعد بیوی بچوں سمیت رخصت ہو گئے امّی بڑی گم سم سی رہنے لگی تھیں۔ نمازوں کے علاوہ نفلیں اور لمبے لمبے وظیفے پڑھا کرتیں گھر میں اِدھر سے اُدھر بلا مقصد ہی چکّر لگایا کرتیں۔ ان کی صحت بھی دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ شبّو، عمران اور انجم نے بڑی مشکل سے انہیں سمجھا کر بیکار کی سوچوں میں الجھنے سے باز رکھنے کی کوشش کی —— وہ لوگ جب تک گھر میں رہتے انہیں باتوں میں مصروف رکھتے۔ صبح تو وہ تینوں ہی چلے جاتے تھے۔ انجم بھی کچھ عرصے سے یونیورسٹی جانے لگی تھی۔ کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ لکچرر کی حیثیت سے اس کا تقرّر ہو گیا تھا۔ ایم۔ ایس۔ سی میں اس کی پوزیشن آئی تھی۔ ان کے گھر آنے جانے والے رشتے دار اور پڑوس کے لوگ امّی سے ان کی لائق فائق اولاد کی تعریفیں کرتے تھے۔ اور وہ دل ہی دل میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتیں جس نے ان کے شوہر (مرحوم) کی قابلیت اور ذکاوت و فراست کو ان کی اولاد میں منتقل کر دیا تھا۔

اپنے اردگرد پھیلی ہوئی خاموشیوں اور سنّاٹوں کو دیکھ کر شبنم کو اپنوں کی دوری کا احساس بڑی شدّت سے ہوتا تھا۔ ایک ایک کر کے

سب دور جا رہے ہیں۔ جانے والوں کو بھلا کون روک سکتا ہے۔۔۔؟

دو چار روز ہوتے رخشندہ نے بتایا تھا اس کے بھائی کو اسلام آباد میں بڑی اچھی سروس مل گئی ہے۔ وہ سب لوگ جلدی ہی ان کے ساتھ اسلام آباد چلے جائیں گے۔ ثروت آپا کی فیملی کو مجبوراً ہی وہ بنگلہ چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ مالک مکان نے اپنا مکان فروخت کرنے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ کتنی اچھی فیملی ہے۔ ثروت آپا کی۔۔۔؟

گزشتہ نو برسوں سے وہ لوگ سامنے والے گھر میں رہ رہے تھے۔

اب جانے کون لوگ آئیں۔۔۔؟ کیسے ہوں۔۔۔؟ اس نے سوچا۔

فروری کے آخری ہفتے میں رخشندہ اور ثروت آپا کی فیملی بھی اس محلّے کو خیرباد کہہ کر چلی گئی۔ رخشندہ کے گھر میں نئے کرائے دار آ گئے تھے۔ سامنے والا بنگلہ بھی فروخت ہو چکا تھا۔ لیکن مکان کے لئے مالک ابھی تک نہیں آئے تھے۔

موسم سرما بڑی خاموشی سے گزرا جا رہا تھا۔ اب تو برائے نام سی خنکی باقی رہ گئی تھی۔ خوشگوار موسم ہونے لگا تھا۔

اس روز وہ ابا میاں کی لائبریری میں ان کی کتابوں کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھی کہ آصف آ گیا۔

کیا ہو رہا ہے مس۔۔۔؟ وہ دروازے میں رک کر مسکرایا۔

شبنم ایک دم چونک گئی۔ جھاڑن ہاتھ میں پکڑے وہ کھڑی رہ گئی۔

ڈر گئیں ——؟ آصف اس کے قریب آکر بولا۔

ہاں ——! وہ جھینپ گئی۔

کمال ہے صاحب! بقراط کی خالہ ڈر گئیں ——!

کتنی دیر ہوئی تمہیں آئے ہوئے ——؟

تقریباً بیس منٹ ——!

گھر میں سب ٹھیک ہیں ——؟

الحمدللہ ——! تم سناؤ ٹھیک ہو ——؟

بالکل ٹھیک ——!

بالکل جھوٹ ——!

کیوں ——؟

ذرا اپنی صورت دیکھو آئینے میں ——!

میری صورت کو کیا ہو گیا ——؟

زرد بیمار صورت، پریشان بال۔ آخر یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے تم نے؟

میں تو بالکل ٹھیک ہوں —— یہ محض تمہارا خیال ہے ——!

نہ میرا خیال غلط ہے اور نہ میری نظریں دھوکہ کھا رہی ہیں ——!

شبنم خاموش رہی۔

دیکھو نامس ——— زندگی میں حادثات تو ہوتے ہی رہتے ہیں اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ وقتی طور پہ دل و دماغ ذہن متاثر ہوتے ہیں مگر ——— ،
وہ ایک لمحے کو رکا۔

یہ کہ تمام زندگی ایسی باتوں کا سوگ منانا کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے!

تو میں کب سوگ منا رہی ہوں ——— ؟ شبنم کی آواز مدھم تھی۔

تو پھر یہ سب کیا ہے ——— ؟ ہر وقت خاموش اور گم سم رہنا، کپڑوں کی طرف سے، بالوں کی طرف سے اور خود اپنی طرف سے اتنی لاپرواہی برتنا —!

خاموش رہنے کی عادت تو پرانی ہے ——!

مگر اب تو اس عادت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا ہے ——!

آصف نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

اُفوہ —! تم کیوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو آصف ——— ؟

ہر دوسرے تیسرے دن آجاتے ہو نصیحتیں کرنے — !

تمہیں بُرا لگتا ہے ——— ؟ آصف نے پوچھا۔

برا تو نہیں لگا مگر جھنجھلاہٹ تو ہوتی ہے ——— !

کیوں ——— ؟

تم خواہ مخواہ ایک غلط خیال قائم کر کے بیکار کی نصیحتیں کرتے ہو —!

نصیحتیں بھی کبھی بیکار ہوا کرتی ہیں ——!

اچھا چھوڑو اس ذکر کو ——!

بہت بہتر —— ! آصف شوکیس میں سجی کتابوں کی طرف دیکھنے لگا۔

اور سناؤ۔ آجکل کیا مشغلے ہیں تمہارے ——؟ شبنم نے پوچھا

کوئی خاص مشغلہ نہیں ——!

گھر والوں کے کیا پروگرام ہیں ——؟

وہی پرانے پروگرام ——!

اس کا مطلب ہے ہنگامے عروج پر ہیں ——!

ہوں۔ ہاں —— ! آصف نے بڑے غور سے شبنم کی طرف دیکھا۔ اس کے لبوں پر کسقدر پھیکی اور مجروح سی مسکراہٹ تھی۔ باتیں اس طرح کر رہی تھی۔ جیسے کوئی اسے مجبور کر رہا ہو ——!

آصف نے اپنے دل میں اس کے لئے شدید تکلیف محسوس کی۔

اس طرح کیا دیکھ رہے ہو تم ——؟

کچھ نہیں —— ! آصف دانتوں تلے انگلی دبا کر بولا۔

کچھ دیوانے ہو گئے ہو تم ——؟

شاید ——!

کس کے دیوانے ——؟ شبنم مسکرائی۔

کس کا دیوانہ ——؟ آصف نے ایک لمحہ کو سوچا۔

یہ تو مجھے خود بھی نہیں معلوم — !

ہوں — یہ بات ہے — ؟ شبنم معنی خیز انداز سے مسکرائی۔

ہاں — بس کچھ ایسی ہی بات ہے — !

اچھا یہ بتاؤ یہاں سے کہاں جاؤ گے — ؟

کیوں ——؟

اگر سید سے گھر ہی جا رہے ہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں — !

میں تو خود تم سے یہ بات کہنے والا تھا — !

تو پھر جاؤ امی سے پوچھو — میں شبنم کو لے جاؤں — ؟

وہ منع تھوڑی کریں گی — !

پھر بھی پوچھ تو لو —— !

ارے بابا! وہ تو خود مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ اگر وہ راضی ہو تو لے جاؤ۔ وہاں اتنے سارے لوگوں میں اس کا دل بہل جائیگا —— !

شبنم کا چہرہ ایک دم متغیر ہو گیا۔ دل میں ایک ٹیس سی اٹھی آنکھوں میں نمی سی آگئی اس نے جلدی سے نظریں جھکا لیں۔ تاکہ آصف اس نمی کو نہ دیکھ سکے۔ آصف نے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھا اور بڑی خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے سوچا اگر وہ اس وقت رونا ہی چاہتی ہے تو اچھا ہے — تنہائی میں جی بھر کر رو لے۔ وہ برآمدے کی ریلنگ کے قریب

جھک کر سگریٹ پینے لگا۔ شبنم کا اداس چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا اور اس کے خیالات اُلجھ رہے تھے۔ سگریٹ ختم ہوا تو وہ پھر کمرے میں آگیا۔ شبنم کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ رکھے چپ چاپ کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ اتنا ویران تھا کہ آصف کا دل دکھ ہو گیا۔ آصف کو دیکھکر وہ ایک دم سنبھل گئی اور کرسی کو آہستہ سے سرکا کر اس کے ساتھ باہر آگئی۔

پھر جب وہ آصف کے ساتھ پھوپھی اماں کے گھر پہنچی تو درختوں کے سائے طویل ہو چکے تھے۔ دھوپ ہلکی پڑ گئی تھی۔ فضا میں بڑی مدھم سی دھند چھائی ہوئی تھی۔ گھر میں ہنگامے عروج پر تھے۔ ہر شخص اپنے من پسند مشغلے میں مصروف تھا۔ اونچی آواز سے ریکارڈنگ ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی بھونڈی، بے ہنگم اور سریلی آوازوں میں گا رہے تھے۔ کیرم کی گوٹیں کھٹا کھٹ ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ باتیں ہو رہی تھیں اور قہقہے لگ رہے تھے۔ شبنم کو دیکھکر سب نے خوشی کا نعرہ بلند کیا۔ اور چند ہاتھوں نے آصف کے اس کارنامے پر اِس کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کر دی ــــ آصف پریشان ہو کر چلایا، خدا کے لئے مجھے بخش دو میری کمر ٹوٹ جائے گی۔ مگر فرض شناس لوگوں نے اپنا فرض ادا کر ہی دیا ــــ اس کے بعد شبنم کی باری آئی۔ ہر شخص کی کوشش یہ تھی کہ شبنم اس کے مشغلے میں دلچسپی لے۔ اور اتنے سارے لوگوں کے ہجوم میں شبنم اکیلی جان حیران پریشان کھڑی یہ سوچ رہی تھی کہ کس کی

بات مانے کس کی بات نہ مانے۔ اس کی تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنے سارے لوگوں کی باتوں کا بیک وقت کیسے جواب دے — ؟ اس نے ہمت کر کے دو ایک بار زبان کھولی بھی مگر مشکل تو یہ تھی کہ پوری پبلک ایک ساتھ بول رہی تھی۔ نقار خانے کا سا سماں تھا۔ وہاں بھلا طوطی کی آواز کی حیثیت ہی کیا تھی — ؟

آصف! خدا کے لئے پبلک کو خاموش تو کراؤ — ! اس نے پریشان ہو کر آصف سے کہا۔

تم تو مقررہ رہ چکی ہو مس — ! تقریر کرتے وقت تم پبلک کو کس طرح خاموش کیا کرتی تھیں — ؟ آصف مسکرایا۔

ارے بابا! یہاں کی پبلک بڑی زبردست ہے — !

اتنے میں احمر کی امی کمرے میں آگئیں۔ شور و غل کی آواز سے پریشان ہو کر انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اور چیخ کر بولیں۔

جب تم سب نے اپنے اپنے ریڈیو پوری آواز سے کھول رکھے ہیں تو اس کم بخت کو تو بند کر دو — ! انہوں نے ٹیپ ریکارڈ کی طرف اشارہ کیا۔

زلفی نے فوراً بڑی سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ احمر آنکھیں نکال کر اس کی طرف بڑھا تو زلفی جھٹ کھڑکی سے باہر کود گیا۔

تم لوگ بھی بس اپنی مثال آپ ہو — ! احمر کی امی نے کہا۔

لیکن کیوں — ؟بٹ وحائی — ؟ تقریباً سبھی نے انگلش اور اردو میں بیک وقت اتنی بلند آواز سے پوچھا کہ انہوں نے گھبرا کر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

بچی اتنی دیر سے آئی کھڑی ہے تم سب نے بجائے اسے بیٹھانے کے پاگل بنا کر رکھ دیا —!

یہ کھڑی ہوئی بہت اچھی لگ رہی ہیں امی —! احمر نے کہا۔

اور پھر جب یہ آپ بزرگوں سے ملنے گئی تھیں تو یقیناً پانچ دس منٹ بیٹھی ہوں گی —! زینی نے کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر ہانک لگائی۔

بیٹی! تم خود ہی بیٹھ جاؤ۔ یہ لوگ اپنی عادتوں سے باز آنے والے نہیں ہیں —! وہ کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولیں۔

پھوپھی اماں کے گھر شبنم کا وہ پورا ہفتہ بہت مصروفیت میں گزرا۔ صبح تو وہ یونیورسٹی ہی چلی جاتی تھی۔ شام کو ہر روز کوئی نہ کوئی پروگرام بن جاتا تھا۔ رات کو ٹی۔ وی کے پروگرام دیکھنا بھی جیسے فرض تھا اور اس کے بعد رات تو اپنی تھی ہی۔ وہی شور غل، گانا بجانا، ہنسنا، قہقہے لگانا، باتیں اور بے شمار باتیں —!

ایک ہفتہ پلک جھپکتے میں گزر گیا لیکن شبنم کو واپس بھیجنے پر کوئی بھی راضی نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے اس شرط پر اسے گھر جانے کی اجازت ملی کہ جلدی ہی

اس کو دوبارہ آنا پڑیگا۔ آصف کا موڈ بہت خراب تھا۔ پچھلی شام سے وہ شبنم سے بالکل بات نہیں کر رہا تھا۔ شبنم کو اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

دوسروں سے سفارش کرواکے اس نے بدقت تمام آصف کا موڈ درست کروایا اور اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اسے گھر چھوڑ آئے۔

اور گھر واپس آکر پھر وہی سناٹا تھا —— وہی خاموشی اور وہی تنہائی زہر میں بجھے ہوئے لمحات —! فرصت کے اوقات میں کبھی وہ اپنے کمرے کے دریچے میں اور کبھی برآمدے کی ریلنگ پر جھک کر سوچا کرتی۔ نہ سوچوں کی کوئی کمی تھی اور نہ خیالات کی —! اَن گنت سوچیں تھیں اور لاتعداد خیالات تھے۔ جو ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے اور ایک دوسرے سے الجھتے تھے۔ مگر ان سوچوں کا حاصل کچھ نہیں تھا۔ شمع تمنا بجھ چکی تھی۔ امنگیں آتی جاتی راتوں کے کارواں کے ساتھ جانے کن صحراؤں اور ویرانوں کی خاک چھان رہی تھی۔ زندگی محض شکستوں کے انبار گراں کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ زیست کے افسردہ لمحات تنہائیوں کے المناک سکوت سے الجھ کر، ٹکرا کر آہستہ آہستہ پاش پاش ہو رہے تھے۔ دم توڑ رہے تھے۔ اور —— اس کے خواب — جانے کب کے بکھر چکے تھے —؟ وہ خواب —— جن کے بارے میں سوچتے ہوئے اکثر اسے خلیل جبران کے الفاظ یاد آجاتے تھے —" ہمارے خواب، وہ سمندر ہیں، جن کا "مد" ہماری خاموشی ہے اور جن کا "جزر" ہمارے قلموں کی روشنائی

ہے —"

معلوم نہیں خلیل جیران! تم نے کیا سچ کہا تھا اور کیا جھوٹ — ؟ وہ پلکیں جھپکا کر سوچتی اور ایک طویل سانس لیکر رہ جاتی — !

ہارون کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آجاتا تو اسے اپنی زندگی کی اس پہلی شکست کا احساس بڑی شدت سے ہوتا۔ وہ سوچتی اگر وقت نے اسے یہ زخم نہ دیا ہوتا تو اس کی سوچوں کے انداز کیا ہوتے — ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ زندگی کی معمولی سے معمولی کامیابی اور کامرانی بھی انسان کی سوچوں کے انداز بدل دیتی ہے — ؟

لیکن سوال یہ ہے کہ انسان زندگی میں شکستوں کا سامنا کرنے سے گھبراتے کیوں ہیں —— ؟ کامیابی اور کامرانی کا سامنا تو ہر شخص بڑی خوشی سے کرتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم شکستوں کا سامنا بھی اسی طرح کریں —— ؛ اور پھر شکست بھی کون سی —— ؟ محبت کی شکست — چاہت کی شکست ۔۔ وہ حیران ہو کر سوچتی کہ اس موقع پر وہ خود کو اس قدر کمزور دل کا کیوں ثابت کر رہی تھی —— ؛ وہ —— جو اپنے بارے میں یہ سمجھا کرتی تھی کہ اتنی کتابوں کا مطالعہ اس کے دل اور ذہن و دماغ میں وسعت پیدا کر دیگا —— ! کیا ان عظیم ادیبوں اور مفکروں کی عمر کے تجربات و حوادث اس کے لیئے بالکل بھی کارآمد نہیں ثابت ہوں گے —— ؟ مطالعہ کرتے وقت

تو اس نے بڑے ذوق و شوق سے ان کے اقوال کو سراہا تھا لیکن جب عمل کرنے کا وقت آیا تو سب کچھ بے سود ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے جبرآن کی نظم "جلوس حیات" کو بڑے پیار سے پڑھا تھا اور اس کے اندازِ فکر سے متاثر ہو کر وہ کئی لمحوں تک گم سم سی بیٹھی رہی تھی۔ تب ——— اس نے نظم کی ان سطور کو بے ساختہ کئی بار پڑھا تھا کہ" ذوالقرنین کے دل میں ایک کمیلا تھا۔

اور قیس کی شکستوں میں فوز و ظفر!

محبت روح میں ہوتی ہے، جسم میں نہیں۔

ہم اسے اس شراب کی حیثیت سے جانتے ہیں۔

جو مستی اور بے خبری کے لئے، وحی و الہام کے لئے کشید کی جاتی ہے"

مگر اب اُسے کیا ہو گیا ہے ———؟ کیا نظم کے الفاظ میں اب وہ تاثر نہیں رہا یا پھر اسی کا اندازِ فکر بدل گیا ہے ———!

وہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتے ہوئے کہتی۔

اور اس دفعہ بہار یوں آئی تھی کہ سوائے رنج و افسردگی اور زخم خوردگی کے احساس کے اور کچھ نہیں لائی تھی۔ وہ دکھے دل کے ساتھ دریچے سے پلٹ آئی۔ آج یونیورسٹی جانے کا بالکل موڈ نہیں تھا۔ وہ دوبارہ بستر پہ لیٹ گئی۔ اُسے لیٹے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ نجّو کمرے میں آگئی اس نے شبّو کو یوں چپ چاپ لیٹے دیکھا تو قریب آگئی۔

آج یونیورسٹی نہیں جانا ۔۔۔؟ اس نے پوچھا۔

نہیں ۔۔۔!

کیوں ۔۔۔؟

بس۔ موڈ نہیں ۔۔۔!

اچھی بات ہے پھر ــــ آرام کرو ــــ!

بچوّں کے یونیورسٹی جانے کے کافی دیر بعد وہ بڑی ہمّت کر کے بستر سے اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کرنے آگئی۔ عمران بھی جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ عمران چلا گیا تو وہ امّی کے پاس آگئی۔ امی بیٹھی ہوئی عمران کا کرتہ سی رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر امّی کے پاس بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی پھر اپنے کمرے میں آگئی۔ اس کے سرہانے آیکین چانگ کا ناول "**دھان کا گیت**" پڑا تھا۔"

کتاب پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسے سوئے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ شوروغل کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو ملتے ہوئے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی پھر بستر سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آگئی۔ اس کی نظریں لان کے درختوں اور گیٹ سے ٹکراتی ہوئی باہر سڑک پر جاکر ٹھہر گئیں۔ سامنے والے مکان کے نئے مالک آگئے تھے۔ سڑک رکا ہوا تھا۔ دو تین آدمی سامان اتار کر اندر لے جارہے تھے۔ فرید پہلے تو دو تین منٹ گیٹ کے پاس کھڑا تماشا دیکھتا رہا۔ پھر دانت نکالتا ہوا آگے بڑھ کر خود بھی ان لوگوں کی مدد کرنے لگا ــ شبنم کافی دیر تک اس انتظار میں کھڑی رہی کہ شاید کوئی عورت، کوئی لڑکی یا کوئی بچہ نظر آجائے مگر وہاں تو سوائے دو تین ملازم نما آدمیوں کے اور کوئی نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ تنگ آکر وہ دریچے سے ہٹ گئی اور دوبارہ بستر پہ دراز ہو کر کتاب

پڑھنے لگی۔

دوپہر کو کھانے کے وقت فخرو نے بتایا کہ نئے مالک مکان ڈاکٹر ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی عورت اور بچہ نہیں ہے۔ صرف چار ملازم ہیں۔ بجّو نے اپنی تسلّی کے لئے دو تین دفعہ کہا بھی کہ ہو سکتا ہے باقی لوگ بعد میں آئیں مگر فخرو نے فوراً اس کے خیال کی تردید کر دی۔

بی بی! مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ صاحب کے ملازم نے مجھے بتایا ہے!

اچھا یہ بتاؤ تم نے ڈاکٹر صاحب کو دیکھا —؟ بجّو نے اپنی پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے کہا۔

ہاں بی بی —!

بوڑھے ہیں یا جوان ہیں —؟

ہوں — امّی نے بجّو کو ٹوکا۔

امّی! میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی —! بجّو ایک دم ہنس پڑی۔ شبنم بھی اس کی اس حرکت پہ بے ساختہ مسکرا دی۔

تیری طبیعت کا بچپنا نہیں جاتا کسی طرح بجّو —! امّی مسکرا کر بولی۔

امّی — میں تو ابھی ان کی صورت شکل بھی پوچھنے والی تھی۔ آپ نے ٹوک دیا —!

فخرو مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔

امّی! ان ڈاکٹر صاحب کو چاہئیے کہ اپنے روپے واپس لیکر یہ مکان فوراً خالی کر دیں ــــ! انجو نے کہا

کیوں ــــ؟

ان کے گھر میں نہ کوئی عورت ہے نہ بچّہ ــــ! بالکل بھی لطف نہیں آئے گا ــ!

تمہارے لطف کی خاطر اب یہ تو ہونے سے رہا کہ وہ روز روز گھر بدلتے رہیں ــــ! امّی اپنی کرسی سے اٹھتے ہوتے بولیں۔

پھر ــــ اسی شام ــــ شبنم اپنے کمرے کے دریچے میں کھڑی تھی تب اس نے نئے مالک مکان کو دیکھا۔

یقیناً یہی ڈاکٹر شعیب ہیں ــــ! اس نے سوچا۔

فخرو نے یہی نام تو بتایا تھا۔ اس نے ذہن پر زور دیا۔ شبنم کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ فخرو نے بڑے مزے سے دیدے پھاڑتے ہوئے بتایا تھا۔

بی بی ــــ! ان کا نام ڈاکٹر شعیب رضا ہے۔ ان کا ملازم گیٹ پر ان کے نام کی تختی لگا رہا تھا۔

ڈاکٹر شعیب کی نظر اب تک اس پر نہیں پڑی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم سگرٹ کے کش لگا رہے تھے۔ شبنم دریچے سے ہٹ گئی۔ ویسے وہ

یہ سوچکر فکر مند تھی کہ اس دریچے میں کھڑے ہونے کے لئے احتیاط برتنی پڑے گی۔ کمرے کا یہ دریچہ اس کے کھڑے ہونے کی مخصوص اور پسندیدہ جگہ تھی۔ جب تک ثروت آپا کی فیملی یہاں تھی کسی بات کی فکر ہی نہیں تھی۔ بالکل گھر کا سا معاملہ تھا۔ شبنم کمرے سے باہر نکلی تو ریلنگ کے قریب "نجو" کھڑی تھی۔ وہ اس قدر محو ہو کر باہر دیکھ رہی تھی کہ اسے شبنم کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہوا۔ شبنم دوبارہ کمرے میں واپس آگئی۔ غیر ارادی طور پر اس کے قدم پھر دریچے کی طرف اٹھ گئے۔ اسی وقت ڈاکٹر شعیب نے سگریٹ پھینک کر اس طرف دیکھا۔ شبنم پر نظر پڑتے ہی ایک لمحے کے لئے ان کے چہرے کا رنگ بدلا مگر دوسرے ہی لمحے وہ پرسکون ہو کر سامنے کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ شبنم اسی طرح کھڑی رہی۔ گاڑی گیٹ سے نکل کر ایک طرف چلی گئی تب بھی وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

شبّو —! انجم نے ایکدم پیچھے سے آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھدیا۔ اس نے چونک کر انجم کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی شریری مسکراہٹ تھی۔

ڈاکٹر شعیب رضا کو دیکھا شبنم —؟

ہاں — نظر تو آئے تھے —!

آدمی ہیں شاندار —!

شبنم کو ہنسی آگئی۔
شکر ہے کہ بوڑھے یا ادھیڑ عمر نہیں ہیں —!
مطلب کیا ہے تمہارا —!
مطلب کچھ نہیں — بس ویسے ہی ان کو دیکھکر طبیعت ذرا گلیبڈ ہوئی — ! مگر —!
مگر —؟
یہ کہ میرا دل کہتا ہے کہ یہ ڈاکٹر دکھوں کا مارا ہوا ہے — اس کے دل نے یقیناً چوٹ کھائی ہے —!
تمہیں کیسے اندازہ ہوا —؟
اس کا چہرہ بڑا اُداس اُداس سا ہے —! آنکھیں کھوئی کھوئی سی ہیں — بڑی گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا —!
شبنم نے سوچا — انجم کچھ غلط نہیں کہتی۔ ڈاکٹر شعیب کا چہرہ واقعی اُداس نظر آرہا تھا —!
کیا سوچنے لگیں —؟ انجم نے اسے ٹھوکا دیا۔
ہوں — کچھ نہیں —! وہ چونک گئی۔
اب مسئلہ یہ حل کرنا ہے شبّو کہ اس ڈاکٹر کو آخر کون سا دکھ ہے۔؟
اتنی شاندار، قابلِ رشک شخصیت کا مالک ہے دولت اس کے پاس ہے،

عزت اس کے پاس ہے پھر کیا وجہ ہے — بیوی بچوں کی خواہش ہے تو کسی حسین نازک اندام سی لڑکی سے شادی کرے۔ اس کے لئے تو لڑکیوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ ایک کی طرف اشارہ کریگا ہزار دوڑی ہوئی آئیں گی — ! انجم بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

افوہ نجو — ! خیریت تو ہے — ! شبنم کو ہنسی آگئی۔

باقی تو سب خیریت ہے شبنم رانی — لیکن ڈاکٹر شعیب رضا کی اداس صورت دیکھکر مجھے بڑا دکھ پہنچا — !

نجو میرا خیال ہے کہ تمہارا کوئی اسکرو یا تو ڈھیلا ہو گیا ہے یا پھر کھو گیا ہے۔

بالکل غلط خیال ہے تمہارا — !

میرا خیال بالکل درست ہے میں تمہیں امی کے پاس لے چلتی ہوں۔ وہ یا تو تمہارا اسکرو کس دیں گی یا پھر بازار سے دوسرا منگوا دیں گی — !

میں سنجیدہ ہوں مس صاحبہ — ! انجم نے کہا۔

تمہاری ایسی کی تیسی — ! شبنم اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی باہر لان میں آگئی۔

اس واقعہ کو کافی روز گزر گئے۔ ڈاکٹر شعیب سے اکثر آمنا سامنا ہو جاتا تھا لیکن نوبت علیک سلیک تک بھی نہیں پہنچی تھی — ہاں — ! عمران سے ان کی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ عمران کئی دفعہ ان کے گھر بھی جا چکا تھا۔ دو تین دفعہ ڈاکٹر شعیب

بھی آئے تھے۔ مگر ہر دفعہ اتفاق ایسا ہوا کہ شبنم اور انجم گھر پہ نہیں تھیں۔

پھر ——— ایک روز عمران نے امی کو بتایا کہ ڈاکٹر شعیب کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کا ایک چار سالہ بچّہ ہے جو اپنی بڑی پھوپھی کے پاس لاہور میں رہتا ہے۔ ان کے بڑے بھائی لندن یونیورسٹی میں معاشیات کے ڈاکٹر ہیں۔ ایک چھوٹی بہن اپنے شوہر کے ساتھ کویت میں رہتی ہیں۔

عمران نے ڈاکٹر شعیب کا ذکر بڑی افسردگی کے ساتھ کیا۔

سچ امی۔ ! مجھے تو بڑا دُکھ ہوا ان کے بارے میں یہ سب کچھ جان کر ——— !

ہائے ——— ! جبھی بیچارے اتنے اُداس اور خاموش رہتے ہیں ——— !

انجم نے بھی لقمہ دیا۔

شبنم کو انجم کی صورت دیکھکر ہنسی آرہی تھی۔ جب اس سے ہنسی ضبط نہ ہو سکی تو وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ اس کے پیچھے ہی انجم بھی باہر آگئی۔

تم کیوں اٹھ کر آگئیں ——— ؟ انجم نے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھا۔

وہ ——— بخو ——— ! مجھے ہنسی آنے لگی تھی ——— ! شبنم بے ساختہ ہنس دی۔

ہنسی کی کون سی بات تھی بھلا ——— ؟

تمہاری شکل دیکھکر ہنسی آرہی تھی ——!

کیوں ——؟ میری شکل کو کیا ہوگیا تھا ——؟

ایمان سے — ایسی روتی صورت بنالی تھی تم نے ——!

سچ بتاؤ —— کیا تمہیں دکھ نہیں ہوا ان کے حالات جان کر ——؟

ہوا کیوں نہیں —— مگر ——!

چھوڑو جی — تم کو تو مذاق سوجھ رہا ہے اس وقت ——! انجم منہ بناکر کمرے میں چلی گئی۔ شبنم اپنے کمرے میں آگئی۔ دریچے کی طرف صرف دیکھکر ہی رہ گئی۔ اب اس نے دریچے میں کھڑے ہونا بہت کم کر دیا تھا۔ خصوصاً اس دریچے میں جو اسے بند تھا۔ جن اوقات میں ڈاکٹر شعیب گھر پہ موجود ہوتے تھے ان اوقات میں تو وہ بہت احتیاط برتتی تھی۔

اور —— ایک شام —— امی اور انجم پھوپھی اماں کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ عمران غسل کر رہا تھا اور فخرالدین بازار گیا ہوا تھا۔ تب —— اچانک ہی کال بیل قدرے مدھم آواز میں بجی۔ شبنو نے اپنے کمرے سے باہر نکل کر دیکھا۔ گیٹ کے پاس ڈاکٹر شعیب کھڑے تھے۔ اس نے ہاتھ پیشانی تک لیجاکر انہیں سلام کیا۔ اس کی آواز تو اتنی مدھم تھی کہ شاید وہ سن بھی نہ سکے ہوں۔ انہوں نے خفیف سے اشارے سے جواب دیا۔ شبنم اپنے آنچل کو سنبھالتی ہوئی لان کو پار کر کے گیٹ پہ آگئی۔

عمران سے ملنا ہے آپ کو ——؟

جی ہاں ——! ڈاکٹر شعیب نے سگرٹ زمین پر ڈال کر مسل دیا۔

اندر تشریف لے آیئے ——!

ڈاکٹر شعیب اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

ڈاکٹر شعیب بیٹھ گئے تو شبنم نے دھیرے سے کہا۔

آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ وہ باتھ روم میں ہے ——!

جی ——!!

جی ہاں ——!

آپ کو ناحق زحمت ہوئی۔ آپ وہیں بتا دیتیں میں کچھ دیر بعد آ جاتا ——!

مجھے بالکل زحمت نہیں ہوئی ——! شبنم کو ہنسی آتے آتے رہ گئی۔ اتنے تکلف سے بات کرنے کی اسے عادت نہیں تھی۔ وہ جلدی سے ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔

اس نے باتھ روم کا دروازہ کھٹکھٹا کر عمران کو ڈاکٹر شعیب کی آمد کی اطلاع دی اور باورچی خانے میں چلی گئی۔ فیروز جانے کب تک بازار سے لوٹتا۔ مجبوراً چائے اسے ہی بنانی تھی۔ عمران نہا کر آیا تو چائے تیار تھی۔

چائے لیتے جانا عمران ——!

آپ ہی لے آئیں نا آپی ——!

تم لے جاؤنا ——!

اچھا - آپ آتو جائیں ——!

میں کیا کروں گی —— ؟

آپ کا تعارف کروا دوں ——!

مجھے نہیں ضرورت تعارف کی ——!

ویسے غائبانہ تعارف تو ہے آپکا ——!

بس - اُتنا ہی کافی ہے ——!

اوہ - آپی —— ڈونٹ بی سو سِلی - ! اتنا پڑھ لکھ کر بچّوں جیسی باتیں کرتی ہیں ——!

ارے بابا ! تم جلدی جاؤ - چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے ——!

آپ بھی چلیئے ——!

نہیں ——!

اچھی بات ہے . میں چائے یہیں چھوڑ جاتا ہوں . اپنے آپ لیکر آئیں گی -!

عمران ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا - شبنم اسے پکارتی رہ گئی -

نالائق —— ! وہ بڑبڑائی اور چائے کی ٹرے اٹھا کر ڈرائنگ روم میں آگئی - اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی ڈاکٹر شعیب کی نگاہیں ایک لمحے کے لیئے اس کی جھکی ہوئی پلکوں سے ٹکرائیں اور دوسرے ہی لمحے وہ عمران کی

طرف متوجہ ہو گئے۔

عمران شبنم کی طرف دیکھکر شرارت آمیز نگاہوں سے مسکرایا۔ شبنم نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ اور زیر لب بڑبڑائی۔

شبنم چائے میز پر رکھکر جانے لگی تو عمران نے کہا۔

چائے۔ بنا کر بھی دیجئے ——!

وہ غصے سے پیچ وتاب کھا کر رہ گئی۔ چائے بنا کر ڈاکٹر شعیب کو دینے کے بعد جب وہ عمران کے قریب آئی تو عمران نے قدرے آہستہ سے کہا۔

اب تو غصہ تھوک دیجئے آپی۔ اتنے پیارے سے چہرے پر غصہ اچھا لگتا ہے ——؟

تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ نالائق۔! اچھی طرح خبر لوں گی تمہاری —!

ڈاکٹر شعیب نے ان دونوں کی نوک جھونک سن لی تھی وہ زیر لب مسکرا کر چائے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ شبنم نے پھر جانے کے لئے پر تولے لیکن عمران نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے برابر بٹھا لیا۔

آپ ہماری آپی سے ملے ڈاکٹر صاحب ——؟

جی ——!

یہ محترمہ! جو اس وقت اتنے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کر رہی ہیں —— شبنم فیانسی ہیں —!

اچھا۔۔۔!

بہت لائق خاتون ہیں یہ محترمہ ۔۔۔! کتابیں پڑھنے کا شوق جنون کی حد تک ہے ۔۔۔! بہت اچھی ادیبہ ہیں، بہترین مقررہ رہ چکی ہیں ۔۔ میرا خیال ہے میں ایک دفعہ پہلے بھی ان کی خصوصیات آپ کے سامنے گنوا چکا ہوں ۔۔!

جی ہاں ۔۔۔! ڈاکٹر شعیب مسکرائے۔

بس ۔۔ یوں سمجھ لیجئے۔ ہماری آپا بڑی پیاری شخصیت کی مالک ہیں۔!

۔۔۔! ڈاکٹر شعیب مسکرائے۔ مگر خاموش رہے

شبنم کو عمران کے اوپر بے تحاشا غصہ آرہا تھا۔ احمق ہے بالکل ہر ایک کے سامنے قصیدہ خوانی کرنے بیٹھ جاتا ہے ۔۔۔!

وہ چپ چاپ اٹھ کر ڈرائنگ روم سے باہر آگئی۔ مغرب کی آذان ہو رہی تھی۔ وہ وضو کر کے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ نماز پڑھ کر وہ برآمدے کی ریلنگ کے قریب کھڑی مدھم سی تاریکی میں سر جھکائے درختوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ تب ڈاکٹر شعیب عمران کے ساتھ باہر آگئے۔ شبنم نے پلٹ کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر شعیب نے قریب سے گزرتے ہوئے آہستہ سے خدا حافظ کہا۔ شبنم نے بھی آہستہ سے خدا حافظ کہا۔

عمران کچھ دیر بعد انہیں رخصت کر کے اندر آیا تو شبنم نے اچھی طرح اس کی خبر لی۔ مگر وہ مسکراتے ہوئے یہی کہتا رہا ۔۔۔ اس میں برا ماننے کی

توکوئی بات ہی نہیں ہے۔ میں نے کسی غلط آدمی کے سامنے توآپ کو نہیں بٹھایا۔ تھا۔ آپ کو کیا معلوم وہ کتنے اچھے آدمی ہیں۔ — ابّی کو آنے دیجئے اچھی طرح ڈانٹ پڑواؤں گا۔ اسقدر بداخلاقی کا مظاہرہ کیا ہے آپ نے — ایک لفظ منہ سے بول کر نہ دیا۔ ویسے تو بڑی مقررہ بنتی ہیں — ! شبنم اس کے کان کھینچنے کے لئے آگے بڑھی تو وہ چھلانگ لگا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

ڈاکٹر شعیب کو سامنے والے گھر میں آئے ہوئے تقریباً چار مہینے ہو چکے تھے۔ عمران کا زیادہ تر وقت انہی کے ساتھ گزرتا تھا۔ میڈیکل کے آخری سال کا امتحان دیکر اس کے پاس فرصت ہی فرصت تھی۔ ہر روز شام کو اس کا کوئی نہ کوئی پروگرام بن جاتا تھا۔ جس میں انجم اور شبنم کو شریک کیے بغیر اسے چین نہیں پڑتا تھا۔ رات کے وقت اکثر تاش کی بازی جمتی تھی۔ امّی کے کئی دفعہ سمجھانے کے باوجود عمران کے اوپر کوئی اثر نہیں ہوا۔ تاش کے گیم میں وہ ڈاکٹر شعیب کو ضرور شامل کرتا تھا۔ امی بیچاری کو یہ فکر تھی کہ خوامخواہ لوگ الٹی سیدھی باتیں نہ بنانا شروع کر دیں۔ لیکن عمران ان باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ ڈاکٹر شعیب کے لئے اس کے دل میں بڑی محبت اور عزت پیدا ہو گئی تھی۔ جس میں

دن بدن اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا۔ ان کی شخصیت سے وہ بہت متاثر تھا۔ ہر بات میں ان کا بہت خیال رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ گھر کے دوسرے تمام افراد بھی اسکی طرح ان کا خیال رکھیں۔ خود ڈاکٹر شعیب ہر شخص کا بہت احترام کرتے تھے۔ امی ان کی شخصیت سے بہت متاثر تھیں۔

اور یوں ـــــ ڈاکٹر شعیب دن بدن اس گھر کے لوگوں سے قریب ہوتے گئے لیکن ان کے مزاج کی سنجیدگی اور طبیعت کا رکھ رکھاؤ بدستور برقرار رہا۔ انجم سے ان کی خاصی بے تکلفی ہو چکی تھی۔ لیکن شبنم کے انداز وہی تھے۔ وہ نہ تو ان سے بے تکلف ہوئی تھی۔ اور نہ ہی کھنچی کھنچی رہتی تھی۔ ڈاکٹر شعیب کو اس نے اکثر بے تحاشا سگرٹ پیتے اور اپنے لان میں ٹہلتے دیکھا تھا۔ اسے ان کے دکھ کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ خود اس کا دل بھی تو دکھا ہوا تھا۔

پھر ـــــ ایک صبح ـــــ شبنم نے ڈاکٹر شعیب کی گود میں ایک بچے کو دیکھا۔ بچہ بے پناہ پیارا تھا۔ سرخ و سفید رنگت سیاہ چمکدار آنکھیں اور گھونگھر یالے سیاہ چمکیلے بال۔ خاکی نیکر اور سرخ سفید چیک کی بشرٹ اس کے اوپر اتنی سج رہی تھی کہ شبنم کو اس پر بے اختیار پیار سا آگیا۔ اس روز اتوار تھا۔ ڈاکٹر شعیب کو کلینک نہیں جانا تھا۔ اور شبو اس روز بہت دیر سے سو کر اٹھی تھی۔ اپنی عادت کے مطابق وہ بستر سے اٹھ کر دریچے میں آگئی پردے ایک طرف سرکا کر اس نے باہر دیکھا۔ تو سامنے ہی ڈاکٹر شعیب کھڑے نظر آئے۔

برآمدے کی ریلنگ کے اوپر انہوں نے اپنے بیٹے کو بیٹھا کر دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔ شبنم پر ان کی نظر پڑی تو شبنم نے ہاتھ اٹھا کر آہستہ سے سلام کیا۔ انہوں نے سر کے خفیف سے اشارے سے جواب دیا اور اپنے بیٹے سے باتوں میں مصروف ہو گئے۔ شبنم دو تین لمحے کھڑی بچے کی طرف دیکھتی رہی۔ بچہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شبنم دھیرے سے مسکرا دی۔ اور دریچے سے ہٹ گئی۔

اور تب ـــــ شبنم باتھ روم میں اپنے دوپٹے اور رومال دھو رہی تھی۔ اس کے کانوں میں ڈاکٹر شعیب کی آواز آئی۔ وہ شاید اس کے کمرے کے باہر کھڑے امی اور عمران سے باتیں کر رہے تھے۔ شبّو تھوڑی دیر بعد کمرے سے ملحقہ غسل خانے سے نکل کر تولیہ سے ہاتھ پونچھتی ہوئی کمرے میں آئی تو انجم ڈاکٹر شعیب کے بچے کو گود میں لئے کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔ شبّو کو دیکھتے ہی انجم نے کہا۔

ماشاء اللہ کتنا خوبصورت بچہ ہے نا شبّو ـــــ!

بہت سویٹ ـــــ!

پتہ ہے کس کا بچہ ہے ـــــ؟ انجم نے پوچھا۔

اس وقت تو مجھے تمہارا ہی معلوم ہو رہا ہے ـــــ! شبّو شوخ ہو کر بولی ـــــ

اوہ - یونانی گرل ---- ! انجو سرخ ہوگئی -

اور وہ بھی اس محبت سے تمہارے ساتھ چمٹا ہوا ہے جیسے اپنی امّی - !

اوہ ---- یو کیپ کوائٹ شبّو ---- ! انجم نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا -

تم تو برا مان گئیں انجو ---- ! شبنم ہنس پڑی -

تم فضول باتیں کیوں کر رہی ہو ---- ؟ انجم کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ تھی ---

جو کچھ میں نے محسوس کیا تھا اس کا اظہار کر دیا ---- ! شبنم اسے ستانے پر آمادہ تھی -

اچھا - بس اب چپ ہو جاؤ --- !

بہت بہتر ---- !

بچّہ بڑے غور سے دونوں کی باتیں سن رہا تھا - شبنم نے چند لمحے کیلئے اس کی خوبصورت سیاہ آنکھوں میں جھانکا - اور پھر دونوں بانہیں اس کی طرف پھیلا دیں - وہ بھی جیسے اس کے پاس جانے کے لئے منتظر ہی تھا - جھٹ سے اس کی پھیلی ہوئی بانہوں میں سما گیا -

کیا نام ہے ---- ؟ شبنم نے والہانہ انداز سے اس کے رخساروں کو چومتے ہوئے کہا -

کاشف ——! بچے نے اپنی چھوٹی سی پیاری آواز میں کہا۔
اتنے دن سے آپ کہاں تھے۔ ؟
آنٹی کے پاس ——!
آنٹی کے پاس سے آپ اکیلے آ گئے۔ —؟
نہیں —— پاپا نے رسول بابا کو بھیجا تھا —:
اچھا —— اب آپ واپس کب جائیں گے ——!
اب میں واپس نہیں جاؤں گا۔ اپنے پاپا کے ساتھ رہوں گا ——!
ہمارے ساتھ نہیں رہیں گے ——! انجم نے پوچھا۔
نہیں ——!
اپنے یاد اسے تو صورت نہیں ملتی اس کی انجم ——!
ملتی تو ہے ——! انجم نے کہا۔
اچھا جبھی ——! شبنم مسکرائی ——
جبھی ——؟
بچے کی خوبصورتی کی آڑ لیکر ابا جان کے حسن کی تعریف ہو رہی تھی ——!
شبنم نے اسے پھر چھیڑا۔
تمہیں کیا ہو گیا ہے شبّو ——! انجم کو ہنسی آگئی۔
کچھ بھی نہیں ——! شبنم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

عمران کے آواز دینے پر انجم باہر چلی گئی۔ کاشف بڑے غور سے شبنم کی صورت تک رہا تھا۔ شبنم اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دی۔ تبھی عمران ڈاکٹر شعیب کے ساتھ اندر آگیا۔ عمران نے کاشف کو اپنی گود میں لینا چاہا۔ مگر وہ شبنم کے گلے میں بانہیں ڈال کر بری طرح اس سے چمٹ گیا۔ ڈاکٹر شعیب نے ایک لمحے کے لیے شبنم کی طرف دیکھا۔ اور سگریٹ سلگاتے ہوئے سوچوں میں ڈوب گئے۔

واہ صاحبزادے —! ذرا سی دیر میں اتنی دوستی آنٹی سے۔—!

عمران مسکرایا۔

معلوم ہوتا ہے جادو کر دیا ہے انہوں نے تمہارے اوپر —!

عمران نے کاشف کے رخسار سہلاتے ہوئے کہا۔

اس کو ہم اپنے پاس رکھ لیتے ہیں شعیب صاحب —! کیا خیال ہے؟

عمران نے کہا۔

جیسی آپ کی مرضی —! ڈاکٹر شعیب مسکرائے۔

کیوں صاحبزادے —؟ ہمارے ساتھ رہو گے —؟

کاشف خاموش رہا — ڈاکٹر شعیب دریچے کے قریب کرسی پر گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔ عمران کمرے سے باہر گیا تو شبنم نے کاشف کو گود سے اتارنے کی کوشش کی مگر اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

کیوں بھئی ——؟ کیا ارادے ہیں ——؟ ڈاکٹر شعیب نے کاشف کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

آپ کا بچّہ بہت پیارا ہے ماشاء اللہ ——! شبنم نے ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

شکریہ ——! ڈاکٹر شعیب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

اب آپ اسے اپنے ہی پاس رکھیں گے ——؟

جی ہاں ——! ارادہ تو یہی ہے ——!

ویسے میرا خیال ہے کہ آپ کو کوئی پرابلم نہیں ہوگا اسے ساتھ رکھنے میں۔!

ڈاکٹر شعیب خاموش رہے۔

جس وقت آپ کو باہر جانا ہوا کرے آپ اسے امّی کے پاس چھوڑ جایا کریں!

نہیں۔ یہ تنگ کریگا۔ امّی کو ——!

آپنے پہلے سے کیوں فرض کر لیا کہ تنگ کریگا ——!

وہ —— دراصل بات یہ ہے مس شبنم ——! وہ ایک لمحے کو رکے۔

جی ——! شبنم نے ان کی طرف دیکھا۔

میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف پہنچے ——!

آپ تو بہت غیریت برت رہے ہیں اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔؟

یہ آپ لوگوں کا خلوص ہے۔ محبّت ہے —— میں اس کا شکریہ ادا نہیں

کر سکتا ـــــ!

آپ بہت تکلیف دہ باتیں کر رہے ہے اس وقت ـــــ!

شبنم نے برا مان کر کہا۔

آپ برا نہ مانیں ـ میں حقیقت بیان کر رہا ہوں ـ !ڈاکٹر شعیب سنجیدہ تھے۔

شبنم خاموش بیٹھی کاشف کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی پھر انجم اندر آگئی اس نے ایک لمحے کے لئے ڈاکٹر شعیب کے چہرے کی طرف بغور دیکھا پھر مسکرا کر بولی۔

شعیب صاحب ـــــ! اپنے بیٹے کو ہمیں دیدیجئے ـــــ!

لے لیجئے ـــــ!ڈاکٹر شعیب مسکرائے۔

انجم نے جھک کر بڑی محبّت سے کاشف کا منہ چوم لیا۔

بہت پیار آرہا ہے آپ کو ـــــ!ڈاکٹر شعیب نے کہا۔

پیارے لوگوں پہ پیار آتا ہی ہے ـــــ! انجم کی پلکیں جھک گئیں۔

جب یہ شیطان تنگ کریگا آپ کو پھر سب پیار بھول جائینگی ـــــ!

ڈاکٹر شعیب کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

ارے ـ یہ! اتنا معصوم سا بچہ ـــــ یہ کیا تنگ کریگا ـــــ؟

انجم ہنس پڑی ۔ اور جھک کر کاشف کو گود میں لیتے ہوئے بولی ۔
چلیئے ۔ چائے پی لیجئے ۔ امی انتظار کر رہی ہوں گی ——!

اس وقت چائے —— ! انہوں نے کہا ۔

چائے کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہوتا ——!

ایک کپ اور سہی ——!

اچھا —— چلیئے —— ! وہ کھڑے ہو گئے ۔

آپ نہیں چلیں گی —— ؟ انہوں نے شبنم کی طرف دیکھا ۔

نہیں —— میں نے آج کافی دیر سے ناشتہ کیا تھا ——!

اچھا —— ! آپ چائے مت پیجیئے گا ۔ ساتھ تو چلی چلیں ——!

شبنم کچھ کہے بغیر کھڑی ہو گئی اور ان لوگوں کے ساتھ باہر آ گئی ۔

کچھ وقت اور گزرا تو ڈاکٹر شعیب ان لوگوں کے زیادہ ہی قریب آ گئے ۔
ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر انہیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے ہی لوگوں میں بیٹھے ہوں ۔ ان سے زیادہ کاشف اس گھر کے افراد سے مانوس ہو گیا تھا ۔ اس کا زیادہ تر وقت یہیں گزرتا تھا ۔ صبح سے دوپہر تک تو گھر میں امی ہی ہوتی تھیں ۔ کاشف تمام وقت ان کے ساتھ رہتا تھا ۔ انجم اور شبنم کے یونیورسٹی سے واپس آنے کے بعد اس کا وقت ان لوگوں کے ساتھ گزرتا تھا ۔ اپنے پاپا کے پاس تو وہ صرف رات کو سوتے وقت چلا جاتا تھا ۔ انجم اور شبنم اس کی پیاری

پیاری باتیں سن کر دیوانہ وار اسے چوم لیتی تھیں اور ـــــ

ڈاکٹر شعیب ان دنوں بہت مطمئن تھے ۔نہ ان کی اداسی میں اب وہ شدت رہی تھی اور نہ خاموشی میں ـــ ! ان کی سوچوں کے انداز بھی کچھ بدل سے گئے تھے ۔ آنکھوں میں مدھم مدھم سی چمک ہر وقت نظر آتی تھی۔ شبنم کی طرف دیکھتے ہوئے ان کی نگاہوں کا انداز بدل جاتا تھا ۔ اس سے بات کرتے ہوئے ان کے لہجے سے دلی مسرت، روحانی خوشی اور ذہنی سکون کا اظہار ہوتا تھا ــــ اور ان کی یہ تبدیلی دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ بھی نہیں رہی تھی ۔ مگر شبنم کا جو برتاؤ ان کے ساتھ پہلے تھا وہی اب بھی تھا ۔ پہلے تو اس نے ڈاکٹر شعیب کی اس تبدیلی پر غور ہی نہیں کیا ۔ مگر کچھ دنوں سے وہ بھی ان کے رجحان کو محسوس کر رہی تھی ۔ پھر مجبوراً اسے ڈاکٹر شعیب سے بات کرتے وقت مزید احتیاط برتنی پڑی ۔ انہوں نے بھی اس بات کو محسوس کیا ۔ اپنے آپ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی ۔ مگر دل ـــ وہ کب کسی کی بات سنتا ہے ـــ ؟ کسی کے سمجھانے کا بھلا اس پر کیا اثر ہوتا ہے ـ؟ ڈاکٹر شعیب بھی ہار گئے ـــــ چپ چاپ آنے والے لمحات کے منتظر رہے ۔ آتے جاتے ان کی نگاہیں شبنم کو ایک خاموش پیغام دینے سے باز نہ رہ سکیں ـــ نگاہوں کی اس جرأت پر وہ حیران بھی تھے اور پشیمان بھی ۔! لیکن وہ دوسروں کو کیسے بتاتے کہ اس دل کے ہاتھوں وہ کتنے مجبور تھے ۔؟ کتنے بے بس تھے ـــ ؟

شبنم اگر انہیں اچھی لگنے لگی تھی تو اس میں ان کا کیا قصور تھا ــــــ؟

انہوں نے ارادتاً تو اسے پسند نہیں کیا تھا ــــــ اس کا ہلکا پھلکا نازک سا وجود تو چپ چاپ ہی ان کے من مندر میں آن بسا تھا۔ من مندر کے مدھم سے اندھیروں میں دھیرے سے اجالے کی کرن چمکی تو انہیں ایک دم ہی احساس ہوا۔ اور وہ چونک پڑے ــــــ! اس کی خاموشی، بردباری، متانت اور سنجیدگی نے انہیں متاثر کیا تھا ــــــ اس کے کبھی کبھی شوخ ہو جانے کبھی کبھی سمندر کی سی گہرائیوں میں ڈوب جاتے، کھو جانے اور بعض دفعہ نرگس کی زرد بیمار، بند کلیوں کی طرح اداس ہو جانے کے انداز نے انہیں چونکایا تھا اور اس کے متعلق سوچنے پر مجبور کیا تھا۔ ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھیر کر دھیمی دھیمی آواز میں گفتگو کرنے کی عادت انہیں پسند تھی۔

مگر صرف ان کی پسند سے کیا ہو سکتا تھا ــــــ؟ صرف ایک طرف آگ بھڑک اٹھنے سے تو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ دن چپ چاپ بڑی بے کیفی سے گزر رہے جا رہے تھے اور بات جہاں تھی اس سے آگے نہ بڑھ سکی تھی۔ اکتوبر کی خنک شامیں ایک بار پھر لوٹ آئی تھیں، برستی ہوئی چاندنی کی پھواروں میں بھیگی ہوئی راتیں طویل ہونے لگی تھیں۔ وہ وقت ــــــ جو گزر گیا تھا اب لوٹ کر نہیں آ سکتا تھا۔ مگر اس کی یادوں کے نقوش آج بھی باقی تھے ــــــ زندگی اور موت کے درمیانی فاصلے چپ چاپ طے ہو رہے تھے۔ اور ان فاصلوں کو طے کرتے ہوئے شبنم کو

اتنی تنہائی اور اداسی کا احساس ہوتا تھا کہ بعض اوقات اسے یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ وہ گھبرا کر ابا میاں کی لائبریری میں چلی جاتی۔ پریشان ہو کر کتابوں میں پناہ ڈھونڈتی۔ کبھی حجاب امتیاز علی کے اندھیرے خوابوں میں بھٹک جاتی، کبھی دوستو وسکی کے "جرم و سزا" کے تانے بانے میں الجھ جاتی اور کبھی ہیرلڈ لیم کی تاریخی داستانوں کو دھرانے لگتی۔ ان سے ذہن کو سکون نہ ملتا تو دانتے کی ڈیوائن کامیڈی، انٹیکیو کی روحِ قوانین" اور میکیاویلی کی "پرنس" کا سہارا لیتی مگر "ڈیوائن کامیڈی" اسے بے انتہا ادق لگتی اور میکیاویلی کی "پرنس" اس کے خیالات کو گمراہ کرتی تھی۔ چین کے ملک الشعراء لی پو کے نغمے اس کے دل کو اداسیوں کے سوا اور کچھ نہیں دیتے تھے۔ فرانس کے آوارہ مزاج شاعر چارلس بادلیئر کو پڑھتے ہوئے اس کی روح تاریک خلاؤں میں بھٹکنے لگتی تھی۔ وہ گھبرا کر کتاب بند کر دیتی مگر چند لمحوں تک کھوئے رہنے کے بعد اس کی نگاہیں پھر کتاب کے اوراق پر پھیلنے لگتیں۔ فرانس کے حسن پرست شاعر سیٹفانے میلارمے کی نظموں "الجھن" اور "گوالے کا سپنا" پڑھ کر اپنے گرد پھیلی ہوئی طویل خاموشی اور بوجھل ذہن کا احساس ہوتا۔ لیبوس کی سیفو۔ دسویں سروش غیبی کی زندگی کے حالات اس کے دل کو شدید ترین دکھ کا احساس دلاتے تھے۔

جب بہت دل گھبراتا تو وہ یہ سوچ کر دل کو مسرت کے بے پایاں ہجوم میں

گھٹنے کی کوشش کرتی کہ چند دنوں کی بات ہے سلمان بھائی بھابھی اور بچوں کے ساتھ چھٹیاں گزارنے آئیں گے تو من اتنا اداس نہیں ہوگا۔ لیکن ایک روز بڑی بھابھی کے آئے ہوئے ایک خط نے دل کو بالکل ہی مایوس کر دیا۔ نہ صرف مایوس کر دیا بلکہ پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ بڑی بھابھی نے لکھا تھا کہ اس دفعہ چھٹیوں میں وہ لوگ وطن نہیں آسکیں گے کیونکہ تمہارے بھائی جان کا گردے کا آپریشن ہونے والا ہے۔ امی بے چاری اس خبر سے ایکدم پریشان ہوگئیں۔ ان کا بلڈ پریشر بڑھ گیا۔ ڈو دو ڈاکٹر موجود تھے۔ (عمران بھی ڈاکٹر بن چکا تھا۔ ان دنوں جناح ہاسپٹل میں ہاؤس جاب کر رہا تھا) امی کی پوری طرح دیکھ بھال ہوئی علاج معالجہ ہوا تو ان کی طبیعت خدا خدا کر کے قدرے سنبھلی۔ کچھ دن بعد سلمان بھائی کا آپریشن کامیاب ہونے کی بھی اطلاع آگئی۔ لیکن امی کی طبیعت پھر بھی مکمل طور پر نہ سنبھل سکی۔ ایک تو تینوں بیٹوں کی جدائی کا غم انہیں گھلائے دیتا تھا۔ شبّو کی منگنی ٹوٹ جانے کا صدمہ انہوں نے اندر ہی اندر جھیلا تھا۔ جس کی وجہ سے انکی صحت ایک دم ہی بہت گر گئی تھی۔ اور اب دو دو جوان بیٹیوں کی شادی کی فکر ہر وقت ان کے ذہن پر سوار رہتی تھی۔ مشکل تو یہ تھی کہ دونوں میں سے کسی کے لئے کہیں سے کوئی رشتہ بھی نہیں آرہا تھا۔

اس روز امی کی طبیعت خاصی بہتر تھی۔ شام کو اسماء باجی اور صولت بھائی اپنے ڈیڑھ مہینے کے گل گوتھنے سے بچے کو لیکر آئے تو امی کا چہرہ ایک دم بشاش

ہو گیا۔ وہ بستر پر بیٹھی اپنے نواسے جوّاد کو کھلاتی رہیں۔ رات کو جب وہ لوگ واپس جانے لگے تو صولت بھائی انجم کو ساتھ لیجانے پر مصر ہو گئے۔ وہ بار بار انکار کر رہی تھی مگر امی کے دو تین دفعہ کہنے پر راضی ہو گئی۔ شبّو اٹیچی کیس میں اس کی چیزیں رکھنے لگی تو وہ اس کے قریب چلی آئی۔

شبّو ——! اس نے بڑی نرمی سے اس کے بازو کو چھوا۔

ہوں ——!

میرے بغیر تم اداس تو ہو جاؤ گی مگر ——!

تم فکر نہ کرو ——! شبّو مسکرائی۔

میرا دل نہیں چاہ رہا شبّو ——!

فضول باتیں نہ کرو ——! تم یوں بھی کہیں نہیں جاتی ہو ——!

مجھے کہیں آنا جانا پسند نہیں ——!

یہ عادت چھوڑ دو ——!

کیوں ——؟

اچھی عادت نہیں ——! شبو نے کچھ اس طرح کہا کہ انجم بے ساختہ ہنس پڑی۔

انجم چلی گئی تو شبّو کو ایک دم ہی بڑی شدید تنہائی اور اداسی کا احساس ہوا۔ کاشف کچھ ہی دیر پہلے اپنے پاپا کے پاس گیا تھا۔ شبّو نے فخرالدین

کو بھیج کر کاشف کو بلوالیا۔ عمران ڈیوٹی پر گیا ہوا تھا۔ کاشف کی پیاری پیاری باتوں سے اس کا دل بہل گیا۔ اور کاشف اس سے بہادر شہزادے کی کہانی سنتے سنتے سوگیا۔ رسول بابا اسے لینے کے لئے آئے۔ تو شبنم نے انہیں واپس بھیج دیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر شعیب خود آگئے۔

شبنم کپڑے بدل کر سونے کے لئے جارہی تھی۔ تب امّی کے ساتھ شعیب اس کے کمرے میں آگئے۔

آپ کیوں اسے لینے کے لئے آگئے۔ آج یہ نہیں جائے گا ــــ! شبنم ان کی طرف دیکھکر مسکرائی۔

ڈاکٹر شعیب خاموش کھڑے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ امّی کمرے سے باہر چلی گئیں تو شعیب سوئے ہوئے کاشف کے قریب آگئے۔

میرا خیال ہے شبنم! میں اسے لے ہی جاؤں ــــ!

کیوں ــــ؟ شبنم نے کچھ بُرا مان کر کہا۔

آپ نہیں جانتیں یہ رات کو بہت تنگ کرتا ہے ــــ!

کرنے دیجئے ــــ! شبنم کی آواز مدھم تھی۔

آپ اس کی عادتیں بگاڑ رہی ہیں ــــ!

وہ کیسے ــــ؟

میں نے محسوس کیا ہے آپ دونوں بہنوں کی بے پناہ محبت اس کے

معصوم ذہن اور دل کو متاثر کر رہی ہے ——!

یہ محض آپکا خیال ہے .——!

اب میں آپ کو کیا بتاؤں وہ مجھ سے کس قسم کی باتیں کرنے لگا ہے ——؟

جی ——!! شبنم نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا اور میں اسے کس کس طرح سمجھاتا ہوں ——؟ اس کا اندازہ بھی آپ نہیں لگا سکتیں ——!

شبنم خاموش رہی۔

شعیب نے جھک کر کاشفہ کے بالوں کو پیشانی سے ہٹایا اور اسے گود میں اٹھا کر کندھے سے لگا لیا۔ شبنم پلکیں جھپکاتے ہوئے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ پھیل گیا تھا۔ شعیب نے ایک لمحے کے لئے اس کی طرف دیکھا پھر مدھم آواز میں بولے۔

آپ اس بات کو محسوس نہ کیجئے گا شبنم ——!

آپ فکر نہ کیجئے شبنم دھیرے سے مسکرا دی۔

میں جانتا ہوں آپ بہت حساس ہیں اور اس بات کا بہت اثر لے رہی ہیں۔ مگر ——!

شبنم نے ان کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھا۔

مگر جو کچھ میں کر رہا ہوں وہی آپ کے اور اس بچے دونوں کیلئے بہتر ہے۔!

ممکن ہے آپ ٹھیک کہتے ہوں ——!

اسی وقت امّی دوبارہ کمرے میں آگئیں۔

شعیب بیٹے — اسے یہیں سو جانے دیتے —!

نہیں امّی —! شعیب نے دبی ہوئی سانس لی اور آہستہ سے خدا حافظ کہکر باہر چلے گئے۔

دوسرے روز صبح ہی سے بادل گھر آئے تھے۔ آثار بارش کے سے تھے — شبنم نے یونیورسٹی جانا ملتوی کر دیا۔ امّی کی طبیعت آج پھر خراب ہو گئی تھی اور فخرالدین دو روز کی چھٹی لیکر اپنے بھائی کے پاس جا رہا تھا۔ اس کا بھائی ان دنوں سخت بیمار تھا۔ گھر کے کاموں سے فرصت ملی تو شبنم امّی کو خدیجہ مستور کا آنگن پڑھ کر سنانے لگی۔ بارش تمام دن رک رک کر ہوتی رہی۔ انجم ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ شام کو اسما رباجی کا ٹیلیفون آیا کہ انجم کو پھوپھی جان اپنے گھر لے گئی ہیں دو تین روز بعد واپس آئے گی۔ اس کے تقریباً دو گھنٹے بعد انجم نے بھی ٹیلیفون کیا۔ ٹیلیفون کے قریب ہی آصف بھی تھا۔ وہ انجم اور آصف سے خاصی دیر باتیں کرتی رہی — دوسرے روز موسم اور خراب ہو گیا تھا۔ بارش تیز ہو گئی تھی اور سرد ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے تھے۔ تمام دن وہ مصروف رہی اور کاشف ہر جگہ سائے کی طرح اس کے آگے پیچھے پھرتا رہا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد انجم آنٹی کو بھی پوچھتا رہا — شام کو شعیب آئے تو وہ عمران اور شعیب سے خاصی دیر باتیں کرتی رہی۔ عمران کی آج پھر نائٹ ڈیوٹی تھی۔ اس کے جانے کے بعد بھی شعیب کافی دیر تک اس سے اور امّی سے باتیں کرتے رہے۔ شبنم کے

ساتھ تاش کے دو چار ہاتھ بھی ہوئے کاشف کو نیند آنے لگی تو وہ اسے گود میں اٹھا کر چلے گئے۔ عمران اور فخرو دونوں ہی آج گھر پر نہیں تھے۔ شیب نے امی اور شبنم کے منع کرنے کے باوجود اپنے ایک ملازم کو ان کے گھر سونے کے لئے بھیج دیا۔ شبنم امی کو دوا پلا کر انہی کے پاس بیٹھی رہی۔ امی آنکھیں بند کئے لیٹی تھیں۔ شبنم کو اندازہ تھا کہ ان کی طبیعت کتنی خراب ہے۔ مگر بظاہر وہ بڑے تحمل سے بیٹھی تھی۔ لیکن دل اندر ہی اندر پریشان ہو رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ یونہی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ دن میں اس نے مائیکل شولوخوف کی "کنوارے کھیت" شروع کی تھی۔ وہ اس کے سرہانے اب تک پڑی ہوئی تھی۔ کتاب اٹھا کر اس نے دوبارہ پڑھنی شروع کر دی۔ کتاب پڑھتے ہوئے اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ پھر ایک دم بادل بڑی زور سے گرجے۔ ہواؤں کے جھکڑ اور تیز ہو گئے۔ تو وہ چونک پڑی۔ اسے امی کا خیال آیا تو وہ کتاب بستر پر پھینک کر تیز تیز قدموں سے ان کے کمرے کی طرف چل دی۔ امی آنکھیں بند کئے لیٹی تھیں۔ اس نے آہستہ سے ان کے بازو کو چھوا اور مدھم آواز سے پکارا ——— امی ——!

مگر امی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

شاید نیند آگئی امی کو —— اس نے سوچا اور انہیں اچھی طرح لحاف اوڑھا کر چند لمحے کمرے میں چپ چاپ سر جھکائے کھڑی رہی۔ پھر باہر برآمدے میں آگئی — ریلنگ کے قریب کھڑے ہو کر اس نے دیکھا آسمان گہرے سیاہ بادلوں سے ڈھکا

ہوا تھا۔ بجلی چمکتی تو ایک لمحے کے لئے زمین آسمان سب روشن ہو جاتے۔ ہواؤں کے تند و تیز جھکڑ درختوں کو بری طرح ہلا رہے تھے اور جھومتے ہوئے درخت رات کے سناٹے میں بڑی پر اسرار سی آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ سڑک پر لگے جلتے ہوئے بلبوں کی زرد سوگوار روشنیاں سڑک پر بہتے ہوئے پانی میں جھلملا رہی تھیں۔ بجلی کے تاروں پر اٹکے ہوئے بارش کے قطرے خاموش دیوں کی مانند جل رہے تھے۔ بارش کی رفتار بہت کم ہو گئی تھی۔

اسے ایکدم ہی دور دراز بسے ہوئے ہارون کا خیال آگیا۔ ہارون —— جو اب اس کے نہیں تھے۔ مگر ان کی مورتی آج بھی اس کے من مندر میں سجی ہوئی تھی۔ وہ آج بھی اپنی چاہت کے حسین نازک پھول اس مورتی پر نچھاور کرتی تھی۔ اس کی محبت آج بھی موم کی شمعوں کی مانند سلگتی تھی۔ نہ اُن یادوں پر اس کا کوئی اختیار تھا جو ہارون سے وابستہ تھیں اور نہ اُس چاہت پر —— جو زندگی کے آخری لمحوں تک کے لئے ہارون کے لئے وقف ہو کر رہ گئی تھی —— ہارون کی شبیہہ کو نگاہوں میں بسا کر چند لمحے وہ سوچوں کی خاموش سونی نگری میں چلی تو اس کا دل درد کے گہرے سمندر میں ڈوب گیا۔ سوچوں کی نگری ویران پڑی تھی۔ آرزوؤں کے مرجھائے ہوئے پھول دھرتی پر ایک بیکار سا بوجھ بنے بکھرے پڑے تھے آشاؤں کے دیپ بجھ بجھ کر ادھر اُدھر لڑھک گئے تھے اور یادوں کے اُڑتے ہوئے غبار میں سب کچھ دھندلا گیا تھا۔

کتنے عجیب سے لمحات تھے —— ؟ اور کتنے پر درد احساسات تھے ——!

بھولی بسری یادوں کا طویل خاموش، سنسان صحرا ۔۔۔ الفت کی راہوں میں ملے ہوئے زخم، بھیگی ہوئی خاموش رات، سناٹا، ویرانی تنہائی کا چپ چاپ ڈستا ہوا زہر ۔۔۔! شبنم کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا ۔۔۔! وہ بوجھل قدموں سے امی کے کمرے میں آگئی۔ اور ایک دم ہی اس کا دل دھک سے ہو گیا۔ امی کے چہرے پر شدید درد و کرب کے آثار تھے۔ وہ کراہ رہی تھیں۔ کبھی پوری آنکھیں کھول کر عجیب انداز سے چاروں طرف دیکھتی تھیں اور کبھی نڈھال ہو کر آنکھیں بند کر لیتی تھیں۔

امی ۔۔۔! شبنم نے قریب جھک کر ان کے بازو کو آہستہ سے چھوا۔ انہیں دو تین دفعہ پکارا۔ مگر امی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ باہر بارش پھر بہت تیز ہو گئی تھی۔ ہواؤں کے جھکڑ تند ہو گئے تھے۔ کھڑکی کی چٹخنی شاید ٹھیک سے نہیں لگی تھی ایک زور دار آواز کے ساتھ کھڑکی کھلی تو ہوا کا سرد اور بھیگا ہوا جھونکا کمرے میں گھس آیا۔ شبنم کا دل لمحہ بہ لمحہ پریشان ہوا جا رہا تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے پانی میں دو چار قطرے دوا کے گھول کر امی کو پلائے کہ شاید دل کی گھراہٹ کچھ کم ہو۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ اپنے دل کو مضبوط کر کے امی کے قریب بیٹھ گئی۔ امی نے اس کا ہاتھ تھام کر دونوں ہاتھوں میں بڑی زور سے بھینچ لیا اور پھر ایکدم ان کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ آنکھیں بند ہو گئیں اور ہونٹ ساکت ہو گئے اس نے گھبرا کر آہستہ سے امی کو جھنجھوڑا۔ انہیں پکارا۔ ان کے ہاتھوں کو سہلایا۔ انگلیوں سے ان کی آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی۔ مگر امی اسی طرح لیٹی رہیں۔ وہ پریشان ہو کر کھڑی ہو گئی پہلے

تو اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے۔ اس کا دماغ جیسے سُن ہو گیا تھا۔ پھر اسے ڈاکٹر شعیب کا خیال آیا۔ اس نے عمران کے کمرے میں جا کر ان کا ٹیلیفون نمبر ملانے کی کوشش کی کو مگر لائن شاید خراب تھی۔ اس نے شعیب کے ملازم کو جسے انہوں نے یہاں سونے کے لئے بھیج دیا تھا۔ کئی دفعہ اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ تو جیسے سارے گھوڑے گدھے بیچ کر سو یا تھا۔ اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ پھر وہ باہر برآمدے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ اور بارش کم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ مگر بارش اُسی تسلسل اور تیزی سے ہوتی رہی۔ ہوا کے تیز جھونکے کے ساتھ ایک بوچھاڑ آئی تو وہ بری طرح بھیگ گئی۔ امی کے کمرے میں دوبارہ آ کر امی کو پکارا مگر وہ اسی طرح لیٹی رہیں پھر تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ بڑی بے تابی سے باہر نکل آئی۔ ہواؤں کے تند و تیز جھکڑوں اور موسلا دھار بارش کی پرواہ کئے بغیر لان اور سڑک پار کر کے شعیب کے بنگلے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ کال بل کو زور زور سے بجانے لگی۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا اور برآمدے کی لائٹ آن ہوئی۔

ڈاکٹر شعیب سلیپنگ سوٹ میں۔ برآمدے کی سیڑھیوں تک آئے۔ شبنم اس وقت تک گیٹ کھول کر لان کے آخری سرے تک آ چکی تھی۔ اس کے کپڑے پانی میں شرابور ہو چکے تھے کمر تک لٹکتے ہوئے کھلے بال بھیگ کر جسم سے چپک گئے تھے۔ اس کے قدم اس بُری طرح ڈگمگا رہے تھے کہ آگے بڑھنا مشکل ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر شعیب نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اور ایک قدم آگے بڑھ کر

اسے سہارا دیکر برآمدے میں لے آئے۔

شبنم ——! انہوں نے اسے پکارا۔

شعیب صاحب — ! امّی کو جانے کیا ہو گیا ——؟ اس کی آواز لرز رہی تھی۔

تو آپ اُس لڑکے سے کہلوا دیتیں — !

وہ بہت بے خبر سو رہا ہے —!

اوہ — وہ نالائق —— ! حالانکہ میں نے اسے تاکید بھی کر دی تھی۔

آپ ایک منٹ ٹھہریئے —— ! شعیب نے اندر جاتے ہوئے کہا چند منٹ بعد وہ گاؤن پہن کر چھتری اور اپنا بکس لئے ہوئے باہر آ گئے۔

آپ بہت بیوقوف ہیں شبنم —— ! انہوں نے اس کے بھیگے ہوئے کپڑوں کی طرف دیکھا۔

شبنم خاموش رہی۔

آپ کے جسم پر کوئی گرم کپڑا نہیں ہے —— ! انہوں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر شعیب شبنم کے ساتھ امّی کے کمرے میں آئے تو وہ اسی طرح لیٹی تھیں۔

آپ کپڑے بدل لیجئے جا کر —— ! ڈاکٹر شعیب نے اسٹیتھسکوپ کانوں میں لگاتے ہوئے کہا۔

میں بعد میں بدل لوں گی آپ جلدی سے امّی کو دیکھئے۔!

ہاں! میں انہیں دیکھ رہا ہوں ــــ مگر خدا کے لئے آپ کپڑے بدلئے۔!

بیمار پڑ جائیں گی ــ!

آپ میری فکر نہ کیجئے۔میں بہت سخت جان ہوں ــــ!

شعیب نے بڑی عجیب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ امّی کی نبض دیکھتے ہوئے ان کی پیشانی پر ایک لمحے کے لئے شکنیں نمودار ہوئیں۔

شعیب صاحب! شبنم ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے قریب آگئی۔

شعیب خاموش رہے۔

خدا کے لئے کچھ بولئے نا! شبنم نے انہیں جھنجھوڑا۔ وہ بری طرح نروس ہو رہی تھی۔

پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائیں گی ــ!

شبنم پلکیں جھپکائے بغیر ان کی طرف دیکھتی رہی۔

مجھے تھوڑا سا گرم پانی چاہئے آپ شکور کو اٹھا کر اس سے کہدیں ــــ!

میں گرم کر دیتی ہوں ــ!

آپ کپڑے بدلئے۔ آخر آپ کیوں اپنی دشمن بنی ہوئی ہیں ــــ!

شعیب بری طرح جھنجھلا گئے۔

جتنی دیر اس کو اٹھانے میں لگے گی اتنی دیر میں تو پانی گرم ہو جائیگا ــــ!

شبنم نے کہا۔

اچھا۔۔۔ میں خود گرم کر لوں گا۔۔۔! ان کا لہجہ سخت تھا۔

شبنم نے باورچی خانے کی طرف قدم اٹھائے تو انہیں ایکدم غصّہ آگیا۔

یہ میرا حکم ہے شبنم۔۔۔! آپ فوراً کمرے میں جائیے۔۔۔!

انہوں نے دو چار سخت باتیں سنا کر کہا۔

شبنم سر جھکائے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ کپڑے بدل کر آئی تو شعیب امّی کے انجکشن لگا چکے تھے۔ ان کی نبض پہ ہاتھ رکھے گھڑی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شبنم ان کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

چند منٹ بعد امّی کے پپوٹوں کو جنبش ہوئی۔ انہوں نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔

امّی! کیسی طبیعت ہے۔۔۔؟ شعیب نے ان کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

ٹھیک ہے۔۔۔! ان کی آواز مدھم تھی۔ وہ ممنون نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

امّی۔۔۔! شبنم نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

امّی نے آہستہ سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اس کا سر اپنے سینے سے لگایا تو اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اتنی دیر سے وہ صبر و تحمّل کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

مگر اب آنسوؤں کے آگے باندھے ہوئے بند کو روکنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ مگر دوسروں کے سامنے آنسوں بہا کر اپنی کمزوری کا مظاہرہ کرنا اسے بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ ایکدم اٹھکر تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شعیب نے بڑی حیرت سے اس کی اور پھر امیؔ کی طرف دیکھا۔

شعیب بیٹے۔ ! ذرا اسے دیکھنا جا کر ــــــ!

اور جب شعیب اس کے کمرے میں آئے تو وہ اپنے بستر پر بیٹھی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپاتے سسک رہی تھی۔ سسکیوں سے اس کا پورا وجود لرز رہا تھا بھیگے ہوئے بال بکھر کر سامنے آگئے تھے ان میں سے اب بھی قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔

شبنم ــــ! شعیب نے قریب جا کر اسے پکارا۔ شبنم نے جلدی سے اپنی آنکھوں کو رگڑ ڈالا اور آنسوؤں کو روکنے کی ناکام کوشش کی۔

شعیب اس کے یہ روپ دیکھ دیکھکر حیران تھے۔ اس لڑکی میں ضبط کا کتنا حوصلہ ہے ــــ؟ انہوں نے سوچا۔

اگر اس وقت اس کے بجائے کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو ’’ــــ

انہوں نے بھیگے ہوئے سیاہ بالوں کے درمیان چمکتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ شبنم نے لرزتی پلکیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور مدھم آواز میں بولی۔

آپ ــــ امّی کے پاس جائیے ــــ!

کیوں ـــــــ؟

شبنم کوئی جواب دیئے بغیر باہر برآمدے میں چلی گئی اور ٹھنڈے ستون سے سر ٹیک کر رو پڑی۔ شعیب کمرے کے دروازے کے قریب کھڑے اسے روتا ہوا دیکھتے رہے۔

انہوں نے سوچا۔ اچھا ہے رو لے۔ اس کا دل ہلکا ہو جائے گا۔ عمران نے انہیں ایک دفعہ بتایا تھا کہ آپی کی ایک بڑی عجیب عادت ہے۔ بڑی سے بڑی بات ہو جائے۔ وہ کوشش یہی کرتی ہیں کہ آنکھوں سے آنسو نہ نکلیں اگر باوجود ضبط کے آنکھوں میں آنسو آہی جائیں تو وہ دوسروں کے سامنے نہیں روتیں۔

کچھ دیر بعد شعیب کے قدم پھر اس کی طرف بڑھے۔ انہوں نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ شبنم نے آنچل سے آنسو پونچھ کر ان کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔

میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے آپ امّی کی طرف سے فکر مند نہ ہوں ــــ! شعیب نے کہا۔

آپ نہیں جانتے شعیب صاحب! یہ دل اب کسی بات کو ضبط کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا ــــ!

مگر میں تو آپ کا صبر و ضبط دیکھ دیکھکر حیران ہوں ۔!

شبنم نے ان کی طرف دیکھا۔

عمران نے ٹھیک ہی کہا تھا آپ کے بارے میں ۔!

شبنم کو معلوم تھا کہ عمران نے ان سے کیا کہا تھا ۔ مگر اس نے سوچا اب وہ پہلی سی شبنم کہاں رہی ہے ۔؟

میں جانتی ہوں عمران نے آپ سے کیا کہا ہو گا مگر ۔!

مگر وہ بات تو اب بھولی بسری ہو چکی ہے ۔! اب میں وہ پہلے جیسی شبنم نہیں ہوں ۔!

شعیب چپ چاپ کھڑے اس کی طرف دیکھتے رہے ۔ پھر اس کے ساتھ امّی کے کمرے میں چلے آئے ۔ ان کی آنکھ لگ گئی تھی ۔

آپ کچھ دیر کے لئے سو جائیں ۔! شعیب نے کہا ۔

نہیں ۔!

امّی کے پاس میں بیٹھ جاؤں گا ۔!

شکریہ ۔! اب آپ جا کر آرام کر لیجئے ۔!

میرا یہاں رہنا ضروری ہے ۔!

اگر ضرورت ہو گی تو میں آپ کو بلا لاؤں گی ۔!

جی ہاں ۔ اتنا کہ پھر بھاگ جائیں ۔! شعیب مسکرائے ۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑیگا ——!

کیوں ——؟

زیادہ سے زیادہ بیمار پڑ جاؤں گی اس سے زیادہ یہ کہ مر جاؤں گی ——!

آپ کے نزدیک یہ کوئی اہم بات نہیں ہے ——؟

نہیں ——!

کیوں ——؟

شبنم خاموش رہی۔ وہ شعیب کو یہ سب کچھ کیسے بتا دیتی کہ ہارون کے بعد اپنی زندگی اور اپنے وجود کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔

شبنم نے بہت کوشش کی کہ شعیب گھر واپس چلے جائیں۔ ان کی تکلیف سے زیادہ اسے اس بات کا خیال تھا کہ محلے پڑوس والے کہیں الٹی سیدھی باتیں نہ بنانا شروع کر دیں۔ مگر ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے انہیں اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ امی کے پاس ان کا موجود رہنا کس قدر ضروری ہے اس سے بھی بڑھکر انہیں اس بات کا خیال تھا کہ شبنم نے ایک لمحے کے لئے بھی پلک نہیں جھپکائی ہے۔ اگر وہ بیمار پڑ گئی تو ——؟

دونوں ایک دوسرے کو آرام کرنے کی نصیحت کرتے رہے ——

شبنم نے وہ رات اپنا ادھورا ناول پڑھتے ہوئے گزار دی اور شعیب نے وہی رات شبنم کے چہرے کو پڑھتے ہوئے بسر کی بھیگی ہوئی رات

چپ چاپ گزر گئی ۔۔۔ !

مسجد سے آذانوں کی آوازیں بلند ہوئی تو شبنم نماز کے لئے کھڑی ہو گئی اور شعیب گھر واپس چلے گئے ۔

ڈاکٹر شعیب کی مستقل توجہ، دیکھ بھال اور علاج سے امّی کی طبیعت پہلے کی نسبت بہت بہتر ہو گئی تھی۔ انجم اب تک افسوس کرتی تھی اور خود کو لعنت ملامت کرتی تھی۔ کہ ایسی پریشانی کے لمحات میں وہ اپنی شبّو کو اکیلا چھوڑ گئی۔ عمران اٹھتے بیٹھتے اسے تنگ کرنے کے لئے اس بات کا طعنہ دیتا رہتا تھا۔ ڈاکٹر شعیب ان دونوں کی نوک جھونک سن کر مسکراتے رہتے تھے۔

اور اس روز آصف انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی جا رہا تھا بے شمار لوگ اسے ایئرپورٹ پر چھوڑنے گئے تھے اتنے سارے لوگوں کے ہجوم میں وہ پریشان کھڑا تھا کہ کس کس سے ملے سب سے آخر میں وہ شبّو کے پاس آیا۔ وہ اس کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالتے ہوئے مسکرا دی۔

ساتھ خیریت کے وہاں سے واپس آنا۔ اگر اس چار سال کے عرصے میں تم نے وہاں کوئی گڑبڑ کی ـــــ تو بہت بری طرح پیش آؤں گی ـــــ!

اس نے بڑی شگفتگی سے کہا۔

اچھا مس صاحبہ! اور کوئی نصیحت ـــــ!

خط پابندی سے لکھنا ـــــ!

بہت بہتر ـــــ اور کوئی حکم ـــــ؟

نہیں بس کافی ہے ـــــ!

اچھا ـــــ! اب آپ بھی میری چند نصیحتیں کان کھول کر سن لیجئے ـــــ!

فرمائیے ـــــ!

اپنا خیال رکھا کرئیے ـــــ!

وہ تو میں رکھتی ہوں ـــــ!

ہر وقت اداس رہنا چھوڑ دیجئے ـــــ!

میں کب اداس رہتی ہوں ـــــ؟

جو باتیں گزر چکی ہیں انہیں بھول جائیے ـــــ!

شبنم خاموش رہی۔

میں سنجیدہ ہوں شبنم ـــــ! آصف نے سر جھکا کر کہا۔

میں کب غیر سنجیدہ ہوں ـــــ؟

یہ ٹھیک ہے شبنم کہ میں بالکل اسی طرح تمہارا اگزن ہوں جس طرح خاندان کی دوسری لڑکیوں کا —!

لیکن میرے اور تمہارے درمیان اس رشتے سے کہیں زیادہ بلند اور مقدس رشتہ ہے —!

شبنم نے اس کی طرف دیکھا تو وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر بولا۔

میں اور تم تو ایک دوسرے کے بہت اچھے اور پر خلوص دوست بھی ہیں نا! مجھ میں اور تم میں کچھ حد تک ذہنی ہم آہنگی بھی ہے —!

تم ٹھیک کہتے ہو آصف —!

تو پھر اسی دوستی کا واسطہ شبنم —! وہ ایک لمحہ کو رکا۔

تم خوش رہو، حالات اور وقت سے سمجھوتہ کر دو —!

حالات اور وقت سے تو میں سمجھوتہ کر چکی ہوں —!

بالکل غلط کہہ رہی ہو تم —!"

مطلب کیا ہے تمہارا —؟

مطلب یہ ہے شبنم کہ یوں کب تک زندگی گزارو گی —!

جب تک سانس باقی ہے —!

بیکار باتیں مت کرو شبنم! میں چاہتا ہوں کہ —!

وہ خاموش ہوا تو شبنم نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا۔
شبنم! میری خواہش ہے کہ تم کسی کو اپنا شریک زندگی منتخب کر لو —!
آصف! شبنم نے قدرے سے بلند آواز سے کہا۔
میں ٹھیک کہہ رہا ہوں شبنم! اور اس سلسلے میں میرے ذہن میں ایک نام بھی ہے —!
کیا میں اس نام کے بارے میں دریافت کر سکتی ہوں —؟
میں تمہیں خط میں لکھ کر بھیج دوں گا —!
نہیں ابھی بتاؤ۔!
تم ناراض مت ہو جانا —!
نہیں — تم کہو —!
ڈاکٹر شعیب —! آصف کی آواز بہت مدھم تھی۔
اُوہ —! آصف! آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے —؟ شبنم کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں۔
میں سمجھتا ہوں کہ ہارون بھائی کے بعد تمہیں ڈاکٹر شعیب سے بہتر انسان نہیں مل سکتا —!
آصف! خدا کیلئے چپ ہو جاؤ —!
اچھا! تم موڈ خراب مت کرو —!

پھر تم کیوں احمقانہ اور فضول باتیں کرتے ہو ــــــ!

اچھا باقی تفصیلات خط میں لکھوں گا ــــــ!

خدا حافظ ــــــ! اس نے آہستہ سے اس کے سر پہ تھپکی دی اور دوسرے لوگوں کی طرف بڑھ گیا۔

آصف کی باتوں سے شبنم کے خیالات منتشر ہو کر رہ گئے تھے۔ واپسی پر وہ پھوپھی اماں کے ساتھ ان کے گھر چلی گئی۔ وہاں کے ہنگاموں میں اس نے اپنے آپ کو بہلانے کی کوشش کی۔ مگر نہ دل کی حالت درست ہو سکی نہ ذہن کی اور نہ دماغ کی ــــــ!

دوسرے روز ــــــ یونیورسٹی سے واپسی پر وہ گھر چلی آئی۔ امّی اپنے کمرے میں لیٹی نسیم حجازی کا ناول "آخری معرکہ" پڑھ رہی تھیں۔ انجم بے خبر سوئی ہوئی تھی۔ کاشف بھی اس کے ساتھ سویا ہوا تھا۔ اس کی ننھی ننھی بانہیں انجم کی گردن کے گرد حمائل تھیں۔ انجم کے ہونٹوں پہ بڑی پرسکون سی مسکراہٹ تھی۔ شبنم نے کاشف پر جھک کر آہستہ سے اس کو دو تین دفعہ پیار کیا۔ اور کھانا کھانے چلی گئی۔ فخرالدین نے کھانا لا کر رکھا تو اس نے بڑی بے دلی سے آدھا پیٹ کھانا کھایا اور امّی کے سرہانے سے "جنگ" اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئی۔ رائٹنگ ٹیبل پر گزشتہ روز کا اخبار بھی پڑا تھا۔ اسے ایکدم خیال آیا کہ کل آصف کو رخصت کرنے کے ہنگامے میں وہ اخبار دیکھ ہی نہیں سکی تھی۔

ہفتہ کا اخبار رکھکر اس نے جمعہ کا اخبار اٹھا لیا۔ حسب معمول پہلا اور آخری صفحہ رنگین تصویروں سے بھرا پڑا تھا۔ اس نے اندر سے فلمی صفحہ نکال لیا کسی اداکارہ کی بڑی سی رنگین تصویر تھی۔ اس کے نیچے ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے گئے تھے۔ جو تقریباً ہر اداکار اور اداکارہ کی تعریف میں ملائے جاتے تھے۔ دوسری اداکاراؤں کی طرح ان کا بھی مخصوص جملہ تھا کہ وہ "فن کی خدمت کرنا چاہتی ہیں۔"

مختلف فلم اسٹاروں کی تصاویر تھیں۔ فلمی دنیا کی دوسری خبریں تھیں۔ فلاں فلم کے لئے نورجہاں کی آواز میں گانا فلمبند ہوا۔ پنجابی فلم یاراں نال بہاراں کی رسم بسم اللہ۔ مختلف فلموں کی کاسٹ کی تفصیل۔ وہی گنے چنے فلم اسٹار زیبا، محمد علی، شمیم آرا، وحید مراد، ندیم شبانہ، رنگیلا، نرالا۔ انگریزی اور اردو فلموں کے اشتہارات۔ وان ریان ایکسپریس، لارڈ جم، انسانیت، احسان، من موجی ——— اور بس قصہ ختم —— شبنم نے بیزار ہوکر فلمی صفحہ میز پر ڈال دیا۔ اور پہلا صفحہ اٹھا لیا۔ لحیم شحیم ڈیگال کی بڑی سی تصویر تھی۔ وہ تصویروں پر سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے خبریں پڑھنے لگی۔

"فرانس کے صدر ڈیگال۔ جنہوں نے اسرائیلیوں کو متنبہ کیا ہے۔ کہ اسرائیلی جہاز آبنائے طیران سے دور رہیں۔

"سیگاؤں کے قریب اتحادیوں کے ایک تیل کے ذخیرے پر ویٹ کانگ کی گولہ باری۔ اس حملے میں تیل کے ذخائر بالکل تباہ ہو گئے۔"

"فلپائن کے ایک جنگل میں دیہات کے بچے کھیلتے ہوئے زمین کھود رہے تھے کہ وہاں سے دوسری جنگ کے دوران ہلاک ہونے والے جاپانیوں اور فلپائن کے سپاہیوں کی ہڈیوں کا ڈھیر نکلا۔"

"رہوڈیشیا میں سالزبری کی وہ جیل۔ جہاں گوری اقلیت کی اسمتھ حکومت اب تک پانچ افریقی قوم پرستوں کو پھانسی دے چکی ہے۔"

"برطانیہ کی شہزادی مارگریٹ — جو شام کی ایک تقریب میں شرکت کرنے جارہی ہیں اس تقریب کے لئے انہوں نے نئے طرز کے ہیٹ کا ڈیزائن خود تیار کیا ہے۔"

اور آخری صفحے پر چند پاگل، دیوانی اور وحشت ناک قسم کی عورتوں کی تصاویر کے نیچے لکھا تھا۔ "موسم گرما کا نیا لباس"۔ "موسم بہار کا نیا لباس"۔ "شام کی تقریب کے لئے بالوں کا نیا اسٹائل"۔ اور "پیرس کے فیشن شو میں حصہ لینے والی خواتین اپنے لباسوں کے ڈیزائنر، سیموئیل جیکسن کے ساتھ۔

شبنم نے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اخبار کا وہ صفحہ بھی میز پر ڈال دیا اور دوسری خبریں پڑھنے لگی — وہی روزمرہ کی خبریں تھیں۔

"بردہ فروشوں کے کیمپ میں نوجوان اور خوبرو لڑکیوں کا نیلام۔"

"گولی مار کے قریب نالے میں ایک نوزائیدہ بچّے کی لاش۔"

"بہن اور اس کے آشنا کو چاقو مار کر بھائی تھانے میں پہنچ گیا۔"

"بھارت جنگی تیاریوں پر دس ارب روپے خرچ کریگا۔"

اخبار پڑھتے ہوئے شبنم کا دماغ اور الجھ گیا۔

یہ دنیا دنیا نہیں بلکہ ——! اس نے سوچا وہ دنیا کو کس نام سے پکارے۔ یہ دور وحشت اور بربریت کا دور ہے۔ تموّج اور طلاطم کا دور ہے، ہنگاموں اور افراتفری کا دور ہے۔ قتل و خونریزی کا دور ہے —! دنیا کے تقریباً ہر گوشے میں لوگ انہی باتوں پر عمل پیرا ہیں۔ جنگیں — مسلسل جنگیں — قحط — سیلاب، وبائیں، آتش فشاں پہاڑ کی تباہ کاریاں — زلزلے —! مسلمان، مسلمان کا دشمن ہے۔ آدمی، آدمی کے خون کا پیاسا ہے۔ باہمی رقابتیں اور دشمنیاں عروج پر ہیں۔ بچپن میں وہ بڑے بوڑھوں سے سنا کرتی تھی کہ جب قیامت قریب ہوگی تو دنیا میں ایسی ہی وارداتیں ہوں گی۔ تو اب بس قیامت قریب ہی ہے۔ یہ سب قربِ قیامت کے ہی آثار ہیں —! اس نے سوچا۔

قتل و خونریزی کے ہولناک واقعات، عصمت دری اور آبرو ریزی کے عبرتناک قصے — جو حقائق بن کر سامنے آ رہے ہیں — ہنگامے اور مسلسل ہنگامے — آخر اس دنیا کا انجام کیا ہوگا —؟ پہلی اور دوسری

عالمگیر جنگوں کے آثار اب تک نہیں مٹے ہیں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی اب تک داستان عبرت بنے پکار پکار کر دنیا کے آدمیوں سے (انسانوں سے نہیں۔ انسان اور انسانیت کا تو بس نام ہی نام باقی رہ گیا ہے) کہہ رہے ہیں۔ فریاد کر رہے ہیں۔ کہ اب تو سنبھل جاؤ۔ اب تو انسانیت کا لبادہ اوڑھ لو۔ اب تو تباہی و بربادی کا یہ وحشتناک کھیل مت کھیلو ـــــ مگر دنیا ـــــ اندھی بہری اور گونگی ہے۔ لیکن یہ اندھا، بہرا اور گونگا پن بھی ایک نئے اور انوکھے انداز کا ہے۔ اس میں اپنے فائدے کی خاطر آنکھیں دیکھتی ہیں۔ کان سنتے ہیں اور زبان جنبش کرتی ہے دوسروں کے نقصان اور تباہی و بربادی کے وقت نہ آنکھوں کو کچھ نظر آتا ہے نہ کانوں کو کچھ سنائی دیتا ہے اور نہ زبان جنبش کر سکتی ہے۔

ابھی دنیا کو ایک اور جنگ کا انتظار ہے۔ جو یقیناً پہلی دو جنگوں سے زیادہ عظیم ہوگی، جس کی تباہی و بربادی کو دیکھنے اور اس کی داستان سننے کے لئے شاید کوئی باقی نہیں بچے گا اور اگر اتفاق سے کچھ لوگ بچ بھی گئے تو وہ سماعت بصارت اور قوت گویائی سے محروم ہو جائیں گے!

کیونکہ مغرب کے سائنس والوں کی حیرت انگیز ایجادات تو انھی آندھی کی نشاندھی کرتی ہیں۔ ایٹم، ہائیڈروجن اور نیپام بموں کے خالق آخر اس دنیا کو اس سے بڑا اور کون سا تحفہ دے سکتے ہیں ـــــ لنگڑی، لولی، بہری، اندھی اور گونگی مخلوق، کانپتے لڑکھڑاتے سائے اور بے جان لاشیں ـــــ ویرانی اور مکمل ویرانی، تاریکی اور مسلسل

تاریکی ——!

کیا اس دنیا کو تیسری جنگِ عظیم سے بچایا نہیں جا سکتا ——؟

شبو نے سوچا۔

جانے کدھر سے آواز آئی —— یقیناً بچایا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔ صرف تحریروں اور تقریروں سے اس مسئلے کو حل نہیں کیا جا سکتا اس سلسلے میں صرف کانفرنسوں سے کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ کانفرنسوں میں "بڑی اقوام" کے لیڈر جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے ——!

قول و فعل میں تضاد ہو تو مسئلے مسائل کیونکر حل ہو سکتے ہیں ——! شبو نے ایک طویل سانس لیکر سوچا جو کچھ اس وقت روڈیشیا، ویت نام یا پرتگال کے افریقی مقبوضات میں ہو رہا ہے اور سرزمین فلسطین میں ہو رہا ہے اس کو وہ اقوام ——! جنہیں اپنے آپ کو "معزز" اور "مہذب" کہنے کا دعویٰ ہے۔ جنہیں اپنے "سفید فام" ہونے پر فخر ہے آخر یو۔این چارٹر کی کونسی مد کے تحت جائز، قابل برداشت یا قابل درگزر قرار دیتے ہیں ——؟

امن عالم کی ضروریات اور انسانی اقدار کے لوازمات پر زور تو بہت دیتے ہیں لیکن جب خود عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو "صمٌ بکمٌ" بن جاتے ہیں۔ عالمی امن کے بارے میں اتحادیوں کے اعلانات، چرچل کی شہرۂ آفاق —— تصانیف اور روزویلٹ کے بیانات سب میں امن عالم کا قصہ ہے۔ بلند

وبانگ دعوے ہیں ___ اور پھر بھی دنیا میں امن عنقا ہے ۔ دنیا کا حشر یہ ہے. اور آدمی کا انجام ______؟ نامعلوم

جب "مہذب" اور "متمدن" اقوام ہی تہذیب اور امن عالم کا جنازہ نکالنے پر تلی بیٹھی ہیں تو پھر دوسرے لوگ کیا کر سکتے ہیں ____؟ زبان سے "امن" "امن" پکارنے سے اگر امن قائم ہو جائے تو کیا کہنے _____؟ چاہے ارمامنٹ اور ڈِس ارمامنٹ سے متعلق کانفرنسیں ہوتی رہیں امن پسندی کے نظریے کا پرچار ہوتا رہے ۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا ____ جب اعمال ساتھ نہ دیں تو ان نظریات ، ان دعووں اور ان کانفرنسوں کی کیا حیثیت ہے ___؟ جب پچویشن اس قسم کی ہو تو دنیا کو دنیا کے بجائے پاگل خانہ کہہ دینے میں کیا مذائقہ ہے ___؟

شبنم نے اپنے آپ سے کہا ۔ کوئی دولت کے پیچھے پاگل ہے. کوئی اقتدار کے پیچھے پاگل ہے ان دو عظیم "چیزوں" کے پیچھے لوگوں کے ہوش و حواس معطل ہو چکے ہیں ___ ایک دوسرے کو مار رہے ہیں ، کاٹ رہے ہیں ، جلا رہے ہیں ، زدوکوب کر رہے ہیں انہیں زندہ درگور کر رہے ہیں اور ان کا جینا دشوار کر رہے ہیں ہواؤں ، خلاؤں اور چاند تاروں کی باتیں کر رہے ہیں اور ان کو تسخیر کرنے میں کامیاب بھی ہوتے جا رہے ہیں مگر ۔ وہ ایک چیز ۔ جسے "سکون" کہتے ہیں جانے کہاں چلی گئی ؟ جانے کہاں کھو گئی ؟ ہواؤں ، خلاؤں اور چاند تاروں کو تسخیر کرنے سے

ان معزز اقوام کو کوئی نہیں روکتا مگر کوئی ان سے یہ پوچھے کہ کیا وہاں جاکر تم سکون کو ڈھونڈ لاؤ گے ——؟ اس دنیا میں تم نے کیا کچھ کم افراتفری مچائی ہے جو دوسری دنیا کا رخ کر رہے ہو ——؟

شبنم نے ایک طویل سانس لیکر سوچا اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے ان مسلسل سوچوں سے اس کا دماغ تھک کر شل ہو چکا ہے ——!

وہ کرسی سے اٹھکر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر شعیب اپنے برآمدے کی ریلنگ پر جھکے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ تھا مگر وہ گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

شبنم نے سوچا —— معلوم نہیں ڈاکٹر شعیب کب سے یہاں کھڑے ہیں ——؟ میں دیوانوں کی طرح بیٹھی جانے کیا کیا سوچ رہی تھی ——؟ وہ بھی کیا سوچتے ہوں گے ——؟

پھر ایک دم ہی اسے آصف کی باتیں یاد آگئیں۔

احمق کہیں کا —— ! جاتے جاتے شگوفہ چھوڑ گیا۔! اس نے جھنجلا کر سوچا۔ نالائق ——! اتنی بڑی بات کہہ گیا۔ یہ نہیں جانتا کہ ہارون کے بعد اب یہ ذہن کسی اور کے بارے میں سوچتا ہی نہیں ——!

تم تو مجھے سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہو آصف! پھر بھی اتنی عجیب بات کہہ گئے ——؟ یہ صحیح ہے کہ میرے اور ہارون کے درمیان رومانس قسم کا کوئی

چکر نہیں تھا۔ مگر جب ایکبار ہم دونوں ایک بندھن میں بندھ گئے تو دل، دماغ اور ذہن نے ہارون کو بڑے خلوص کے ساتھ قبول کر لیا۔ اور تب ـــ میں نے سوچا کہ اب جو یہ بندھن ہوا ہے تو موت ہی ہماری روحوں کو ایک دوسرے سے جدا کر سکتی ہے گردش زمانہ کے ہاتھوں ایک انقلاب آیا، ایک حادثہ ہوا جس سے جسمانی فاصلے تو بے شک بڑھ گئے مگر یہ فاصلے روحوں کی قربت کو نہ مٹا سکے۔ وہ ذہنی ہم آہنگی جو میرے اور ہارون کے درمیان تھی آج بھی قائم ہے میں اور ہارون آج بھی ایک دوسرے کو اتنا ہی سمجھتے ہیں جتنا کل سمجھتے تھے۔ پھر بھی تم کہتے ہو کہ ـــــــ

نہیں! یہ بہت مشکل ہے بلکہ شاید ناممکن ہے۔ شبنم نے سوچا اور دریچے سے پلٹ آئی۔ کاشف کے قریب آکر کچھ دیر وہ پیار بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس کے اوپر جھک گئی۔

اور اس روز اتوار تھا۔ شبنم نہا کر تولیہ اپنے کندھوں پر پھیلاتی ہوئی باہر دھوپ میں آ گئی۔ برآمدے میں بڑی اچھی دھوپ تھی۔ امّی ڈاکٹر شعیب اور عمران بیٹھے ہوئے تھے۔ کاشف ڈاکٹر شعیب کی گود میں بیٹھا رنگین تصویروں والی کتاب دیکھ رہا تھا۔ شبنم ڈاکٹر شعیب کے سامنے والی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کاشف اپنے پاپا کی گود سے اتر کر شبنم کے پاس آ گیا۔ شبنم نے اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کو سنوارتے ہوئے اسے گود میں بیٹھا لیا۔ عمران اور شعیب ملک کے سیاسی معاملات پر گفتگو کر رہے تھے۔ امّی چھالیہ کاٹ رہی تھیں۔ شبنم کاشف کی تصویروں کی کتاب دیکھتے ہوئے اس سے باتیں کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد امّی انجم کے بلانے پر اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئیں اور عمران غسل کرنے

چلا گیا۔ ڈاکٹر شعیب نے سگرٹ سلگاتے ہوئے شبنم کی طرف دیکھا۔ چاکلیٹی رنگ کے کپڑوں میں اس کی شخصیت بہت نمایاں ہو رہی تھی۔ چہرے پر بہاروں کی سی تازگی تھی، جھکی ہوئی پلکیں کاشف سے بات کرتے ہوئے لرز رہی تھیں۔ کھلے ہوئے گیلے بالوں سے پانی ٹپک ٹپک کر نیچے گر رہا تھا۔ کچھ قطرے تولیہ اور اس کے سفید سویٹر میں جذب ہو رہے تھے۔ اس نے آگے کو جھک کر کاشف کو پیار کیا تو پانی کے چند قطرے اس کے ننھے منے ہاتھ پر ٹپک پڑے۔ وہ بڑی زور سے کھلکھلا کر ہنسا اور اپنی کتاب بند کر کے شبنم کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کے گیلے بالوں کو آہستہ سے چھوتے ہوئے بولا۔

"آنٹی! آپکے بال کتنے لمبے ہیں ——؟"

شبنم دھیرے سے مسکرا دی اور اس کا ہاتھ تھام کر آگے کر لیا۔ مگر وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر اپنے پاپا کے پاس چلا گیا۔

پاپا —— ! کاشف نے معصوم نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

ہاں بیٹے —— ! شعیب نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

آپ میری امی کو کب لائیں گے ——؟

شعیب کا چہرہ ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔ شبنم نے چونک کر کاشف کی طرف دیکھا۔

بتائیے نا پاپا —— ! کاشف نے اپنی بانہیں ان کے گلے میں ڈال دیں۔

شعیب خاموش رہے

اگر آپ میری امی کو نہیں بلوائیں گے تو میں آنٹی کو اپنی امی بنالوں گا — !

کاشف — ! شعیب نے اسے سرزنش کی۔

پھر آپ میری امی کو کیوں نہیں بلاتے —؟

بیٹے — ! ہم تمہاری امی کو نہیں بلوا سکتے۔ !

مگر آپ نے تو مجھ سے کہا تھا کہ میری امی کو بلوا دیں گے۔ !

شعیب خاموش رہے۔ شبنم رحم اور ہمدردی کے جذبات لیے کاشف کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس معصوم بچے کے دُکھ کا احساس کر کے اس کے دل کو زبردست ٹھیس پہنچی تھی۔

کاشف نے کچھ دیر اپنی بات کے جواب کا انتظار کیا، پھر اپنے پاپا کی گود میں بیٹھ کر بولا۔

اچھا پاپا ! میں انجم آنٹی کو اپنی امی بنالوں —؟

شعیب پھر بھی خاموش رہے۔

انجم آنٹی بھی مجھے بہت اچھی لگتی ہیں — !

بیکار باتیں نہیں کرتے کاشف — ! شعیب نے مدھم لہجے میں کہا۔ !

کاشف بڑی اُداسی سے شبنم کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے گم سم کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کی گود میں سر رکھ کر بولا —" آنٹی ! میری امی کیوں نہیں

ہیں۔ گڈو، پپو۔ بابر اور ثمین سب کی امّی ہیں ــ"
شبنم نے سوچا ۔ وہ اس معصوم بچے سے کیا کہتی ــ؟
آنٹی! آپ تو گڈو پپو کی امّی سے بھی زیادہ اچھی ہیں پھر پاپا آپ کو میری
امّی کیوں نہیں بنا دیتے ۔ ــ؟
ایسی باتیں نہیں کہتے کاشف ــ! شبنم نے پیار سے کہا۔
اچھا تو پھر میں انجم آنٹی کو امّی کہہ دیا کروں ــ۔؟
شبنم خاموش رہی ــ تو کاشف نے شبنم کی گود میں بیٹھ کر اسکے
سینے میں منہ چھپا لیا ۔
میں آپ کو امّی کہوں گا ــ! کاشف نے کہا۔
شبنم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کی پلکیں جھک گئیں ۔ رخساروں پر پلکوں
کے سائے کانپ گئے ۔ شعیب انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ تھامے اسکی
طرف دیکھ رہے تھے ۔ ان کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور ذہن سوچوں میں ڈوبا
ہوا تھا ۔
میں آپ کو اپنے گھر لے جاؤں گا۔ امّی ــ گڈو، پپو، بابر اور ثمین کی امّی
بھی تو ان کے ساتھ رہتی ہیں ۔ ! کاشف نے شبنم سے چمٹتے ہوئے کہا۔ شبنم بے حد
پریشان سی بیٹھی تھی ۔ شعیب ایکدم اٹھ کر کھڑے ہو گئے
کاشف ــ! انھوں نے پیار سے اسے پکارا۔

جی پاپا ——! اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

گھر چلو ——!

میں نہیں جاؤں گا ——!

ضد نہیں کرتے ——!

پہلے آپ امّی کو گھر پہ لائیے ——!

یہ آپ نے کیا ضد شروع کر دی ہے بیٹے ——؟

شعیب نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

آپ شبنم آنٹی کو یا انجم آنٹی کو میری امّی بنائیے ورنہ میں آپ سے نہیں بولوں گا۔!

اچھا پہلے تم گھر تو چلو ——!

کاشف —— !شبنم نے اسے پیار سے پکارا۔

جی ——!

پاپا کے ساتھ گھر جاؤ بیٹے ——!

نہیں ——! میرے گھر میں امّی نہیں ہیں ——!

میں تمہارے پاپا سے کہوں گی وہ تمہارے لئے امّی لے آئیں گے ——!

کاشف نے کچھ حیران اور خوش ہو کر شبنم کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر شعیب خوابیدہ سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

شبنم نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے کاشف کی طرف باہیں پھیلا دیں۔ مگر کاشف شبنم سے بری طرح لپٹ گیا۔ شبنم نے اس کے بالوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔۔!

جاؤ کاشف —! اس نے آہستہ سے کہا۔

شعیب نے شبنم کی طرف جھک کر زبردستی کاشف کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ اس سمے وہ اور شبنم ایک دوسرے کے اس قدر قریب تھے کہ ان کی سانسیں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو رہی تھیں۔

مگر اتنی قربت کے باوجود ان دونوں کے درمیان فاصلہ اس قدر طویل تھا کہ شاید زندگی کی آخری سانسوں تک چلتے رہنے کے باوجود اس فاصلے کو مٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ اور ان مختصر سے لمحات میں شعیب کے دل نے بڑے شدت سے یہ تمنا کی کہ کاش! یہ فاصلے ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں! کاشف کو گود میں اٹھا کر انہوں نے شبنم کی طرف دیکھے بغیر آہستہ سے خدا حافظ کہا اور بوجھل قدموں سے چلے گئے۔ شبنم لامتناہی سوچوں میں گم بیٹھی رہ گئی۔ اس کے پیچھے قدموں کی آہٹ ہوئی تب بھی خاموش رہی۔

ڈاکٹر شعیب چلے گئے —؟ انجم نے پوچھا۔

ایں —! وہ بری طرح چونک پڑی۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے شبنم —؟ انجم نے بڑے غور سے اس کی طرف

پوچھا ۔ دیکھا

کچھ نہیں ___ ! شبنم کی آواز مدھم تھی ۔

نہیں ۔ کوئی بات ہے ضرور ۔ ! جو تم اس طرح بیٹھی ہو ___ !

شبنم خاموش رہی ۔

بتاؤ نا شبّو ___ !

کوئی بات ہو تو بتاؤں ___ !

انجم نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا پھر اس کے قریب کھڑی ہوگئی ۔

مجھ سے بھی چھپاؤ گی شبّو ___ ؟ اس کی آنکھوں میں بے پناہ محبّت تھی ۔

شبنم نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا ۔

مجھے بتادو شبّو ___ ! کچھ تو دل کا بوجھ ہلکا ہوگا ___ !

شبنم اس کا ہاتھ تھام کر کمرے میں آگئی ۔

سمجھ میں نہیں آتا انجو ۔ ! بات کس طرح شروع کروں ___ ؟

اتنا تو میں بتا سکتی ہوں شبّو ! کہ بات ڈاکٹر شعیب سے متعلق ہے !

تمہیں کیسے معلوم ___ ؟ شبنم چونک پڑی ۔

میں بھی آنکھیں رکھتی ہوں ۔ شبنم ___ ! انجم نے بڑی سنجیدگی سے

کہا ___ ! کیا مطلب ___ ؟

ڈاکٹر شعیب کے دل میں جو کچھ ہے اور ان کی نگاہیں جو کچھ کہتی ہیں ۔

وہ نہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور نہ امّی و عمران سے ـــ!

نجّو ـــ! شبنم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

اس معاملے پر تمہیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔!

شبنم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

یہ ٹھیک ہے کہ ڈاکٹر شعیب نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا۔

مگر ـــ! اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اور میں ان کی اس بات کی قدر کرتی ہوں کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی انہوں نے اپنے جذبات کو ارزاں نہیں کیا ـــ!

شبنم کو خاموش پاکر انجم نے کہا۔

مگر اس وقت تو بات دوسری ہے نجّو ـــ!

دوسری بات ـــ؟

ہاں ـــ!

بتادو وہ بھی ـــ!

شبنم نے تھوڑی دیر پہلے کی باتیں اس کے سامنے دھرادیں۔!

انجم چپ چاپ سنتی رہی۔ اس کے چہرے پر بے شمار رنگ آکر گزر گئے۔ وہ معمول سے کہیں زیادہ سنجیدہ تھی۔ شبنم خاموش ہوئی تو انجم دریچے سے باہر دیکھتے ہوئے جانے کیا سوچنے لگی۔

پھر تم نے کیا فیصلہ کیا شبنم ——؟ انجم نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

مجھے کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔!

شبنم —— یہاں یہ سوال دو زندگیوں کا ہے ——! ایک کاشف کی اور دوسری ڈاکٹر شعیب کی ——!

تم کہنا کیا چاہتی ہو نجو ——؟

"ہارون بھائی تو اب تمہارے لئے صرف ایک یاد اور ایک سایہ بنکر رہ گئے ہیں۔ سائے کا تعاقب کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا —— اور یادوں کے سہارے اس دنیا میں کوئی نہیں جیا کرتا ——!

چپ ہو جاؤ نجو —— شبنم نے اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔

مجھے اچھی طرح اندازہ ہے شبو کہ ہارون بھائی کے لئے تمہارے دل میں آج بھی وہی عزت، وہی قدر اور وہی محبت ہے مگر ——!

شبنم نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

مگر اس محبت کی خاطر دو زندگیوں کو برباد کرنا کوئی انصاف نہیں ہے!

آج تم کیسی باتیں کر رہی ہو نجو ——؟

مجھے معلوم ہے شبو کہ میں تمہارے احساسات اور جذبات کو ٹھیس پہنچا رہی ہوں۔ لیکن میں اس کے لئے مجبور ہوں ——!

تمہاری کون سی مجبوری ہے ——؟

دیکھو نا شبنو ۔۔ ! انسان کو ہمیشہ وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہیئے ! نہ غموں کے سہارے زندگی گزاری جا سکتی ہے اور نہ تنہائیوں ۔ کے سہارے ۔۔۔ ! تم نے بے شمار کتابیں پڑھی ہیں پھر بھی تم اتنی جذباتی ہو کر سوچتی ہو ۔۔ ! انجم نے کہا۔

میں کوشش تو بہت کرتی ہوں بجو ! کہ اپنے جذبات اور احساسات پر قابو پا سکوں مگر کامیابی نہیں ہوتی ۔۔۔ !

تم ہارون بھائی کے تصور کو ذہن میں بسا کر کوئی بات سوچو گی تو انجام ہمیشہ یہی ہو گا ۔۔ !

افوہ بھئی ۔۔ ! تم تو اتنی زبردست ناصح بن گئی ہو بجو ۔۔ !

شبنم مسکرا کر بولی۔

تم آخر اپنے لئے کیوں جینا چاہتی ہو ۔۔۔ ؟

پھر کس کے لئے جیوں ۔۔ ؟

اپنے لئے تو سب ہی جیتے ہیں دوسروں کی خاطر بھی تو جینے کا حوصلہ پیدا کرو ۔۔ !

تم کیوں بھول رہی ہو انجم ! کہ کاشف کیلئے میں اور تم برابر ہیں ۔۔ !

وہ ٹھیک ہے لیکن یہاں پر سوال صرف کاشف کا نہیں ہے ۔ ڈاکٹر شعیب کی پسند کا بھی ہے ۔۔ !

میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں ناپسند نہیں کرتے ___ شبنم نے کہا۔

صرف پسند اور ناپسند کی ہی بات نہیں ہے بلکہ اس میں چاہت، محبت اور انسیت بھی شامل ہے۔!

لیکن انہوں نے تو مجھ سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی ___!

تم ادیبہ ہو کر یہ بات کہہ رہی ہو۔۔! نگاہیں دل کی ترجمان نہیں ہوتیں؟ جذبات اور احساسات کے اظہار کے لئے زبان اور الفاظ کے بے نام سہاروں کو ضروری سمجھتی ہو ___؟

انجم کی سوچوں کے انداز پر شبنم حیران رہ گئی۔

میں تو یہ سمجھتی ہوں شبنم کہ اپنے جذبات کا اظہار کر کے انہیں ارزاں نہیں کرنا چاہیئے ___!

ڈاکٹر شعیب کی اس بات نے تو ان کی شخصیت کے وقار میں اور اضافہ کر دیا ہے ___! انجم نے کہا۔

تم بہت مداح ہو ان کی ___! شبنم مسکرائی۔

اس میں کوئی شک نہیں ___!

اور پھر ___ عمران کے کمرے میں آجانے سے گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا

دوسرے روز ___ شبنم یونیورسٹی سے آئی تو گھر میں سوائے فخرو کے اور کوئی نہیں تھا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ انجم یونیورسٹی سے جلدی

آگئی تھی امی کے ساتھ پھوپھی اماں کے گھر گئی ہے۔ اور عمران ابھی تک ہاسپٹل سے واپس نہیں آیا۔ شبنم کھانا کھاکر اپنے کمرے میں آگئی۔ بستر پر پڑے اخبار کو اٹھاتے ہوئے اسے آصف کا خیال آگیا۔ دو روز ہوئے اس کا خط آیا تھا۔ شبنم اخبار پڑھنے کا ارادہ ترک کر کے اسے خط لکھنے بیٹھ گئی۔ آصف کا پورا خط نصیحتوں اور ڈاکٹر شعیب کی تعریفوں سے پُر تھا۔ شبنم نے خط کا جواب لکھ کر قلم ہاتھ سے رکھا ہی تھا کہ فخرو نے ڈاکٹر شعیب کی آمد کی اطلاع دی —!

اندر بھیج دو —! شبنم نے کہا۔

چند لمحوں بعد شعیب دروازے پر آہستہ سے دستک دیکر اندر آگئے۔ شبنم نے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا اور آہستہ سے سلام کیا۔ وہ سر کے خفیف سے اشارے سے جواب دیکر اس کے قریب آگئے۔ اور دریچے کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا —! انہوں نے سگرٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

بالکل نہیں —!

آپ شاید خط لکھ رہی تھیں —!

جی ہاں —! آصف کا خط آیا تھا۔ اسی کا جواب لکھ رہی تھی!

تو پھر لکھیں ۔۔۔!

لکھ چکی ۔۔۔!

اچھا ۔۔۔!

آپ کو سلام لکھا ہے آصف نے ۔۔۔!

واعلیکم السلام ۔۔۔! وہ قدرے مسکرائے۔

آپکا بہت مداح ہے آصف ۔۔۔ تقریباً آدھا خط آپ کی تعریفوں سے بھرا ہوا ہے ۔۔۔! شبنم بھی مسکرائی۔

آصف ۔۔۔ دراصل خود بہت مخلص انسان ہے ۔۔۔!

شبنم خاموش رہی۔ شعیب اس کی طرف دیکھتے رہے۔

کاشف کیا کر رہا ہے ۔۔۔؟ شبنم نے پوچھا۔

سو رہا ہے ۔۔۔!

کل اس نے آپ کو زیادہ تنگ تو نہیں کیا ۔۔۔!

اگر کیا بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے ۔۔۔؟

جی ۔۔۔!!

جی ۔۔۔! شعیب نے ایک لمحے کیلئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

مس شبنم ۔۔۔! اُس کی یہ ضد اب میرے لئے نئی نہیں رہی۔

شبنم نے پلکیں جھپکا کر ان کی طرف دیکھا۔

مگر آپ ایک بات کہنے کی اجازت مجھے ضرور دیجئے ۔!

کہئے ۔۔۔! شبنم نے کہا۔

آپ دونوں بہنوں کو دیکھنے سے پہلے اس نے کبھی یہ ضد نہیں کی تھی ۔

شبنم چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی ۔

شاید آپ دونوں بہنوں کے بے پناہ پیار نے اسے بہت متاثر کیا ہے!

مجھے افسوس ہے شعیب صاحب کہ میری اور انجم کی ذات آپ کے لئے پریشانی کا سبب بن گئی ہے ۔!

میری پریشانی کی بات نہ کیجئے شبنم! میں تو اب ہر حال میں جی لینے کا عادی ہوگیا ہوں ۔۔۔! مگر ۔۔۔!

مگر ۔۔۔؟

آپ مجھے اتنا بتا دیجئے کہ میں بچے کو کیسے سمجھاؤں ۔۔!

شبنم خاموش رہی ۔

آپ خود دیکھ رہی ہوں گی کہ اس کی صحت متاثر ہو رہی ہے ۔۔۔!

آپ ٹھیک کہتے ہیں ۔۔۔!

اس کے معصوم ذہن میں جانے کس قسم کے خیالات آتے ہیں ۔۔؟

گھر میں وہ اتنا گم سم سا رہتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا ۔۔!

تو آپ اسے اس اذیت سے نجات کیوں نہیں دلاتے ۔۔۔؟

شبنم نے کہا۔

جی ۔۔۔؟

میرا مطلب ہے آپ دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے ۔۔۔؟

دوسری شادی ۔۔۔!

جی ہاں ۔۔۔ آپ کے لئے لڑکیوں کی کوئی کمی تو نہیں ہے ۔۔۔!

وہ تو ٹھیک ہے شبنم! مگر ۔۔۔!

شبنم نے استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

آپ برا تو نہیں مانیں گی ۔۔۔!

شبنم نے آہستہ سے سر ہلایا۔

سوال تو آپ جیسی لڑکی کا ہے شبنم ۔۔۔!

شعیب صاحب! شبنم نے بڑی بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

آپ بُرا نہ مانئے شبنم! لڑکیاں تو بہت ملیں گی مگر کوئی کاشف سے آپکی طرح ٹوٹ کر پیار نہیں کریگی ۔۔۔!

قبل از وقت آپ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر ۔۔۔ اوہ ایک لمحے کو رکی۔

کاشف تو ایسا بچہ ہے کہ اس سے ہر کوئی بے پناہ پیار کرنے پر مجبور ہو جائے گا ۔۔۔!

یہ صرف آپ کا خیال ہے شبنم ــــ!

میرا خیال غلط نہیں ہے ــــ انجم کی مثال آپ کے سامنے ہے۔

انجم بھی تو آپ ہی کی بہن ہے ــــ!

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپنے انجم کے بارے میں یہ بات کیوں نہیں سوچی ــــ؟

اس کا جواب میں آپ کو نہیں دے سکتا شبنم ــــ!

ڈاکٹر شعیب نے سگرٹ کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

کیوں ــــ؟

میں سمجھتا ہوں کہ ہر بات زبان سے کہنے کی بھی نہیں ہوتی ــــ!

شعیب صاحب ـ! شبنم نے قدرے بلند آواز سے کہا۔

آپ مجھے کب تک آزمائش میں رکھیں گی۔

میں آپ کے ان جملوں کا مفہوم اچھی طرح سمجھتی ہوں لیکن ــــ!

لیکن ــــ؟

میری آپ سے التجا ہے کہ آپ اس قسم کے خیالات کو اپنے ذہن میں جگہ نہ دیجئے ــــ!

یہ میرے بس کی بات نہیں رہی ــــ! آپ کیا جانیں میں نے اپنے آپ کو کتنا سمجھایا ہے ــــ؟

آپ نہیں جانتے کہ میں اس سلسلے میں کتنی مجبور رہوں !

آپ کی کیا مجبوری ہے ــــ ؟ مجھے نہیں بتائیں گی ـ ؟

مجھے افسوس ہے کہ میں اس سلسلے میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی ـ !

ڈاکٹر شعیب چپ چاپ اس کی طرف دیکھتے رہے ـ

بس یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح آپ کے خیالات ، آپ کی سوچیں اور آپ کے ارادے آپ کے اختیار میں نہیں رہے ـ اسی طرح میں بھی اپنی سوچوں اور اپنے خیالات سے شکست کھا چکی ہوں ــــ !

شبنم ــــ ! ڈاکٹر شعیب نے قدرے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا ــــ !

شبنم سر جھکا کے خاموش بیٹھی رہی ـ

آپ مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گی ـ ــــ ؟

گزری ہوئی باتوں کو دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ــــ شبنم نے کہا ـ

مگر یادوں اور خوابوں کے سہارے زندگی گزارنا بھی تو کوئی عقلمندی نہیں ہے ــــ !

شعیب صاحب ! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس ذکر کو یہیں ختم کر دیا جائے ــــ !

جیسی آپ کی مرضی ــــ! شعیب نے کہا۔

مگران کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ پھیل گیا تھا ـ

کچھ دیر بعد وہ جانے لگے. تو شبنم اٹھ کر ان کے سامنے آگئی۔

شعیب صاحب ــــ! اس کی آواز مدھم تھی۔

انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

آپ کو میری باتوں سے دکھ پہنچا ــــ!

نہیں ــــ! شعیب نے گھمبیر آواز میں کہا۔

شاید۔ آپ مجھ سے ناراض ہو کر جا رہے ہیں ــ!

میری ناراضگی کی فکر کیوں کرتی ہیں آپ ــ؟ شعیب مسکرائے۔

میں آپ کی عزت کرتی ہوں، آپ کا احترام کرتی ہوں، لیکن اس کے آگے مجھ سے کچھ نہ کہئے، کچھ نہ مانگئے ــــ!

شعیب چپ چاپ اس کی طرف دیکھتے رہے۔

میں آپ سے بالکل ناراض نہیں ہوں شبنم مگر مجھے اتنا کہنے کی اجازت دیجئے کہ ــــ!

آپ اپنی سوچوں کے انداز کو بدلنے کی کوشش تو کیجئے ــ!

شبنم سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔ شعیب آہستہ سے خدا حافظ

کہکر چلے گئے اور کمرے کا پردہ ہلتا رہ گیا ۔ کچھ دیر بعد شبنم اپنے خیالوں سے چونکی اور آصف کے خط کو ڈائری میں رکھکر اپنے بستر پہ آگئی ۔ اس نے کچھ دیر بستر پہ لیٹے رہ کر سونے کی کوشش کی ۔ مگر کامیابی نہ ہوئی ۔ اخبار پڑھنے کی کوشش کی تو دل نہ لگا ۔ وہ اٹھکر برآمدے میں آگئی ۔

ریلنگ پر جھکتے ہوئے اسے احمد فراز کی غزل آگئی ۔ انجم اس غزل کو بڑی پیاری آواز میں بیحد سوز سے گایا کرتی تھی ۔ اس کا دل بڑی شدت سے چاہا کہ انجم اس وقت واپس آجائے تو وہ اس سے اس غزل کو سنے ۔ مدھم آواز میں وہ خود ہی گنگنانے لگی ——

اپنا یہ حال کہ جی ہار چکے لٹ بھی چکے
اور محبت وہی انداز پرانے مانگے ۔
میں وہ محروم کہ جیسے کوئی ویرانہ ہو ۔
تو وہ خوش فہم خرابوں سے خزانے مانگے ۔

اور اس رات ــــ باوجود کوشش کے ڈاکٹر شیب کو نیند نہ آسکی۔
شبنم کے تصور کو اپنے دماغ میں بسا کر اس کی شبیہہ کو نگاہوں میں سجا کر انہوں نے اس کے متعلق بے تحاشا سوچا۔ اس کی باتیں انہیں یاد آتی رہیں اور اس کے جملے ان کے کانوں میں گونجتے رہے۔

شبنم کے خوابوں میں جانے کون بسا ہوا ہے ـــ؟ اس کے تصورات کی دنیا جانے کسی کی یادوں سے آباد ہے ـــ؟ حیرت ہے مجھے خود اس بات کا خیال کیوں نہیں آیا ـــ؟ وہ جو اتنی سنجیدہ اور بردبار سی لڑکی ہے۔ اس کی زندگی جانے کس المیئے سے دوچار ہوئی ہے ـــ؟ مگر وہ کتنی گہری ہے ـــ؟ اپنے غم کو سینے سے لگائے اس طرح جی رہی ہے، اس طرح مسکرا رہی ہے کہ دوسرے

کو گمان بھی نہیں ہوتا — !

اسے کون سمجھائے کہ یادوں، خوابوں اور سایوں کو زیست کا حاصل نہیں بنایا جا سکتا —؟ اسے تو اب صرف تخیلات سے پیار ہے اور بھولی بسری یادوں سے — ! ٹھیک ہے شبنم ! دلوں کے معاملے میں کوئی کسی پہ جبر نہیں کرسکتا — انجم یاد اور اس کے سایوں پر فریفتہ رہو اور میں — میں امید کی پرچھائیوں کا تعاقب کرتا رہوں گا — ڈاکٹر شیب نے سگرٹ کا طویل کش لگاتے ہوئے سوچا اور ان کا دل رنج والم کے کربناک جزیروں میں گم ہو گیا۔

اور — شبنم کے دل نے اس رات۔ کافی عرصے بعد ہارون کو بڑی شدت سے یاد کیا۔ انجم اس سے باتیں کرتے کرتے سو گئی تو وہ شال کو اپنے کندھوں کے گرد لپیٹ کر باہر نکل آئی۔ کتنی حسین — مگر کتنی اداس رات ہے —؟ اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ خاموش آسمان — چپ چاپ آگے بڑھتا ہوا ستاروں کا کارواں زرد بیمار چاند، اڑتے ہوئے بادل، چاندنی کی پھواروں میں بھیگے ہوئے درخت، پیڑ پودے، وصرتی اور سبزہ۔ ٹھہری ہوئی ہوا، سناٹا اور تنہائی کے زہر میں بجھتے ہوئے لمحات اس کے احساسات اور جذبات — آج بے رحم وقت کی آنکھوں میں جھلملاتے ہوئے ستاروں کی مانند جل رہے تھے۔ مگر — زندگی پھر بھی زندگی تھی۔ صرف روپ بدل گیا تھا۔

سڑک کے دونوں جانب جھلملاتی ہوئی روشنیاں خاموش رات کی پھیلی ہوئی باہنوں میں سمٹی بڑی اداسی سے سخت وسیاہ، اندھی، بہری، گونگی بے حس سڑکوں کو تک رہی تھیں۔ اس نے اپنے ماضی کے دھندلکوں میں جھانک کر دیکھا۔ گزرے ہوئے وقت کے وہ لمحات۔ جنہیں کبھی ہارون نے زندگی بخشی تھی آج مردہ ہو چکے تھے اور بے کل روحوں کی مانند بھٹکتے پھر رہے تھے۔ یادوں کے آنگن میں۔ مدت کی بھولی بسری آرزوؤں، تمناؤں اور خوابوں کے مرجھائے ہوئے پھول دھرتی کا بوجھ بنے سسک رہے تھے۔ دل کے ایوان کے بند دریچوں کے باہر ہوا چپکے چپکے سسکیاں بھر رہی تھی اور بیتے ہوئے زمانوں کے المناک سائے دستک دے رہے تھے۔ خاموش بے حس لمحات بے رحم وقت کی پتھریلی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو رہے تھے —! چنبیلی کی نرم ونازک پتیاں اس کے سر کے قریب، بڑی آہستگی سے سرسرا رہی تھیں اور وہ سوچ رہی تھی۔ مسلسل سوچ رہی تھی۔ بے شمار باتیں —— جو ماضی سے وابستہ تھیں، حال سے بھی اور اس مستقبل سے بھی —— جو خوابوں کی نگری کی مانند خاموش اور پُر اسرار تھا۔ ہارون کی یادیں، شعیب کی باتیں، کاشف کی محرومی اور اس کا دکھ اور زندگی کے بدلتے ہوئے روپ۔ وقت کے متغیر ہوتے ہوئے روپ — سب کچھ بیک وقت اس کے دماغ میں بسا ہوا تھا۔

انجم، شعیب اور آصف کہتے ہیں کہ تصورات اور تخیّلات کے سہارے زندگی نہیں بسر کی جاتی مگر ــــ انہیں کون بتائے کہ تنہائی کے لمحات میں انسان کے تخیّلات، تصوّرات اور اس کی یادیں ہی اسے سہارا دیتی ہیں۔ جبران نے انہیں لمحات کے لئے تو کہا تھا کہ "تم اپنے خیال کے پیچھے چلو جو کھنڈروں اور پتھّروں میں بھٹک رہا ہے ــــ"

میرے افکار اور خیالات بھی تو آج یادوں کے کھنڈروں میں بھٹک رہے ہیں ــــ! اس نے سوچا۔ اور آسمان سے برستی ہوئی اُداس چاندنی کو دیکھتے ہوئے کمرے میں لوٹ آئی۔

اور پھر ــــ دن اور رات کے تعاقب میں وقت کے بے شمار لمحات چپکے سے گزر گئے۔ شبنم نے اب ڈاکٹر شعیب اور کاشف سے کترانا شروع کر دیا تھا۔ مگر اس سے کچھ حاصل نہ ہو سکا تھا۔ امّی اور عمران کی نگاہیں جس بات کی ترجمانی کر رہی تھیں۔ شبنم اس سے اچھی طرح واقف تھی۔ انجم نے جانے امّی سے کیا کچھ کہہ دیا تھا اور امّی نے شاید اسماء باجی سے بھی کہا تھا۔ کیونکہ وہ تینوں ہی اس سے دو تین دفعہ دبے دبے لفظوں میں ڈاکٹر شعیب کے لئے کہہ چکے تھے اور انجم تو اس دن کے بعد سے بہت چپ چپ سی رہنے لگی تھی شاید وہ شبنم سے ناراض تھی یا پھر یہ صرف شبنم کا خیال تھا۔

پھر ایک روز شبنم رات کے وقت ابّا میاں کی لائبریری میں بیٹھی گوئٹے کی "فاؤسٹ" پڑھ رہی تھی کہ انجم نے آکر اسے چونکا دیا۔ دو چار اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد انجم نے پھر ڈاکٹر شعیب کا ذکر چھیڑ دیا۔

"تم نے کیا فیصلہ کیا شبّو"——؟

"کس بات کا"——؟

"ارے وہی۔ ڈاکٹر شعیب کے بارے میں"——!

"میں نے اپنا فیصلہ تمہیں پہلے ہی سنا دیا تھا"——!

"اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔"——؟

"نہیں"——!

"اور نہ آئندہ امکان ہے"——؟

"ہاں"——!

"شبّو——! تم کیوں دوسروں کی نگاہوں میں اپنی قدر کم کر رہی ہو"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو——؟

"میں تو تمہیں ایک مثالی لڑکی سمجھتی تھی"——!

شبنم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم اپنے جذبات اور احساسات کی خاطر اس معصوم بچّے کی خوشی سے کھیل رہی ہو"——!

"ڈاکٹر شعیب کی محبت اور ان کے جذبات کی کوئی قدر نہیں کرتیں تو نہ سہی مگر اس بچے کی محرومیوں کا تو خیال کرو"۔!

اوہ — انجو —! پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می"۔!

"تم ایک بار پھر ٹھنڈے دل سے سوچو ذرا کاشف کی طرف چند منٹ کیلئے غور سے دیکھو۔ اس کی محبت کا خیال کرو۔ اس پر ترس کھاؤ"۔!

"انجم! خدا کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دو"۔ شبنم نے میز پر سر ٹکا دیا۔

انجم بوجھل قدموں سے باہر چلی گئی۔

کاشف کی ضد اسی طرح جاری تھی ڈاکٹر شعیب اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکے تھے۔

پھر —— ایک روز ایسا ہوا کہ امی نے شبنو سے ڈاکٹر شعیب کے بارے میں صاف صاف بات کر لی۔ وہ سر جھکائے چپ چاپ امی کی بات سنتی رہی اور کوئی جواب دیئے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"انجم — امی سے کہو مجھ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں"۔!

انجم نے اداس نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر جانے کیا سوچنے لگی۔

کچھ دن اور بڑی خاموشی سے گزر گئے ڈاکٹر شعیب بظاہر تو خاموش اور پُرسکون تھے مگر ان کی ذہنی الجھن کا راز ان کی آنکھیں افشا کئے دیتی تھیں۔ اور

شبنم زندگی کے اس دوراہے پر حیران پریشان کھڑی سوچ رہی تھی کہ کس سمت قدم اٹھائے —

سوچوں کی نگری میں چپ چاپ چلتے ہوئے یہ عجیب موڑ اچانک ہی آگیا تھا۔ اس نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی وہ یوں مجبور ہو جائیگی —!

اور —— اس شام یوں ہوا کہ شبنم کو اپنی ایک ساتھی ریسرچ اسسٹنٹ کے گھر ٹیلیفون کرنا تھا۔ گھر کا ٹیلیفون خراب پڑا تھا۔ وہ چند لمحوں کی کشمکش کے بعد ڈاکٹر شعیب کے گھر چلی گئی۔ ڈاکٹر شعیب ڈرائنگ روم میں بیٹھے کوئی میگزین دیکھ رہے تھے۔ ملازم نے کمرے تک اس کی رہنمائی کی۔ وہ آہستہ سے دروازے پر دستک دیکر اندر چلی گئی۔

"تشریف لائیے۔" — ڈاکٹر شعیب کی گھمبیری آواز آئی۔

"مجھے ٹیلیفون کرنا ہے —" شبنم نے کہا۔

"ضرور کیجیے" — ڈاکٹر شعیب اٹھتے ہوئے بولے۔

وہ اس کو ساتھ لیکر خوابگاہ میں آگئے۔

شبنم نمبر ڈائل کرنے لگی تو شعیب دریچے میں کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ٹیلیفون کر کے پلٹی تو شعیب اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"معاف کیجیے گا۔ زحمت دی آپ کو" — شبنم نے کہا۔

"آپ کو تکلفات بہت آتے ہیں" — شعیب مسکرائے۔

شبنم جھینپ گئی۔ چند لمحے وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔ پھر شبنم نے کہا۔

"اجازت دیجئے"!

"کس بات کی"؟

"واپس جانے کی"!

"اور اگر میں نہ دوں تو"؟

"پھر تو بڑی مشکل ہو جائیگی"! شبنم کی آواز مدھم تھی۔

"میرا مطلب ہے آپ کچھ دیر کیلئے رُک جائیں"! شعیب سنجیدہ ہو گئے۔

"میں پھر آجاؤنگی"! شبنم نے کہا۔

"اچھا— جیسی آپ کی مرضی"!

"آپ میرے ساتھ چلیئے۔ اس وقت عمران بھی گھر پہ ہے"!

"عمران سے ملاقات ہو گئی تھی ابھی کچھ دیر پہلے—!

"اچھا"! شبنم نے کہا اور ان کے ساتھ باہر آگئی— وہ دونوں برآمدے کی سیڑھیوں سے نیچے اترے تو شبنم نے کاشف کو دیکھا وہ نرگس کے پودے کے قریب گھاس پہ داہنی کروٹ سے لیٹا تھا۔ ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے وہ جانے کن سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا!

اس کے چہرے پر اُداسیوں اور محرومیوں کے بڑے طویل سائے تھے۔ شبنم کو اپنے سینے میں کوئی چیز ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئی اس کا دل درد سے پُر ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ پر دم بخود سی کھڑی رہ گئی۔

"آپ رک کیوں گئیں ۔۔؟" ڈاکٹر شعیب نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"شعیب صاحب" شبنم کی آواز بہت مدھم تھی۔

"شعیب نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ اس معصوم پر کیوں ظلم کر رہے ہیں ۔۔؟"

"ظلم میں کر رہا ہوں یا آپ ۔۔؟" شعیب نے کہا۔

"آپ اپنی خوشی اور اپنے جذبات کی خاطر اسے ذہنی اذیت دے رہے ہیں!"

"آپ بھی تو اپنے جذبات اور احساسات کی خاطر دو ذہنوں کو اذیت دے رہی ہیں ۔۔!

"جی ۔۔!!

"جی ہاں ۔۔!

شبنم ان کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر کاشف کے قریب چلی گئی۔ ڈاکٹر شعیب بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گئے۔

"کاشف ۔۔!" شبنم نے قریب جا کر اسے پکارا۔

کاشف نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور دوڑ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ شبنم بے اختیار ہو کر اس پر جھک گئی اور بے تحاشا پیار کرنے لگی۔

"یہاں اکیلے کیا کر رہے تھے تم ۔۔۔"؟

کاشف خاموش رہا۔

"گڈو، پپو کے ساتھ کھیلنے نہیں گئے ۔۔۔"؟

"گیا تھا ۔۔۔"!

"اتنی جلدی کیوں واپس آ گئے" ۔۔۔؟

"وہ لوگ اپنی امّی کے ساتھ بازار چلے گئے ۔۔۔"! کاشف کی آواز میں محرومی کا احساس بہت نمایاں تھا۔

شبنم کے دل کو ٹھیس پہنچی۔ وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے چُپ چاپ کھڑی رہی۔

آنٹی ۔۔۔! چند لمحوں بعد کاشف نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں بیٹے ۔۔۔"! شبنم نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

"پاپا سے کہئے۔ میرے لئے امّی لا دیں ۔۔۔"!

"آپ کے پاپا ہماری بات نہیں سنتے ۔۔۔"! شبنم کا لہجہ بہت شکستہ تھا۔ اس نے شعیب کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے خاموش کھڑے تھے۔ پیشانی پر گہری گہری شکنیں تھیں۔

" آپ خود اپنے پاپا سے کہئے "۔! شبنم نے کاشف سے کہا۔
" میں پاپا سے بات نہیں کرتا "! کاشف کا انداز ناراضگی لئے ہوئے تھا۔
" کیوں ۔۔۔؟ یہ تو بُری بات ہے نا کاشف "۔۔۔!
" پاپا میری بات جو نہیں مانتے "۔!
شبنم چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔
" اور پاپا مجھ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ تم شبنم آنٹی اور انجم آنٹی کے پاس مت جایا کرو "۔۔۔!
شبنم نے شاکی نظروں سے ڈاکٹر شعیب کی طرف دیکھا۔ مگر وہ اسی انداز سے کھڑے رہے۔
" شعیب صاحب "۔! شبنم نے انہیں مخاطب کیا۔
" جی فرمائیے "۔۔! ان کا لہجہ بے حد خشک تھا۔
" آپ کو اس بچے پر رحم نہیں آتا "۔۔؟
" یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں "۔۔۔!
" اپنی مجبوری اور اپنے انکار کا سبب میں آپ کو بتا چکی ہوں "۔۔۔!
" آپ کو اپنی مجبوری کا احساس پہلے سے تھا۔ پھر آپ کو کس نے مشورہ دیا تھا کہ آپ اس بچے کے دل میں اپنی محبت کا بیج بوئیں۔؟

"شعیب صاحب — !" شبنم کی آواز قدرے بلند تھی۔

"میں نے یا اس بچے نے آپ کو کون سا دکھ پہنچایا تھا جو آپ یہ صلہ دے رہی ہیں —؟"

"اُفوہ — ! شعیب صاحب — ! خدا کے لئے چُپ ہو جائیے —!"

"مجھے کہہ لینے دیجئے شبنم — ! میں بہت ضبط کرتا رہا ہوں —؟"

"آپ کو یہ مشورہ کس نے دیا تھا کہ آپ میرے بارے میں کچھ جانے بغیر میری طرف اتنا آگے بڑھ آئیں —؟" شبنم نے کہا۔

ڈاکٹر شعیب نے قدرے غصّے سے اس کی طرف دیکھا مگر خاموش رہے۔ چند لمحے بڑی خاموشی سے گزر گئے۔ پھر کاشف نے ہی اس سکوت کو توڑا۔

"آنٹی — ! میری امّی کو —!"

"خاموش رہو کاشف —!" ڈاکٹر شعیب نے سخت لہجہ میں کہا۔

"پھر آپ بتائیے میری امّی کب آئیں گی —؟"

"تمہاری امّی کبھی نہیں آئیں گی —!"

"کیوں پاپا —؟"

"اُفوہ کاشف ! تم میرا دماغ مت خراب کرو —!"

"نہیں پاپا۔ میری امّی —!"

تمہاری کوئی امّی نہیں ہے —!

کاشف بُری طرح مچل گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میں شبنم آنٹی کو اپنی امّی بنا لوں گا —!

چُپ رہو کاشف۔ چُپ رہو — شعیب نے غصیلی آواز سے کہا۔

اچھا پاپا۔ انجم آنٹی کو میری امّی بنا دیجئے — اس کی آواز میں اتنی التجا اور آنکھوں میں اتنی بے چارگی تھی کہ شبنم کا دل کانپ گیا۔ شعیب نے اتنے غصے سے کاشف کی طرف دیکھا۔ کہ شبنم سہم کر رہ گئی۔

آنٹی —! آپ میری امّی بن جائے —!

اور دوسرے ہی لمحے ڈاکٹر شعیب نے کاشف کو بُری طرح جھنجھوڑ کر شبنم سے علیحدہ کر کے دور کھڑا کر دیا۔ کاشف پہلے تو خلاف توقع اس رویّے پر حیران ہوا پھر چیخ چیخ کر رونے لگا۔

شبنم نے بے پناہ غصّے سے ڈاکٹر شعیب کی طرف دیکھا۔

مت چلّاؤ — شعیب نے کاشف کو گھُورا۔ مگر وہ امّی۔ امّی کی رٹ لگاتے ہوئے روتا رہا۔ اور پھر ڈاکٹر شعیب نے کاشف کے منہ پر اتنا زوردار طمانچہ رسید کیا کہ وہ بلبلا اٹھا۔

شبنم کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دل درد سے پھٹ جائیگا — وہ بے تاب ہو کر کاشف کی طرف بڑھی اور زمین پر بیٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"آپ چھوڑ دیجئے اسے مس شبنم"!

شبنم اسی طرح بیٹھی رہی تو ڈاکٹر شعیب نے کاشف کو کھینچ کر دور کر دیا۔ وہ آنٹی آنٹی پکار کر اس شدت سے رویا کہ شبنم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کاشف کی طرف دیکھا وہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شبنم نے اس کی طرف قدم بڑھائے تو شعیب نے بیحد سخت لہجہ میں کہا۔

"خدا کیلئے مس شبنم۔ آپ چلی جائیے۔ یہاں سے"!

شبنم آنکھوں میں آنسو لئے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ شعیب نے روتے ہوئے کاشف کو گود میں اٹھایا اور اندر چلے گئے۔ شبنم اپنی آنکھوں میں آنسو چھپائے واپس آ گئی۔ انجم برآمدے میں ہی کھڑی تھی۔

"کاشف کیوں رو رہا ہے شبّو ۔۔۔"؟ اس نے پوچھا۔

مگر شبنم اس کی بات کا جواب دیئے بغیر کمرے میں چلی گئی۔ اور میز پر سر ٹیک کر سسک پڑی۔ انجم پریشان ہو کر اس سے پوچھے جا رہی تھی۔ مگر شبنم چپ چاپ روتی رہی۔ اور جب اس کے آنسو تھمے تو انجم کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس نے اسے اگلی پچھلی سب باتیں بتا دیں۔ انجم خاموشی سے سنتی رہی اس کا چہرہ بے حد اداس ہو گیا تھا۔ پھر وہ شبنم سے کچھ کہے بغیر اٹھ کر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔

اس رات انجم سو گئی تو شبنم نے ایک طویل ذہنی کشمکش کے بعد ڈاکٹر

شعیب کو لکھا۔۔۔

"شعیب صاحب۔۔۔!

وقت اور حالات نے مجھے زندگی کے بڑے دشوار گزار موڑ پہ لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ میں نے اپنی عمر کے گزرے ہوئے لمحات میں بے شمار باتیں سوچی ہیں۔ مگر اپنی سوچوں کی کسی راہ گزر پہ اس حادثے کے متعلق میں نے گمان بھی نہیں کیا تھا۔ آپکے احساسات اور جذبات میرے لئے قابل قدر ہیں۔ لیکن مجھے نہ دل پہ اختیار ہے اور نہ دماغ پہ۔ آپ مجھ سے ایک ایسی بات کی توقع کرتے ہیں جس کو نبھانا میرے لئے مشکل ہے۔

آپ کے بچّے سے مجھے بے پناہ پیار ہے۔ اتنا والہانہ پیار! جتنا کوئی ماں اپنی اولاد سے کر سکتی ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ میرے اپنے جگر کا ٹکڑا ہو۔ آپ سے وابستہ ہو جانے کے بعد میں کاشف سے تو یقیناً اتنی ہی محبت کرونگی اسے اتنا ہی پیار دونگی جس کا کوئی بچّہ مستحق ہو سکتا ہے۔ مگر آپ۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے لئے میرے دل میں چاہت اور محبّت کے وہ جذبات پیدا نہیں ہو سکیں گے۔ اور آپ ہرگز یہ پسند نہیں کریں گے کہ آپ کی ہو کر میرے

خوابوں میں کسی دوسرے کا گزر ہو۔ میرے تصوّرات کی زینت کوئی اور بنے۔ پھر آپ ہی بتلایئے کہ میں آپ کی خواہش کی تکمیل کس طرح کر سکتی ہوں ــــ؟

شبنم"

دوسرے روز صبح شبنم نے ڈاکٹر شعیب کے کلینک جانے سے قبل فخرو کے ہاتھ وہ پرچہ بھجوا دیا۔ اور دوپہر کو جب وہ یونیورسٹی سے واپس آئی تو امّی نے اسے بتایا کہ کاشف کی طبیعت خراب ہے۔ اسے تیز بخار ہے۔ شبنم کا دماغ جیسے سُن ہو کر رہ گیا۔ وہ کچھ کہے بغیر کھانا کھانے چلی گئی۔ بڑی مشکل سے اس نے چند لقمے زبردستی حلق سے نیچے اتارے اور اپنے کمرے میں آگئی۔ انجم پھوپھی اماں کے گھر چلی گئی تھی۔ امّی نے اسے بتایا کہ شاید دو تین روز بعد واپس آئے گی ــــ امّی بھی صبح سے وہیں تھیں۔ نماز اور وظیفہ پڑھ کر پھر چلی گئیں۔ شبنم اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہلتی رہی پھر اوڑھ لپیٹ کر پڑ گئی۔

دو روز گزر گئے۔ کاشف کی حالت اور بگڑ گئی تھی۔ امّی کا سارا وقت وہیں گزرتا تھا۔ عمران بھی اپنا فرصت کا سارا وقت وہیں گزارتا تھا۔ ان دونوں نے شبنم سے کئی دفعہ کہا کہ وہ کاشف کو دیکھ آئے۔ مگر وہ جانے کن الجھنوں میں گرفتار تھی۔ امّی اس سے کچھ ناراض سی تھیں۔ پھر تیسرے روز وہ یونیورسٹی

سے واپس آئی تو امّی اس پر برس پڑیں۔

"سنگ دلی کی انتہا ہوتی ہے شبنم"۔! امّی نے بے حد سخت لہجے میں کہا۔

"امّی ۔۔۔"! شبنم کی آواز مدھم تھی۔

"معصوم بچہ لبِ گور ہے اور تم اسے دیکھنے بھی نہیں گئیں"۔۔۔!

"امّی۔ خدا کیلئے کچھ نہ کہئے ۔۔۔"! اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"انسان میں کچھ تو ایثار کا جذبہ ہونا چاہیئے"۔۔۔!

شبنم سر جھکائے فرش کی طرف دیکھتی رہی۔

"جب تم اپنی محبت کو تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی تھیں تو تمہیں کیا ضرورت تھی کہ اس بچے کو اپنے آپ سے اتنا مانوس کر دو"۔۔۔؟

"آپ صرف مجھے ہی الزام کیوں دیتی ہیں امّی"۔۔۔؟

شبنم دھیرے سے بولی۔

"پھر کسے الزام دوں ۔۔۔؟ قصور کس کا ہے"۔۔۔؟

"شاید آپ کو معلوم نہیں امّی کہ کاشف کے لئے میں اور انجم برابر ہیں"۔۔۔!

"وہ ٹھیک ہے لیکن شعیب تو تم سے شادی کرنا چاہتا ہے"۔۔۔!

شبنم خاموش رہی۔

"اگر اسے خدانخواستہ کچھ ہوگیا تو اس کا خون تمہاری......."

"امّی ۔ آگے کچھ نہ کہئے ـــ! شبنم تڑپ کر بولی ۔ اور اپنی آنکھوں میں آنسو چھپاتے اپنے کمرے میں چلی گئی ۔ چند منٹ بعد اس نے امّی کو شعیب کے گھر جاتے دیکھا ۔ تب عمران اس کے کمرے میں چلا آیا ۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے کرسی پر بیٹھی تھی ـــ عمران نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ دیئے ۔

"آپی "ـــ!

"شبنم نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا ۔

"آپ کو خدا کا واسطہ آپی! اپنی سوچوں کے انداز بدلئے"ـــ!

"عمران ـــ"! شبنم کی آواز بہت مدھم تھی ۔

"آپ کسی کے بارے میں نہ سوچئے صرف اس بچّے کے بارے میں سوچئے "ـــ!

"تم جاؤ عمران "ـــ! شبنم کا لہجہ اتنا عجیب سا تھا کہ عمران وہاں رُک نہ سکا ۔

عمران چلا گیا تو شبنم وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی ۔ آنسوؤں کی برسات میں بھیگتے ہوئے وہ کاشف کے لئے خلوص دل سے دعا مانگتی رہی ۔ نماز پڑھ کر وہ بڑی دیر تک دریچے میں کھڑی سوچوں میں الجھتی رہی ۔ پھر انجم کو ٹیلیفون کرنے چلی گئی ۔ پھوپھی امّاں نے ٹیلیفون رسیو کیا ۔ انجم زرّیں اور فرزانہ

وغیرہ کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھی۔

شام کو امی عصر کی نماز پڑھنے کے لئے آئیں تو شبنم برآمدے کی ریلنگ کے قریب کرسی ڈالے بیٹھی تھی۔ امی نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کی طرف بڑے غور سے دیکھا۔ اس کا چہرہ بے حد اجڑا ہوا اور ویران تھا۔ وہ اس سے کچھ کہے بغیر اندر چلی گئیں۔ شبنم بھی اٹھکر اندر چلی گئی کچھ دیر بعد اس نے امی کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ وہ جائے نماز پر بیٹھی بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگ رہی تھیں۔ آنسو ان کے رخساروں سے پھسلتے ہوئے سفید دوپٹے میں جذب ہو رہے تھے۔ شبنم نے برآمدے کے ستون سے سر ٹیک کر چند لمحوں کے لئے کچھ سوچا اور پھر اس کے قدم ڈاکٹر شعیب کے بنگلے کی طرف اٹھ گئے۔ اپنے گھر سے ان کی خوابگاہ تک کا راستہ اس نے ایک خواب کے سے عالم میں طے کیا۔ شعیب کی خوابگاہ کے آسمانی پردے سرکا کر وہ اندر داخل ہوئی تو اس کی نگاہیں شعیب پر پڑیں۔ وہ کاشف کے اوپر جھکے ہوئے اس کے انجکشن لگا رہے تھے۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ان کا جائزہ لیا۔ شاید وہ مسلسل تین راتوں سے جاگ رہے تھے۔ انہوں نے قدموں کی آہٹ پر پلٹ کر دیکھا اور سرنج میز پر رکھکر آہستہ آہستہ کاشف کا بازو سہلانے لگے۔ شبنم لڑکھڑاتے قدموں سے بستر کے قریب چلی گئی۔

"آپ نے ناحق زحمت کی شبنم بی" شعیب نے آہستہ سے کہا۔
شبنم نے کاشف کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور پھر فوراً کھینچ لیا۔ بخار کی شدت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا۔

"شبنم آنٹی! انجم آنٹی ــــ! آپ مجھے اپنے ساتھ لے جائیے۔ پاپا مجھے مارتے ہیں۔ میری امّی کہاں ہیں ــــ؟ مجھے ان کے پاس بھیجدیجئے۔ نہیں تو آپ میری امّی بن جائیے ــــ! گڈو، پپّو، بابر اور ہمیں کی امّی ہیں پھر میری کیوں نہیں ــــ؟ پاپا تو مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ مجھے کبھی نہیں مارتے تھے پھر اب پاپا نے مجھے کیوں مارا ــــ؟"

شبنم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ بے اختیار اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اور تڑپ کر اس پر جھک گئی۔

"کاشف ــــ! اس کی آواز مدھم تھی۔

"کاشف ــــ! اس بار اس کی آواز قدرے بلند تھی۔

"کاشف ــــ! وہ ایکدم چیخ پڑی۔

"آنکھیں کھولو بیٹے ــــ! دیکھو میں تمہارے پاس آگئی ہوں"۔

"میری طرف دیکھو کاشف ــــ! تم اپنی امّی کو پکار رہے تھے نا۔! دیکھو۔ تمہاری امّی آگئی ہیں بیٹے ــــ!

"کاشف ــــ! کاشف ــــ! ایک دفعہ تو آنکھیں کھولو"۔ اس نے

دونوں ہاتھ بڑھاکر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"اگر تمہیں کچھ ہوگیا کاشف ۔۔۔ ! تو تمہاری امّی اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کریگی ۔" اس نے بے اختیار اسے سینے سے لگایا۔

"اپنی امّی کی طرف نہیں دیکھو گے بیٹے ۔۔۔ ! میں تمہاری امّی ہوں ۔ میں تمہاری امّی ہوں ۔۔۔ میں تمہاری . . . . . .

وہ اس کے سیاہ چمکیلے بالوں میں اپنا منہ چھپاکر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اس وقت وہ اتنا روئی کہ اپنی زندگی کے گزشتہ تمام لمحات میں وہ کبھی اتنا نہیں روئی تھی ۔ سسکیوں سے اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ اسے اپنے اردگرد کا اور خود اپنا کوئی ہوش نہیں تھا۔ اس کے لمبے، سیاہ اور گھنے بال بکھر کر سامنے آگئے تھے اور کاشف کا معصوم وجود ان گھنیرے بالوں میں چھپ سا گیا تھا۔

اور پھر ۔۔۔ اس کے آنسوؤں کی حرارت سے اس کی آہوں اور سسکیوں کی گرمی سے کاشف کے ساکت وجود میں حرکت سی پیدا ہوئی، پلکوں کو جنبش ہوئی، نازک لب کپکپائے، ہونٹ تھرتھرائے اور اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ سہمی ہوئی نگاہوں سے شبنم کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

۔۔۔ "آنٹی ۔۔۔" !

"کاشف میری روح ۔۔۔ !" شبنم اُسے بے تحاشا چومنے لگی۔

"تم میرے بیٹے ہو نا ـــ"! شبنم نے والہانہ انداز سے کہا۔

"آنٹی ـــ"!

"آنٹی نہیں ـــ امّی کہو ـــ"! وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بولی ـــ!

ڈاکٹر شعیب حیرت زدہ سے کھڑے شبنم کا یہ روپ دیکھ رہے تھے. انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا. جیسے وہ عالمِ خواب میں ہوں. کاشف کی حالت سنبھلی تو شبنم کو ڈاکٹر شعیب کی موجودگی کا احساس ہوا۔

"آپ کھڑے کیوں ہیں ـــ"! شبنم نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا.

شعیب کرسی سرکا کر بیٹھ گئے ۔

شبنم نے کاشف کو بستر پر آرام سے لٹا دیا اور آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی کچھ دیر بعد کاشف کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں۔ شبنم نے اس کے رخسار کو آہستہ سے چھوا اور پلٹ کر ڈاکٹر شعیب کی طرف دیکھا. وہ تصویر حیرت بنے مسلسل اسی کی طرف دیکھ رہے تھے. سُرخ بے خواب آنکھیں، پیشانی پر بکھرے ہوئے بال ملگجی سلیپنگ سوٹ ـــ شبنم کو احساس ہوا کہ وہ گزشتہ تین دنوں میں کتنے پریشان رہے ہوں گے

"شبنم ـــ"! چند لمحوں بعد شعیب کی گھمبیر آواز کمرے کے پرسکوت ماحول میں گونجی ۔

"جی"۔۔۔! شبنم کی آواز مدھم تھی۔

"میں تمہیں کیا سمجھوں"۔۔۔؟

شبنم خاموش رہی۔

"میں یہ سوچ کر پریشان اور پشیمان ہوں کہ تم نے اپنے اوپر جبر کیا ہے"۔!

شبنم نے ایک لمحے کے لئے ان کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔

"مجھے تمہارے دکھ کا اندازہ ہے لیکن ۔۔۔!

شبنم نے استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ مگر ڈاکٹر شعیب نے اپنی بات ادھوری رہنے دی کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔

"میں نہیں چاہتا شبنم کہ تم اپنی ذات پر کسی قسم کا جبر کرو"۔!

شبنم کھلے ہوئے دریچے سے باہر دیکھتی رہی۔

"مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم نے یہ فیصلہ خوشی سے نہیں کیا۔ اس لئے میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اب بھی وقت ہے تم اپنے فیصلے پر غور کر لو"۔!

"میں اب کچھ سوچنا نہیں چاہتی"۔! شبنم کی آواز جیسے بہت دور سے آرہی تھی۔

ڈاکٹر شعیب دو تین منٹ اس کے جھکے ہوئے سر کی طرف دیکھتے رہے پھر ۔۔۔ آگے جھک کر آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

شبنم نے آگے بڑھ کر ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔ اس کی پلکیں ایکبار

پھر بھیگ گئیں۔

"مجھے احساس ہے شعیب صاحب! کہ میں نے آپ کو بہت دکھ پہنچایا ہے لیکن ———!

لیکن آپ یقین کیجئے اس میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔!

"تم نے مجھے کوئی دکھ نہیں پہنچایا — تم تو میرے اور کاشف کے لئے مسیحا ہوتے ———!

"میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ اگر خدانخواستہ کاشف کو کچھ ہو جاتا تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرتی ———!

"کاشف کی حالت جتنی نازک تھی۔ اس کا صحیح اندازہ صرف مجھے اور عمران کو ہے — اگر تم تھوڑی دیر اور نہ آتیں تو......." شعیب نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

شبنم ان کے گھٹنے پر سر رکھے چپ چاپ ان کی بات سنتی رہی۔

"کیا سوچنے لگیں ———؟"

"کچھ نہیں ———" شبنم اٹھ کر دریچے کے قریب چلی گئی۔ اور جبھی کسی نے دروازے پر دستک دی۔ شبنم نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا انجم اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر دکھ، پریشانی اور سوگواری کا اتنا عجیب سا

امتزاج تھا کہ شبنم چند سیکنڈ کیلئے اس کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔

" تم آگئیں بجو —" شبنم نے کہا۔

" ہاں —— ! بازار سے واپسی پر پھوپھی اماں نے تمہارے ٹیلیفون کے بارے میں مجھے بتایا تھا۔ میں اسی وقت احمر بھائی کے ساتھ آگئی — ؟

" کیسی طبیعت ہے اب کاشف کی —— ؟ انجم نے شعیب سے پوچھا۔

" اللہ کا شکر ہے ۔ اب تو حالت خطرے سے باہر ہے ——

" تم نے مجھے پہلے خبر کیوں نہیں کی شبّو" —— ؟ انجم کی آواز میں شکوہ تھا۔

" میں تو خود ان تین دنوں میں پہلی دفعہ یہاں آئی ہوں" —— ! شبنم نے کہا۔

انجم کوئی جواب دیے بغیر کاشف کے قریب چلی گئی اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے جھک کر اسے پیار کرنے لگی۔ شبنم گھر واپس لوٹ آئی۔

شبنم کے اس نئے روپ نے ڈاکٹر شعیب کے ذہن و دماغ کو بہت آسودگی دی تھی۔ امید کے دامن کو تھامے ہوئے وہ شبنم کے قریب آ پہنچے تھے۔ اجنبیت ختم ہو گئی تھی فاصلے مٹ چکے تھے۔ لیکن ـــ وہی رات شبنم پر بہت بھاری تھی۔ وہ ڈاکٹر شعیب کے پاس سے واپس آئی تو اماں باہر برآمدے میں ہی مل گئیں۔ انہوں نے شبنم کے چہرے کی طرف بڑے غور سے دیکھا اور چپ چاپ کمرے میں چلی گئیں۔ شبنم آیا میاں کی لائبریری میں چلی گئی۔ بہت دیر تک وہ میز پر سر لٹکائے اپنے ویران اور سنسان سوچ نگر کے کھنڈروں میں بھٹکتی رہی۔ پھر اٹھ کر بلا مقصد ہی کمرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکّر لگانے لگی اور کتابوں سے سجی الماریوں کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے کئی بار سوچا کہ وہ کوئی کتاب پڑھے۔ مگر دل جیسے بالکل مردہ ہو رہا تھا

اس نے بڑی ہمت کرکے ایک الماری کے پٹ کھولے۔ چند لمحوں کیلئے اس کی بے جان سی انگلیوں نے نان کنگ پو کے "ڈوبتے ساحل" کو تھاما اور چھوڑ دیا۔ بورس پیسترنک کے "ڈاکٹر ژواگو" پر اس کی نگاہیں دو سیکنڈ کے لئے ٹھہریں۔ اس نے آہستہ سے کتاب کو اٹھایا اور وہیں کھڑے کھڑے "ڈاکٹر ژواگو" کے باب "دم واپسیں" کے صفحات الٹنے لگی۔ مگر ان لمحات میں وہ ڈاکٹر ژواگو جیسی کتاب نہیں پڑھنا چاہتی تھی۔ اس نے افسانوں کا مجموعہ نکال کر الماری بند کر دی اور میز کے آخری سرے پر بیٹھ کر کتاب کھول لی۔ موپساں کے افسانے "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" کو اس نے ایک ہفتہ قبل ہی معلوم نہیں کتنی دفعہ پڑھا تھا اس وقت بھی اس نے وہی افسانہ نکال لیا اور اس کی نظریں کتاب کے صفحات پر دوڑنے لگیں۔

رات نے جانے کب چپکے سے بسیرا کر لیا — ؟ اسے احساس ہی نہ ہوا۔ اور جب انجم اسے کھانے کے لئے بلانے آئی تو وہ چونک پڑی۔ کتاب کو الماری میں رکھ کر وہ اس کے ساتھ باہر آگئی انجم اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو اس نے قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"انجم —"!

"ہوں —"!

"تم کھانا نہیں کھاؤ گی —"؟

"نہیں" —!

"کیوں"—؟

"دل نہیں چاہ رہا"—!

تب شبنم نے اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کا چہرہ بہت سنجیدہ تھا۔ وہ اس کے بالکل قریب آگئی۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے پیار سے کہا۔ "نجو—!

"ہاں"—!

"کیا بات ہے"—؟

"کچھ نہیں"—!

"پھر تم اتنی چپ چپ کیوں ہو"—؟

"میں—؟ نہیں تو"—!

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو"—!

"کوئی بات نہیں شبّو! تم تو پاگل ہوگئی ہو"۔ انجم کے ہونٹوں پر بے جان سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تم سب کی بات میں نے مان لی پھر بھی تم لوگ ناراض ہو"—!

"کون ناراض ہے تم سے"—؟ انجم نے کہا۔

"تم۔ اور کون"—!

"کیا بیوقوفی کی بات کر رہی ہو تم— میں تو اب بالکل مطمئن ہوں"—!

انجم نے کہا۔

"پھر صورت پہ کیوں بارہ بجے ہیں" ــــ؟

"بس شبنو ــــ! بیحد تھکن محسوس ہو رہی ہے۔ سر میں بھی شدید درد ہے"۔!

"اوہ۔ یہ بات ہے ــــ"!

"ہاں ــــ"!

"اچھا تم لیٹو جا کر میں ابھی آ کر تمہارے وکس مل دونگی ــــ"!

"نوازش ــــ"! انجم مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

شبنم تھوڑی دیر بعد کھانا کھا کر واپس آئی تو انجم دیوار کی طرف منہ کئے لیٹی تھی۔ شبنم اس کے سرہانے بیٹھ کر اپنی نرم و نازک انگلیوں سے اس کے وکس (۱۷۱) ملتی رہی۔ اور انجم آنکھیں بند کئے لیٹی رہی۔ شبنم کے ہاتھوں سے اتنا آرام مل رہا تھا۔ کہ اس پہ غنودگی طاری ہو گئی۔ شبنم اٹھ کر باہر برآمدے میں آ گئی۔ سامنے والی دیوار پہ آہستہ آہستہ کانپتے ہوئے کیلے کے جھالردار پتوں کی طرف دیکھتے ہوئے وہ دھیرے سے گنگنا دی۔

اک سفینہ ہے تیری یاد اگر
اک سمندر مری تنہائی ہے

اس کی نگاہوں میں ڈاکٹر شعیب کی شبیہہ گھوم گئی۔ مگر دوسرے ہی لمحہ وہ شبیہہ دھندلاہٹوں میں گم ہو گئی اور ہارون کا چہرہ نگاہوں کے سامنے

آگیا۔ دل نے چپکے سے دھڑک کر کہا۔

ہارون ——!

مگر دماغ نے سرزنش کی۔

شبنم نے سوچا۔ جانے ہارون کی سوچوں کے انداز اب کیا ہونگے۔؟

مگر —— اب یہ دل ہارون کو کیوں یاد کرتا ہے ——؟ اب نہ ان پر میرا کوئی حق ہے اور نہ مجھ پر ان کا ——!

لیکن سوچوں پر پہرے بھی تو نہیں بیٹھائے جا سکتے ——!

اس نے سوچا اور اسے بڑی شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ زندگی کی کتنی قیمتی متاع کھو چکی ہے۔! اس کے افکار اور خوابوں کے محل چکنا چور ہو چکے تھے۔ تصوّرات کھو چکے تھے اور تخیّل میں ہیجان برپا ہو چکا تھا۔ قیمتی لمحات چپ چاپ ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ روتے ہوئے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند اداسی اور سوگواری کی تصویر بنا دھرتی کو تک رہا تھا۔ سرد چاندنی کی برستی ہوئی پھواروں میں رات بھیگ گئی تھی۔

ڈاکٹر شعیب ——! شبنم نے دل ہی دل میں کہا۔

آپ کو مجھ میں کیا نظر آیا تھا جو یوں اپنے من مندر میں مجھے بسا بیٹھے۔!

میری آنکھوں نے تو بارہا آپ کو پیغام دیا تھا۔ کہ ان گہرائیوں میں نہ جھانکئے یہاں

تو صرف ایک خلائے بے پایاں ہے اور کچھ نہیں ۔ اس دل کے ایوانوں میں آپ کن چراغوں کو روشن کرنا چاہتے ہیں ۔ ؟ یہاں جو اندھیرے سسکتے ہیں انہیں کوئی چراغ اجالا نہیں بخش سکتا۔ سنسان صحراؤں اور اُڑتے ہوتے بگولوں میں آپ کیا تلاش کر رہے ہیں ۔۔۔ ؟ بگولوں کی دھند میں بھی بھلا کسی کو کچھ نظر آتا ہے وہ ۔۔۔ جو خود اپنی منزل کا نشان کھو چکا ہے آپ اسے اپنا راہبر بنا رہے ہیں۔ وہ ۔۔۔ جو اپنے دل کی ویرانیوں کو دیکھکر خود ہی ڈر جائے آپ کے قدم اس ہستی کی طرف کیوں اٹھ رہے ہیں ۔۔۔ ؟ میرے قریب آکر آپ کو کیا ملے گا ۔۔۔ ؟ مگر ۔۔۔ دل جب بس میں نہ ہو تو انسان کو کچھ سجھائی نہیں دیتا ۔۔۔ آپ کا بھی کوئی قصور نہیں ۔۔۔ ! اس نے دل ہی دل میں کہا اور اس کی نظریں دھندلکوں کے اس پار ماضی کے ویران آنگن میں بھٹکنے لگیں ۔ وہاں کچھ نہیں تھا ۔ سوائے راکھ کے ایک مرمریں ڈھیر کے ۔۔۔ !

شاید مستقبل بھی ماضی کی طرح سفید مرمریں راکھ کا ڈھیر ہو گا جسے ہوائیں اپنے دامن میں سمیٹ کر انجانی سمتوں میں بڑھ جائیں گی ۔ انہیں برف کے سرد تودوں پر ڈال دیں گی اور جسے بے رحم وقت کی آندھیاں ویرانیوں میں بکھیر دیں گی ۔

ڈرائنگ روم کے دیوار گیر کلاک نے سناٹوں کو جھنجھوڑا تو شبنم نے اپنی سوچوں کی نگری کے دوار بند کر دیئے ۔ اور اپنے کمرے میں لوٹ آئی ۔

اور پھر ـــ اسے سوئے ہوتے جانے کتنی دیر ہوئی تھی کہ اس کی آنکھ چھپکے سے کھل گئی۔ اس نے اپنے برابر والے بستر کی طرف دیکھا۔ انجم گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھی۔

شبنم پریشان ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"انجم" ـــ! وہ اس کے بستر پر آکر بولی۔

انجم بری طرح چونک گئی۔

"کیا بات ہے ـــ؟" شبنم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں ـــ"!

"پھر اس طرح کیوں بیٹھی ہو" ـــ؟

"نیند نہیں آرہی ـــ"!

"شبنم نے اٹھ کر لائٹ آن کر دی اور حیران ہو کر اس کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ جیسے وہ دیر تک روتی رہی ہو۔

"تم آخر مجھے بتاتی کیوں نہیں کیا بات ہے" ـــ؟

"میری طبیعت ٹھیک نہیں شبّو ـــ"!

شبنم نے اس کی پیشانی کو چھوا۔ اسے سچ مچ ٹمپریچر تھا۔

"عمران کو اٹھا دوں ـــ"! شبنم نے پوچھا۔

"رہنے دو۔ صبح دیکھ لے گا"

"تم بیٹھی کیوں ہو ۔۔۔؟ آرام سے لیٹو نا"۔۔!

انجم کوئی جواب دیئے بغیر لیٹ گئی۔

"سر میں درد تو نہیں ہو رہا"۔۔!

"ہو رہا ہے ۔۔۔"!

شبنم آہستہ آہستہ اس کا سر دبانے لگی۔

دوسرے روز ۔۔۔ شبنم نے یونیورسٹی جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ مگر انجم کے اصرار پر بڑی بے دلی سے چلی گئی۔

دوپہر کو وہ واپس آئی تو انجم کا بخار اسی طرح تھا۔ اور اس کی دوائیں میز پر جوں کی توں پڑی تھیں۔ وہ چپ چاپ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ کاشف اس کے سینے پر سر رکھے لیٹا چپ چاپ اس کی طرف تکے جا رہا تھا۔ انجم کی دونوں باہیں اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔

"انجم ۔۔۔"! شبنم نے قریب جا کر اسے پکارا۔

انجم نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ اور چپ چاپ اس کی طرف تکتی رہی۔

"کیسی طبیعت ہے ۔۔۔"؟

"معلوم نہیں ۔۔۔"!

"امی کہہ رہی تھیں بخار تیز ہو گیا ہے ۔۔۔"!

"فکر نہ کرو۔ ٹھیک ہو جائے گا"۔۔۔! وہ مسکرائی۔

"تم نے دوا کیوں نہیں پی"۔

"شبنو۔ پلیز۔۔! دوا کیلئے نہ کہو مجھ سے"۔

"کیوں آخر۔۔۔؟

بھئی تم جانتی ہو۔ مجھے ڈاکٹری دواؤں سے وحشت ہوتی ہے"۔!

وہ تو ٹھیک ہے مگر کیا کیا جائے مجبوری ہے"۔۔!

"مجبوری کس بات کی"۔؟

"میرا مطلب ہے پھر ٹھیک کیسے ہو گی"۔۔؟

"میں ایسے ہی ٹھیک ہوں بس"۔!

"احمقانہ باتیں مت کرو"۔!

کاشف چپ چاپ لیٹا ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ بہت زرد اور دبلا ہو گیا تھا۔ اس کا بخار اتر گیا تھا مگر کمزوری باقی تھی۔ شبنم نے جھک کر اسے پیار کیا اور ٹھیک سے بستر پہ لٹا دیا۔

"کاشف کتنا کمزور ہو گیا ہے۔ نجّو"۔۔! شبنم نے کہا۔

"ہاں"۔۔!

"اسے ابھی نہیں آنا چاہیے تھا"۔!

"ہوں۔۔! صبح بہت ضد کر رہا تھا آنے کیلئے تو رسول بابا اسے

یہاں چھوڑ گئے —"

" اچھا۔ اب تم جلدی سے دوا پی لو —" شبنم نے کہا۔

" نہیں —! انجم بولی۔

" تمہاری ایسی کی تیسی —! شبنم نے پیالی میں دوا نکالتے ہوئے کہا

" انجم نے صاف انکار کر دیا

" اٹھو —! دوا پی لیجئے۔ کاشف نے کہا۔

" انجم چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

پھر — شبنم کے بے حد اصرار پر انجم نے بمشکل تمام منہ بنا کر دوا پی۔

" کچھ کھایا پیا تم نے — شبنم نے پوچھا۔ کھاؤں گی —!

" آخر کب کھاؤ گی —؟

" شبنم کو غصہ آ گیا۔

" جب دل چاہے گا —!

" دل کی بات مت مانو، وہ بہت غلط قسم کے مشورے دیتا ہے!

ہوں — کہتی تو ٹھیک ہو تم —! انجم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

بس پھر جلدی سے ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ —!

اچھا —! انجم نے بڑی بے دلی سے کہا۔

" اچھا کیا مطلب —؟ یہ پھل رکھے ہیں کھاؤ — یہ تمہارے

لیے دودھ لے کر آتی ہوں ---!

" ابھی مت لاؤ ---!

" کیوں ------؟

" دِل نہیں چاہتا ---!

آخر --- ایک دم سے تمہارے دِل کو ہو کیا گیا ہے یہ مجھے سمجھا دو ---!

" انجم لیٹی ہوئی مسکراتی رہی۔

" شبنم نے سیب کاٹ کر میز پہ رکھتے ہوئے کہا ---

" کاشف بیٹے ---!

" جی!"

" تم اپنی آنٹی کو یہ سیب کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ ---!

اور آپ ------؟

" میں ابھی آتی ہوں ---!

" شبنم انجم کے لیے دودھ لے کر آئی تو اسی وقت ڈاکٹر شعیب بھی آ گئے ---

آج آپ جلدی آ گئیں ---؟ شعیب نے پوچھا۔

" جی!"

" انجم کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی میرا دل نہیں لگا ---!

" وہ دونوں ساتھ ساتھ کمرے میں داخل ہو گئے۔ کاشف ہاتھ میں

" سیب کا ٹکڑا تھامے، انجم کے منہ کے قریب کئے اپنی چھوٹی سی آواز میں کہہ رہا تھا۔

" آنٹی — ! سیب کھا لیجیئے !

اور انجم اس کا ایک ہاتھ آنکھوں پہ رکھے چُپ چاپ — لیٹی تھی

" شعیب اندر داخل ہوئے تو وہ اٹھنے لگی

" آپ لیٹی رہیں انجم — ! انہوں نے کہا۔

" مگر انجم اٹھکر بیٹھ گئی۔ شبنم کے بار بار کہنے پر اس نے خاموشی سے دودھ پیا اور سر جھکائے بیٹھی رہی۔ شبنم نے اسے زبردستی لٹا دیا۔

ڈاکٹر شعیب نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام کر نبض دیکھی اور پیشانی کو چھوا۔ انجم دریچے سے باہر دیکھتے ہوئے ایک دم ہنس پڑی

کیوں بھئی — ؟ ہنسی کیوں آئی — ؟ شعیب مسکرائے —

میری ذرا سی بیماری کو آپ لوگ اس قدر اہمیت کیوں دے رہے ہیں — ؟ وہ مسکرائی۔

" اہمیت دینا ہی چاہیئے — ! شعیب نے کہا

کیوں — ؟

" معمولی سی بیماری ہی ایک دن خطرناک بن جاتی ہے — !

" انجم خاموش لیٹی مسکراتی رہی۔

" ڈاکٹر شعیب کافی دیر بیٹھے انجم سے باتیں کرتے رہے۔
انجم کا بخار دو تین روز بعد اتر گیا۔ مگر وہ بیحد کمزور ہو گئی تھی۔ شبنم تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی تھی کہ آخر اس کی نیندوں کو کیا ہو گیا ہے ــ؟
رات میں جس وقت بھی اس کی آنکھ کھلتی انجم اسے جاگتی ہوئی ملتی۔
" آخر تم سوتی کیوں نہیں انجم ــ؟ وہ پریشان ہو کر پوچھتی نیند نہیں آتی شبنو ــ!
" نیند نہ آنے کا سبب ــ؟
" معلوم نہیں۔ شاید سر میں خشکی ہو گئی ہے ــ؟
" شبنم نے اس کے سر میں ڈھیروں تیل جھونک کر مالش کر دی مگر
" انجم کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کی طبیعت کی بے چینی اور اضطراب اسی طرح رہا۔
" بخار اترنے کے بعد بھی شبنو نے انجم کو یونیورسٹی نہیں جانے دیا
" کیوں بور کرتی ہو شبنو۔ مجھ پر یہ پابندی مت لگاؤ ــ!
" فضول باتیں مت کرو۔ ابھی بہت کمزور ہو ــ!
شبنم نے بڑے رعب سے کہا۔
" اگر دو چار روز اور گھر میں رہ کر اسی طرح سوچتی رہی تو میں پاگل ہو
" جاؤں گی شبنو ــ!

" تو سوچنے کی ضرورت کیا ہے ــ ؟
" آدمی کو فرصت ہو تو بیکار کے خیالات ذہن میں آ ہی جاتے ہیں ۔!
" خالی الذہن رہنے کی کوشش کرو" ــ !
"یہ بات میرے امکان میں نہیں" ــ !

تنگ آ کر شبنم خاموش ہو گئی ۔ لیکن انجم اپنی خواہش کے باوجود مزید تین چار روز تک یونیورسٹی نہ جا سکی ۔

ویسے امی اور عمران ان دنوں بہت مطمئن تھے ۔ جس دن سے انجم نے انہیں یہ بتایا تھا کہ شبنم نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے امی کا چہرہ بے حد پر سکون ہو گیا تھا اور ڈاکٹر شعیب تو پر سکون ہونے کے ساتھ ساتھ مسرور بھی ہے ۔

شبنم نے بھی اپنے چہرے پر سکون اطمینان اور خوشی کی نقاب چڑھا لی تھی ۔

" مگر ایک روز چپ چاپ گزرتے ہوئے وقت کے لمحات نے کچھ اس انداز سے کروٹ بدلی کہ ظاہری سکون اور اطمینان کے سمندر میں طوفان آ گیا ۔ اس رات ــــ

شبنم کی آنکھ کھلی تو اس نے انجم کو دریچے کے قریب چپ چاپ کھڑے ہوئے دیکھا ۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی بڑی خاموشی سے

اس کی طرف دیکھتی رہی — جب دو تین دفعہ اُس نے انجم کو اپنے آنچل سے آنکھیں رگڑتے ہوئے دیکھا تو شبنم اٹھ بیٹھی اور بڑی آہستگی سے اُس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

انجم —! شبنم نے آہستہ سے پکارا۔

انجم نے جلدی سے اپنی آنکھوں کو رگڑ ڈالا۔

شبنم نے دونوں ہاتھوں سے اُس کا چہرہ تھام کر اپنی طرف کر لیا۔

انجم اس سے نظریں نہ ملا سکی۔

"میری طرف دیکھو — شبنم نے کہا۔

"مگر انجم کی نظریں جھکی رہیں۔

آج بھی تمہاری طبیعت خراب ہے —؟ شبنم کی آواز میں طنز تھا۔

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"میری بات کا جواب دو انجم —!

شبنم نے درشت لہجے میں کہا۔

انجم نے بھیگی پلکیں اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا مگر زبان سے کچھ نہیں کہا۔

"تمہارے اُس انداز نے مجھے بہت دکھ پہنچایا ہے۔ نجو —!

" کس انداز نے — ؟
انجم کی آواز بہت مدھم ہی تھی۔
" یہ بھی مجھ سے پوچھتی ہو — ؟
" تم کچھ کہو بھی تو — !
" میں نے کبھی تم سے اپنی کوئی بات نہیں چھپائی — !
" اور تم — !
" جانے کس راز کو اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہو — ؟
کوئی راز نہیں شبنم — ؟ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے — !
" تو پھر — ان تمام باتوں کا مطلب کیا ہے — ؟
" کن باتوں کا — ؟
" راتوں کو نیند نہ آنا اور آنسو بہانا — !
" تمہیں معلوم ہے مجھے گرم دوائیں کھانے کی بالکل عادت نہیں ہے دماغ میں خشکی کی وجہ سے نیند نہیں آئی — !
" اور آنسو بھی شاید گرم دواؤں کا ردِ عمل ہیں — شبنم کا لہجہ چبھتا ہوا سا تھا۔
" اُفوہ — ! تم تو بڑی سنجیدگی سے ناراض ہوئی ہو — !
انجم مسکرائی۔

"تو پھر مجھے اپنے ان آنسوؤں کا سبب بتاؤ ——— !

"دیکھو نا شبّو — ! بعض دفعہ اپنے آپ ہی دل اُداس ہو جاتا ہے تو رونے سے جی ہلکا ہو جاتا ہے — !

شبنم خاموش رہی۔

"تم تو ادیبہ ہو بھئی ——— ! پھر بھی اس قسم کے جذبات اور احساسات کو نہیں سمجھتیں ——— !

"بات کو ٹالنے کی کوشش مت کرو —

"تم تو پاگل ہو گئی ہو شبّو ——— !

"پھر سچ سچ بتاؤ۔ کیا بات ہے ——— ؟

"اچھا — تم پیچھے ہی پڑ گئی ہو تو بتانا پڑے گا — !

"جلدی بتاؤ ——— !

"بہت سی باتیں ہیں شبّو ——— !

"اپنے بھائی اور بھابیاں یاد آ رہی تھیں۔ اسما رباجی کا خیال آ گیا تھا۔

"سب لوگ اتنی دور دور ہیں۔ پھر ہارون اور تمہارے متعلق سوچ کر اداس ہو گئی تھی۔ امّی کی پریشانیوں اور فکروں کا احساس کر کے رونا آ گیا تھا ——— !

انجم نے بڑی افسردگی سے کہا۔

" گپ بازی مت کرو تم نجّو ـــــ!

" تم یقین کرو شبّو ـــــ! اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے!

" تم سچ کہہ رہی ہو ـــــ؟

بالکل سچ ـــــ!

" میں تو سمجھی تھی کوئی اور بات ہے ـــــ!

" تم جو کچھ سمجھی تھیں وہ بھی بتا ڈالو ـــــ!

" بتا دوں ـــــ؟

" بتا دو ـــــ!

" اچھا پہلے تم ایک بات بتاؤ ـــــ!

" پوچھو ـــــ!

" بالکل سچ سچ بتانا ـــــ!

" ضرور ـــــ!

" ڈاکٹر شعیب تمہیں اچھے لگتے ہیں ـــــ؟

" کیا مطلب ـــــ؟

" مطلب بالکل واضح ہے۔ تم میری بات کا جواب دو ـــــ!

ان معنوں میں اچھے لگتے ہیں کہ شریف خوش اخلاق اور ملنسار آدمی ہیں۔ سنجیدہ اور باوقار ہیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ تم

سے محبت کرتے ہیں ۔۔۔ !

تم سے جو آدمی بھی محبت کریگا اُس کو میں سر آنکھوں پہ جگہ دونگی۔ چاہے وہ ہارون بھائی ہوں یا ڈاکٹر شعیب ہوں یا کوئی اور ہستی ۔۔ !

"شبنم چپ چاپ اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے یہ تو احساس تھا کہ انجم اس سے بہت محبت کرتی ہے۔ لیکن اس بات کا اندازہ اسے آج ہی ہوا تھا کہ اُس کے لیے انجم کے جذبات اتنے شدید ہیں۔

انجم ۔۔۔ ! شبّو اس کے علاوہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔

شبّو ۔۔۔ ! میں اپنے جذبات کا اظہار کر کے انہیں سستا نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن ۔۔۔۔۔۔۔ !

" نجّو ۔۔ ! شبنم نے اسے گلے سے لگا لیا اور انجم اس سے لپٹ کر سسک پڑی۔

" مجھے تو بڑا دعویٰ تھا نجّو ۔۔ ! کہ میں تجھے بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں مگر تیرا یہ روپ تو اب تک میری نظروں سے پوشیدہ تھا ۔۔ !

انجم اس کے شانے سے لگی سسکتی رہی۔

" اگر تمہارے دِل میں ڈاکٹر شعیب کا کوئی خیال ہے نجّو ۔۔ !

" تو پلیز مجھے بتا دو ۔۔۔ !

" تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو شبّو ۔۔ ! اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو

میں شروع میں ہی تمہیں بتا دیتی ۔۔۔ !

شبنم بڑے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی۔

" اپنے دل کی بات اگر میں تمہیں بھی نہیں بتاؤنگی تو پھر کسے بتاؤنگی؟

انجم نے کہا۔

" اگر تم سچ کہہ رہی ہو بجو ۔۔۔ ! تو ٹھیک ہے ۔۔۔ !

" تم یقین کرو میری بات کا ۔۔۔ !

" اچھا بابا ۔۔۔ ! یقین کر لیا۔ اب تم سو جاؤ آرام سے ۔۔۔ !

شبنم اسے بازو سے پکڑ کر بستر تک لے آئی اور انجم نے بڑی

" خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

" اور اس روز ۔۔۔ اتوار تھا۔ امی گذشتہ شام سے پھوپھی اماں کے

کے ساتھ ان کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ عمران ناشتہ کرنے کے بعد

کچھ دیر ڈاکٹر شعیب سے گپ شپ کرتا رہا پھر اسمار باجی سے ملنے چلا

گیا۔ عمران کے جانے کے بعد شبنم اور انجم خاصی دیر تک کاملوں

کی طرح بیٹھی بالکل فضول قسم کی باتیں کرتی رہیں۔ کاشف ان

دونوں کے قریب لیٹا رنگین تصویروں والی کتاب دیکھتا رہا۔

جب تصویریں دیکھ دیکھ کر اس کی طبیعت سیر ہو گئی تو وہ ضد کر کے

" انجم کو اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ ڈاکٹر شعیب اپنے کسی دوست

سے ملنے گئے ہوئے تھے۔

" شبنم انجم کے جانے کے بعد تنہا بور ہوتی رہی پھر اس نے سوچا ــــ فضول وقت گنوانے سے بہتر تو یہ ہے۔ کچھ کام ہی کر لوں ـ اسے خیال آیا کپڑوں کی الماری کا حلیہ بہت بگڑا ہوا ہے۔ وہ اٹھکر الماری کے قریب آگئی۔ بڑے آرام آرام سے اپنے کپڑے ٹھیک کرتی رہی۔ کپڑے ٹھیک کرتے ہوئے ہارون کی تصویریں پھسل کر نیچے گر پڑیں۔ جو انہوں نے لندن سے بھجوائی تھیں۔ ہارون کی تصویروں پر نظر پڑتے ہی اس کے خیالات بھٹک گئے۔ ہارون کا خیال آتے ہی خالہ امّی فاروق بھائی اور یاسمین بھابھی اسے یاد آگئیں کئی ہفتوں سے خالہ امّی اور یاسمین بھابھی کے خط آئے رکھے تھے۔ مگر اس نے اب تک جواب نہیں لکھا تھا۔ دو چار روز قبل آمنہ بھابھی کا خط بھی آیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ کپڑے ٹھیک کر کے ان خطوں کے جواب ضرور لکھ دیگی۔

" اپنے کپڑوں سے فرصت ملی تو اس کی نظر انجم کی الماری پر پڑی۔ اس نے ہینڈل گھما کر دیکھا۔ انجم کی الماری کھلی ہوئی تھی۔ انجم کی الماری بھی ٹھیک کر دوں۔ اس نے بے ترتیبی سے بکھرے کپڑوں کو دیکھ کر سوچا۔ وہ بڑی محبت سے اس کے کپڑے ٹھیک کرنے لگی۔ سیف کو کھلا دیکھکر تو اسے انجم پر غصہ آگیا۔

" احمق ——! سیف تک کھلا چھوڑ گئی ہے۔ آج کل کے نوکروں کا بھلا کیا بھروسہ ——؟

" اس نے دل ہی دل میں کہا اور سیف کا جائزہ لینے لگی۔
سیف میں رکھی دوسری چیزوں سے ہٹ کر اس کی توجہ ایک خط کی طرف مبذول ہو گئی۔ جس کو پھاڑ کر چار ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ ویسے تو وہ اسے کوئی اہمیت بھی نہ دیتی۔ لیکن " ڈاکٹر شعیب" کے الفاظ پہ نظر پڑتے ہی وہ چونک گئی۔ ایک تجسّس کے تحت اس نے چاروں ٹکڑوں کو اٹھایا اور جوڑ کر پڑھنے لگی۔ گذشتہ روز کی ہی تاریخ تھی۔ کوئی القاب و آداب نہیں تھے۔

اور پھر —— جوں جوں وہ پڑھتی گئی اس کا دماغ سن ہوتا چلا گیا۔
ان سطروں سے اتنے اہم راز کا انکشاف ہوا تھا کہ شبنم کو اپنا دماغ ماؤف ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

" تب شبنم کو معلوم ہوا کہ جسے وہ خط سمجھ رہی تھی۔ وہ تو ——
وہ تو انجم کے الجھے ہوئے ذہن اور پریشان خیالات کا ایک جال تھا جسے اس نے اپنے دماغ میں الجھا ہوا محسوس کیا تو کاغذ

کے صفحات پر بکھیلا دیا۔
اپنی زندگی کے ملبے کی داستان اس کی نجو جب اسے نہ سنا سکی تو سوائے اسے تحریری صورت دینے کے اور اس کے پاس کیا چارہ تھا ـــــ؟ دل، دماغ اور ذہن کا بوجھ ہلکا کرنا بھی ضروری تھا۔ ورنہ ـــ ورنہ تو شاید وہ سوچ سوچ کر پاگل ہو جاتی وہ جو ـــــ اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات شبّو کو بتائے بغیر چین نہیں لیتی تھی۔ وہ یہ بات شبّو کو کیسے بتا سکتی تھی ـ؟ اس کی بے بسی پر شبّو کا دل جیسے فرطِ غم سے پھٹ جانا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہیں ایک بار پھر کاغذ کی سطور پر بھٹکنے لگیں ـ
" حال کی دہلیز پر کھڑے ہو کر ماضی کے جھروکوں میں جھانکتی ہوں تو مجھے ایک بھی لمحہ ایسا نظر نہیں آتا جب میری سوچیں اور میرے خیالات اس قدر الجھے ہوئے ہوں۔ کیوں کہ میری ہر بات اور ہر مسئلے کو سننے والی شبّو تھی۔ ذہن اور دل و دماغ سے سب کچھ نکال کر اس کے سامنے رکھ دینے کے بعد میرے لیے کوئی الجھن اور پریشانی باقی نہیں رہتی تھی۔
لیکن ـــ اب تو حالات مجھے زندگی کے ایک اتنے عجیب موڑ پرے

آئے ہیں کہ باوجود چاہنے کے میں اپنی شبّو سے کچھ نہیں کہہ سکتی اسے کچھ نہیں بتا سکتی۔

"وہ مجھ سے پوچھتی ہے کہ ڈاکٹر شعیب تمہیں پسند ہیں ؟ — میں اس کی بات کا جواب انکار میں دینے پر مجبور ہوں۔ میں اسے کیسے بتا دوں کہ ڈاکٹر شعیب کو تو میں نے پہلے دن دیکھ کر ہی اپنے دل میں ایک کسک سی محسوس کی تھی۔ ان کو دیکھنے کے بعد میرے دل میں —— زندگی میں پہلی بار عجیب اور انوکھے سے جذبات نے جنم لیا تھا وہ جذبات اور احساسات آج بھی اپنی خوشیوں اور مسرتوں کی اس منزل کو تلاش کرتے ہیں جسے میں نے خود کھو دیا۔ وقت اور حالات کا تقاضا ہی یہ تھا کہ میں اپنی آرزوؤں اور اپنی تمناؤں کو اپنے ہاتھوں سے تھپک تھپک کر سلا دوں

"میں نے ڈاکٹر شعیب کو دیکھا۔ انہیں پسند کیا۔ انہیں چاہا اور کھو دیا۔ کیونکہ کچھ ہی عرصے کے بعد میں نے اس پیغام کو پڑھ لیا تھا جو ڈاکٹر شعیب کی نگاہیں مجھے نہیں شبّو کو دیتی تھیں۔ جب پہلی دفعہ اس حقیقت کا انکشاف ہوا تو میرے دل کو شدید دکھ پہنچا میں نے سوچا میرے قدم غلط راہوں پر اٹھ رہے ہیں۔ میں جسے اپنی منزل سمجھ رہی ہوں وہ تو شاید —— شبّو کی منزل ہے۔ مجھے

ان راہوں پر نہیں چلنا چاہیئے۔
" مگر ـــــ میرے دل نے بغاوت کر دی۔ میری سوچوں کے انداز بدلنے کی کوشش کی۔ ان راہوں پر چلنے کا ارادہ ترک کرنے کے بعد بھی میں نے کئی دفعہ سوچا۔ مجھے اپنی خوشیوں کے پھولوں کو خود اپنے ہی ہاتھوں سے غموں کی آگ میں نہیں جھونکنا چاہیئے۔ اور پھر ـــــ صرف ڈاکٹر شعیب کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے ـــــ ؟
شبّو کے دل میں تو ایسا کوئی خیال نہیں ـــــ !
" لیکن ـــــ دوسرے ہی لمحے محبّت اور چاہت کے وہ جذبات ـــــ جو بچپن سے لے کر اب تک میرے دِل میں شبّو کے لیے ہیں۔ سامنے آجاتے اور میری سوچوں، میرے ارادوں کو شکست دیکر انہیں بہت دور دھکیل دیتے۔
" مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ڈاکٹر شعیب کو شبّو کی بجائے اپنی طرف متوجہ کرنے میں مجھے کبھی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، لیکن نہ میرے دِل نے یہ گوارہ کیا اور نہ ضمیر نے ـــــ !
" ہارون بھائی کے ایک اقدام نے شبّو کے احساسات اور جذبات کو جس طرح ٹھیس پہنچائی ہے اس کا اندازہ مجھے اچھی

طرح تھا اور میں سمجھتی تھی کہ اس کے غموں اور اس کے دکھوں کی تلافی اگر کوئی کر سکتا ہے تو وہ صرف ڈاکٹر شعیب ہیں۔ شبّو شاید انہیں تو قبول کر لے۔ لیکن کسی اور کے بارے میں تو وہ سوچنا بھی گوارہ نہیں کرے گی اور میرا اندازہ کوئی غلط بھی نہیں نکلا شبّو نے آخر کار ہار مان لی۔

حالات اور وقت سے سمجھوتہ کرلیا۔ اسے پورے طور پر سنبھلنے میں کچھ وقت تو لگے گا لیکن مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر شعیب جیسے انسان کی محبّت پاکر ایک نہ ایک دن وہ سب کچھ بھول جائیگی۔ شبّو کی خوشی میری خوشی ہے اس کا اطمینان میرا اطمینان ہے اور اس کا سکون میرا سکون ہے اس کی خوشی، اس کے اطمینان اور اس کے سکون کی خاطر مجھے اپنے غم، اپنی محرومیاں اور اپنی حسرتیں گوارہ ہیں اس کی زندگی اگر اسی طرح سنور سکتی ہے تو میرے لیے یہی بہت بڑی خوشی ہے میری تمناؤں اور ارمانوں کے کھنڈر پر اگر اس کی خوشیوں کا محل ایک بار پھر جگمگا سکتا ہے تو میرے لیے یہی بہت بڑا سکون ہے۔

" میں بھی آخر کار سنبھل جاؤں گی۔ ذہن الجھتا ہے تو الجھتا رہے روح گھائل ہے تو گھائل رہے دل زخمی ہے تو زخمی رہے

دنیا میں کتنے ہی لوگ ہیں جو زخموں کے انبار تلے سسک سسک کبھی جی لیتے ہیں "شکستِ دل" اس دنیا کی کہانیوں میں سے بہت پرانی کہانی ہے اور بہت پرانی کہانی ہے اور بہت عام سی داستان ہے اور پھر ـــــ محبت کی خاطر دنیا میں لوگ قربانیاں دیا ہی کرتے ہیں اگر میں نے شبّو کی محبت کی قربان گاہ پر اپنی آرزؤں کو بھینٹ چڑھایا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے"

"ذہن میں الجھتے ہوئے جال کو کاغذ کے صفحات پر پھیلاؤں گی تو دل کے زخموں اور روح کے گھائل پن کا احساس اتنا شدید نہیں رہے گا اور ایسا کتنی ہی بار ہوا ہے کہ جب بھی میرے خیالات نے مجھے پریشان کیا میں نے اپنی تحریر کا سہارا لے کر اپنے آپ کو سمجھایا اور پھر کاغذ کے ان ٹکڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے ہواؤں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا۔

اس کے بعد جملہ پورا نہ ہو سکا تھا اور شبّو کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ جملہ کیوں پورا نہ ہو سکا ـــ ؟

" اسے انجم کی کل رات کی گھبراہٹ یاد آئی ۔

وہ اور عمران ڈاکٹر شعیب کے گھر سے واپس آئے تو انجم میز پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی اپنے آپ میں وہ اس قدر مگن تھی کہ

" اُسے شبّو کی آنے کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ شبنم جب بالکل قریب پہنچ گئی تو اس نے جلدی سے قریب پڑا ہوا ایک رسالہ اٹھا کر مرچے پر رکھ دیا اور اسے پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔

شبنم کی نظر افسانے کے عنوان پر پڑی تو وہ بے ساختہ مسکرا پڑی

" ارے نجّو ــــ!

" یہ افسانہ تو آج دوپہر ہی تم نے پڑھا تھا ــــ!

" ہاں ــــ وہ بات یہ ہے نا! کہ اچھے افسانے کو دوبارہ پڑھ لینے میں کوئی مذائقہ نہیں ــــ!

" مگر دن میں تو تم اتنی بُرائی کر رہی تھیں اس افسانے کی ــ!

" کون ــ؟ میں ــــ؟ نہیں تو ــــ وہ گھبرا گئی۔

" اسی وقت امّی نے شبّو کو آواز دی تو وہ ان کے پاس چلی گئی اور اس وقت انجمّ کے بارے میں سوچ کر شبنم کی پلکیں بھیگ گئیں۔ وہ انجمّ کی تحریر کو سینے سے لگائے چپ چاپ روتی رہی

" تم نے کن بلندیوں کو چھو لیا ہے انجم ــــ؟

" میرے لیے اتنی محبّت، اتنا خلوص ــ! آخر میں تمہیں کیا کہوں ــ؟

" کیا سمجھوں ــ؟

" میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم اتنی گہری لڑکی ہو گی ــــ!

اپنی زندگی کی بہاروں کو اجاڑ کر میرے جیون میں بہاروں کو سمونا چاہتی ہو۔ ذرا اس غم کا بھی اندازہ کر لیتیں جو تمہاری زندگی کو خزاں رسیدہ دیکھ کر میرے دل کو برداشت کرنا پڑے گا۔

"تم جو شکل وصورت میں مجھ سے کہیں زیادہ اچھی ہو ذرا سی کوشش سے ڈاکٹر شعیب کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھیں۔ مگر تم نے میری خاطر ان سے کنارا کر لیا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا — ؟ میری خاطر تم نے یہ زہر چپ چاپ کیوں پیا — ؟

اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں چپ چاپ جلتے رہنے اور سلگتے رہنے کا فیصلہ تم نے کیوں کیا — ؟

"مجھے نہیں چاہیئے یہ ایثار — یہ قربانی —!

"اچھا ہوا کہ وقت گذر جانے سے پہلے ہی مجھے تمہارے درد کا علم ہو گیا۔ ورنہ —

"اس آگ میں تمہارے ساتھ میں بھی جل کر ختم ہو جاتی۔

"کیونکہ شعلے جب بھڑک اٹھتے ہیں تو آس پاس کی ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

"مگر اب — اس آگ کو میں بجھاؤں گی۔ تمہاری زندگی کے غم

کے طوفانوں کو میں ابدی نیند سلاؤں گی اور تمہارے وجود کو
درد کی آندھیوں سے میں نجات دلاؤں گی۔
" ڈاکٹر شعیب کو تمہاری قدر کرنی ہی ہو گی۔ انہیں اپنے دِل میں تمہارے
لیے پیار کی جوت جگانی ہی پڑے گی۔ تم سے منہ موڑ کر وہ میری
ہمدردیاں، میری محبّت اور میرا خلوص حاصل نہیں کر سکتے ۔۔۔!
شبنم سوچتی رہی اور اس کی پلکوں سے ستارے ٹوٹتے رہے۔ تبھی باہر
سڑک پر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ مگر وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ باہر
سے قدموں کی آواز آ رہی تھی۔ آواز قریب سے قریب تر آتی چلی
گئی۔ پھر ڈاکٹر شعیب اندر آ گئے۔
شبنم نے بھیگی پلکوں سے ان کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر شعیب اپنی جگہ
پر حیرت زدہ سے کھڑے رہ گئے۔
" چند لمحے یوں ہی چپ چاپ بیت گئے۔ پھر ڈاکٹر شعیب کے
قدموں کی جنبش ہوئی وہ آہستہ قدموں سے شبنم کے قریب
" آ گئے۔
شبنم ۔۔۔ ان کی آواز مدّھم تھی۔
شبنم خاموش رہی۔
" کیا بات ہے شبنم ۔۔۔؟ انہوں نے پھر پوچھا۔

" میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا شبنم !
" کہ تم اپنے اوپر جبر نہ کرو ـــــ !
تمہیں اب بھی یہ حق حاصل ہے۔ چاہو تو انکار کر دو ـــ !
مجھ سے وابستہ ہو کر تم تمام زندگی دُکھ کے شدید احساس تلے
دبی ہوئی سِسکتی رہو۔ یہ مجھے گوارا نہیں شبنم ـــ !
شبنم نے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔
مجھے معلوم ہے شبنم ! کہ تم اپنے فیصلے پر خوش نہیں ہو۔ اور
مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ تمہارے لیے میرے جذبات
چاہے کتنے ہی شدید ہو جائیں تمہارے دل میں وہ مقام مجھے کبھی
حاصل نہیں ہو سکے گا جو ہارون کا ہے ـــ !
شعیب بہت مدھم آواز میں کہہ رہے تھے ،
" غلط خیالات کو اپنے ذہن میں جگہ نہ دیجئے "
شعیب صاحب ـــ ! وقت آگے بڑھ جائے تو پچھلے جذبات اور
" احساسات میں اتنی شدّت باقی نہیں رہتی ـــ !
" تو پھر میں کیا سمجھوں ـــــ ؟
" آپ کے خلوص اور آپکی محبت کا میرے دل میں جو مقام ہے میں
اس کا اظہار کرنا نہیں چاہتی ـــ !

" کیوں ___ ؟
" اس لیے کہ جذبات کا اظہار مجھے پسند نہیں ___!
شعیب نے دو سیکنڈ کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولے
" میں تو ان آنسوؤں کا سبب جاننا چاہتا ہوں شبنم ___!
" کچھ دیر کی بات ہے وہ بھی آپ کو معلوم ہو جائے گا۔
" لیکن ___!
" لیکن ___؟
" آپ مجھ سے ایک وعدہ کیجئے ___!
" کس بات کا ___؟
" میں آپ سے کچھ مانگوں تو آپ مجھے دیدیں گے ___؟
" مجھ سے کیا مانگنا چاہتی ہو شبنم ___؟
" پہلے آپ وعدہ کیجئے ___!
" کیا میرے پاس تمہیں دینے کے لیے اب بھی کچھ باقی ہے ___؟
" ہاں ___!
" ڈاکٹر شعیب سوچ میں پڑ گئے۔
" میری بات کا جواب نہیں دیا آپ نے ___!
اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لیے اب بھی کوئی

ثنسے باقی ہے تو یقین کر دیں ہرگز انکار نہیں کروں گا۔۔!
سوچ لیجیے شعیب صاحب ۔۔۔! اپنے الفاظ پر قائم رہئیے گا۔
مجھ پر اعتماد کرو شبنم ! شعیب ان لوگوں میں سے ہے جو وعدے کی خاطر جان تک دینے سے گریز نہیں کرتے ۔!
شبنم چند لمحے بھیگی آنکھوں سے شعیب کی طرف دیکھتی رہی۔ ان چند لمحوں میں شعیب کی محبت اور ان کے خلوص نے اس کے دل پر اتنا اثر کیا کہ اس کا دل مومی شمعوں کی مانند پگھل گیا۔ ان کے کردار کی بلندی کے آگے اس کا سر جھک گیا۔ ڈاکٹر شعیب پر اسے ایک ایسے دیوتا کا گمان ہوا جس کے چرنوں پر سر رکھ دینے کی خواہش، پجاریوں کے دلوں میں تڑپ بن کر زندہ رہتی ہے جس کی مورتی پر دیوداسیاں معبد خانے کے نیم تاریک اور روح پرور ماحول میں صبح شام نرم و نازک حسین پھول نچھاور کرتی ہیں۔ اس سمے شبنم کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک دیوداسی ہو اور شعیب ایک دیوتا ۔۔۔
اس کے دل میں اس خواہش نے جنم لیا کہ وہ چپکے سے اپنی محبت کی کلیاں اس دیوتا پر نچھاور کر دے۔
لمحے چپ چاپ گذر رہے تھے اور شبنم شعیب کی آنکھوں

" میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی ـــــ ؟

" شعیب اسے یوں ـــــ خاموش اور سوچوں میں، ڈوبا ہوا دیکھکر حیران تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر شبنم کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

شبنم ـــــ! کچھ تو بولو ـــــ! شعیب کا انداز والہانہ تھا۔

اور ـــــ شعیب کے اس انداز والہانہ میں جانے کیا بات تھی کہ شبنم کے دِل کا سارا درد آنسو بن کر آنکھوں کی راہ بہہ نکلا۔ شعیب پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے

" شعیب صاحب ـــــ! میں ـــــ میں آپ سے آپ ہی کو مانگتی ہوں ـــــ!

شبنم نے بمشکل تمام کہا۔

" کیا مطلب ہے تمہاری بات کا ـــــ؟ میں بالکل نہیں سمجھا۔ شعیب کو اس کی ذہنی حالت کے درست ہونے پر شبہ ہوا۔

شبنم نے پھر اپنا جملہ دہرایا

معلوم نہیں تم کیا کیا سوچتی رہتی ہو شبنم! میرا خیال ہے نہیں ذہنی سکون کی سخت ضرورت ہے ـــــ!

نہیں ـــــ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ شبنم نے کہا۔

" تو پھر مجھ سے مجھے مانگنے کا کیا مطلب ہے ؟
میں تمہارے علاوہ کسی اور کا تو نہیں — !

" میں آپ کو اپنے لیے نہیں نجّو کے لیے مانگتی ہوں — !

نجّو کے لیے — !!! شعیب نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

جی — ! شبنم نے جلدی سے سر ہلایا اور اپنی ہاتھ میں چھپائی ہوئی انجم کی تحریر شعیب کی طرف بڑھا دی۔

" شعیب نے پہلے کاغذ کے ان ٹکڑوں کی طرف، پھر شبنم کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔ مگر شبنم خاموش رہی۔
شعیب نے بڑی آہستگی سے کاغذ کے ان ٹکڑوں کو تھام لیا۔ اور انہیں ملا کر پڑھنے لگے۔

شبنم آنسو بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔
شعیب کے چہرے پہ کئی رنگ آکر گذر رہے تھے اور جب انہوں نے انجم کی تحریر کا آخری لفظ ختم کیا تو انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کا دماغ سن ہو چکا ہو۔ انہوں نے کچھ سوچنے کی کوشش کی مگر ذہن پہ جیسے منوں بوجھ تھا وہ آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گئے اور جیب سے سگرٹ کا پیکٹ نکال کر ایک لمحہ کے

لیے شبنم کی طرف دیکھا پھر سگرٹ سلگانے لگے۔
شبنم ان کے سامنے والی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر شعیب سگرٹ کے ہلکے ہلکے کش لگاتے ہوئے گہری سوچوں میں ڈوبے رہے۔
"یہ سب کچھ کس قدر اچانک ہوا ہے — ؟ پل پل گذرتے لمحوں کا کچھ بھروسہ نہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ اب جو زندگی میں دوسرا لمحہ آئے گا وہ اپنے دامن میں کتنے بڑے انقلاب کو اور کتنے بڑے حادثے کو چھپائے ہوئے آئے گا — ؟
زندگی کیا ہے — ؟ ایک گرداب ہے، ایک بھنور ہے اور ایک دھوکہ ایک فریب ہے۔ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اب جو ایک نیا موڑ راہ میں آئے گا وہ وقت اور حالات کی زنجیریں پہنا کر ہمیں کتنا مجبور اور کتنا بے بس بنا دے گا — !
انجم — ! تم نے اپنے من مندر میں یہ کس مورتی کو سجا لیا ہے — ؟
"تم نے یہ کون سی جوت جگا لی ہے ؟
یہ کن شعلوں میں تم نے اپنے وجود کو خود اپنے ہی ہاتھوں سے دھکیل دیا ہے — ؟ نہ کسی سے کچھ پوچھا۔ نہ کسی سے کچھ کہا۔ تم نے مجھے چاہا۔ میں نے شبنم کو اور شبنم نے ہارون کو — !

ان چاہتوں میں ارادوں کو کوئی دخل نہیں۔ چاہت کے یہ مقدس جذبے دِل کے یہ احساسات ـــــ آبگینوں سے بھی زیادہ نازک احساسات، ہمارے اپنے بس میں کبھی نہیں ہوتے۔ اِس دِل کے ہاتھوں ہم سب مجبور اور بے بس ہیں۔ ہم سب تو محبّت کی وادی پر جھکے ہوئے آکاش پر اڑتے ہوئے وہ آوارہ بادل ہیں جو ایک دوسرے کے تعاقب میں بھاگتے ہوئے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات سے محروم ہو رہے ہیں۔ میں۔ تم شبنم، ہارون اور ہماری طرح کے دوسرے بے شمار لوگ تو ان اندھیروں اور اجالوں کی مانند ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے چپ چاپ بھاگے جا رہے ہیں۔

اور یہ ایک دوسرے کی چاہت کا انمول جذبہ ہمارے دلوں کو کتنا حساس اور کتنا کمزور بنا دیتا ہے۔

میں جو ایک ڈاکٹر ہوں ـــــ ایک عملی انسان ـــــ جس نے ہمیشہ جذباتی باتوں سے اپنے دامن کو بچائے رکھا وہ بھی ایک دن اس جذبے کے سامنے شکست کھا کر سر جھکا بیٹھا۔ تم نے مجھے، میں نے شبنم کو اور شبنم نے اگر ہارون کو چاہا تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ـــــ! ڈاکٹر شعیب اپنی سوچوں میں الجھے ہوئے تھے

" اور سگریٹ سُلگ سُلگ کر ختم ہو رہا تھا۔
شبنم اُٹھ کر ان کے بالکل قریب آ گئی۔
" آپ کن سوچوں میں اُلجھے ہوئے ہیں ۔۔ ؟
" شعیب خاموش رہے۔
" میری بات کا جواب بھی نہیں دیں گے آپ ۔۔ ؟
شبنم ۔۔ ڈاکٹر شعیب نے اس کی طرف دیکھا اس وقت میرے پاس تمہاری باتوں کا کوئی جواب نہیں ۔۔ !
" میں جانتی ہوں کہ اس اچانک رونما ہونیوالی بات نے نہ صرف میرے بلکہ آپ کے دل و دماغ کو بھی متاثر کیا ہے لیکن ......!
" لیکن آپ کو میری بات ماننا ہی پڑے گی کیونکہ آپ مجھ سے وعدہ کر چکے ہیں ۔۔ !
" وعدے کی بات مت کرو شبنم ۔۔ !
شبنم نے چند لمحے کے لیے ان کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں ٹھہرے ہوتے آنسو بہہ نکلے۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے ہتھے پر اپنا سر ٹکا دیا۔ شعیب نے اپنی کرسی آگے سرکا کر آہستہ سے اس کا ہاتھ تھاما۔ شبنم نے ان کے گھٹنوں پر اپنا سر رکھ دیا
" آپ چاہتے ہیں کہ انجم زندگی بھر اس آگ میں جلتی رہے ۔ لیکن

اتنا مت بھول لیے کہ اس آگ میں انجم تنہا نہیں جلے گی، میں آپ اور ہمارا گھر بھی اس میں جل بجھے گا۔ نہ میرے دل کو سکون مل سکے گا اور نہ آپ کے ضمیر کو اطمینان ۔۔۔ میں آپ سے اپنی انجم کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں اگر آپ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا تو وہ چپ چاپ سلگ کر ختم ہو جائے گی ۔۔!

شبنم کے احساسات انجم کے لیے اتنے شدید تھے کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اور شعیب بے حد حیران ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شبنم کی زندگی کا ایک اور روپ ان کے سامنے تھا وہ ۔۔۔ جس نے اپنے دکھ کو اس قدر چھپا کر رکھا تھا۔ جس نے اپنے لیے ایک دفعہ کے بعد کبھی آنسو نہیں بہائے تھے۔

دوسروں کے دکھ کو جان کر اس کا ضبط حوصلہ اور ہمت ۔۔ سب کچھ جواب دے چکا تھا۔ انجم کی زندگی کے المیے پر اس کے دل سے آنکھوں تک طوفان ہی طوفان تھا۔ شعیب کو آج پہلی دفعہ احساس ہوا کہ ان دونوں بہنوں کو ایک دوسرے سے کتنی محبت ہے ۔۔۔؟ ایک دوسرے کے لیے ایثار اور قربانی کے ان جذبات کے تذکرے تو صرف افسانوں اور ناولوں میں ہوا کرتے تھے مگر یہاں افسانے نے حقیقت کا روپ دھار لیا ہے ۔۔!

"ڈاکٹر شعیب نے شبنم کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی بھیگی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ پھر مدھم آواز میں بولے۔

شبنم —! میں نے تم سے جو وعدہ کیا ہے اس کا مجھے احساس ہے "لیکن —! وہ ایک لمحے کو رکے۔

"تم یہ تو سوچو کہ تم نے مجھے جس موڑ پر لاکر چھوڑ دیا ہے۔ اس سے آگے بڑھ جانا یا پیچھے ہٹ جانا اتنا ہی آسان ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو

شبنم چپ چاپ روتی رہی۔

زندگی کے ان لمحات نے یہ جو اتنی کاری سی ضرب میرے دل و دماغ پر لگائی ہے۔ اس سے سنبھلنے کا مجھے موقع تو دو —!

"شعیب نے کہا۔

ہر زخم کے مندمل ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے تم یہ مت بھولو—!

شبنم نے اپنی پلکوں اور رخساروں پر ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کو اپنے آنچل میں چھپا لیا اور ڈاکٹر شعیب کے اُداس چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

"کچھ دیر تک وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے رہے پھر ڈاکٹر شعیب جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شبنم بھی ان کے ساتھ ہی باہر آ گئی۔ نہ شعیب نے اس سے کچھ کہا نہ۔ اس نے شعیب سے

دونوں ایک خواب کے سے عالم میں ساتھ ساتھ چلتے رہے اور جب شعیب اپنی خواب گاہ کے قریب پہنچے تو ان کے ساتھ شبنم بھی چونک پڑی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پردے سرکا کر آہستہ سے اندر داخل ہو گئے اور پھر۔۔۔ ڈاکٹر شعیب کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا وہ ان کے دل کو مزید متاثر کرنے کے لیے کافی تھا۔ ان کے ساتھ ہی شبنم کی نظریں بھی اس طرف تھیں کارنس پر رکھی ہوئی شعیب کی تصویر کے سامنے انجم، خاموش ویران اور اجڑی ہوئی سی کھڑی تھی وہ اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھی کہ اسے ان دونوں کی آمد کا علم بھی نہ ہوا اس کے چہرے پر دکھ اور کرب کی اتنی شدید کیفیت تھی کہ شعیب وہاں ٹھہر نہ سکے وہ الٹے قدموں کمرے سے واپس چلے گئے تب انجم ایکدم چونکی ڈاکٹر شعیب کو تو وہ نہیں دیکھ سکی لیکن شبنم پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ شبنم آہستہ قدموں سے اس کی طرف بڑھی اور انجم سے ایک لفظ کہے بغیر اس سے لپٹ کر رو پڑی۔ انجم حیران پریشان شبنم کی طرف دیکھ رہی تھی بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر آہستہ سے کہا۔

شبو۔۔۔! کچھ بتاؤ بھی تو کہ بس روئے جاؤ گی۔۔۔!

مگر شبنم روتی رہی۔

نجو ــــ! میں نے اپنی زندگی کے کس لمحے میں تمہارے ساتھ زیادتی کی تھی

جس کے بدلے میں تم مجھے عمر بھر کے لیے بے سکون کرنا چاہتی تھیں،

یہ تم کیا کہہ رہی ہو شبّو ـــ؟

تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہیں آگ میں جلتا دیکھ کر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں

پہنچے گی ــ!

شبّو ـــــ!! انجم اس کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکی۔

اس وقت تم کچھ نہ کہو صرف مجھے کہنے دو ــــ!

شبّو ـــ! تم جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہو کہہ لینا مگر خدارا یہاں کچھ نہ کہو!

کیوں ـــ؟

وہ۔ ڈاکٹر شعیب ....!

ڈاکٹر شعیب سے اب کوئی بات چھپانا بے سود ہے اس لیے کہ

وہ خود بھی چند لمحے قبل اپنی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھ چکے ہیں جسے

تم راز میں رکھنا چاہتی تھیں ــ!

انجم کا چہرہ سفید پڑ گیا مگر اس نے خود کو سنبھال کر بات کو بنانے کی

کوشش کی۔

مگر ـــ تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے شبنم ــ!

کس بات کی غلط فہمی — ؟

میرا مطلب ہے کسی کی تصویر کو دیکھنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ .....!

چلو — تصویر کو جانے دو۔ لیکن تم اس تحریر کے بارے میں کیا کہو گی جس کے چار ٹکڑے کر کے تم نے سیف میں ڈال دیا تھا کیونکہ شاید تم کسی وجہ سے اسے ضائع نہ کر سکیں اور بعد میں تمہیں اس کا خیال نہیں رہا — !

جب شبنم نے تحریر کا ذکر کیا تو انجم کے ہاتھ پیر بالکل ٹھنڈے ہو گئے۔ اسے یاد آیا کہ کل — پہلے شبنم اور پھر اسمار باجی کے اچانک کمرے میں آ جانے سے اس کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں رہا کہ اس پھاڑی ہوئی تحریر کے ٹکڑے سیف میں چھپا دے بعد میں انہیں ضائع کر دے۔ مگر بعد میں اسے یاد ہی نہیں رہا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے خاموش کھڑی رہی۔

انجم — ! یہ اتنی بڑی سزا تم صرف اپنے آپ کو نہیں دے رہی تھیں بلکہ مجھے بھی دے رہی تھیں — !

انجم خاموش رہی۔

اپنے لیے تو تم نے آسمان کی رفعتوں کا انتخاب کیا اور میرے لیے

......!

شبّو ! خدا کے لیے چُپ ہو جاؤ ــــ ! انجم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

" تم نے کس کے مشورے پر اپنی تمام زندگی کو اجاڑ دینے کا فیصلہ کیا تھا ــــ ؟

" دل کے مشورے پر ــــ !

دِل کی بات کیوں کرتی ہو ــــ ؟ وہ تو ہمیشہ غلط راہ پر چلنے کا مشورہ دیتا ہے ــــ !

" مگر میرے دِل نے مجھے بالکل صحیح راستے پر بھیجا ــــ !

یہ صرف تمہارا خیال ہے اور ضروری نہیں کہ تمہارا ہر خیال اور ہر سوچ بالکل صحیح ہو ــــ !

" وقت اور حالات کے بھی کچھ تقاضے ہوا کرتے ہیں شبّو ــــ !

" میں نے انہی تقاضوں کو پورا کیا ہے ــــ !

" فلسفیانہ باتیں نہ کرو ــــ !

" من کا اتنا گہرا پن اچھا نہیں ہوا کرتا نجّو ــــ !

" کیا مطلب ــــ ؟

" مطلب تم اچھی طرح سمجھتی ہو ــــ !

" انجم خاموش رہی۔

" مجھے بتا دو انجم! تم نے میری خاطر اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا — ؟
شبنم نے اس کو شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔

" میری مرضی —!

" جب میں نے کبھی تمہاری مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کیا تو تم نے میری مرضی کے بغیر ایسا کیوں کیا — ؟

" اُفوہ بھئی —! اب چھوڑ بھی دو اس ذکر کو —! انجم کے ہونٹوں پر ایک مجروح سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

میں تمہیں بتا نہیں سکتی انجو! اس وقت میرے جذبات کس قسم کے ہیں۔ تم پر بے تحاشا غصّہ بھی آ رہا ہے اور بے تحاشا پیار بھی آ رہا ہے!

یہ بھی دل چاہتا ہے کہ تمہارے منہ پر اتنے طمانچے ماروں کہ تمہاری صورت بھی نہ پہچانی جائے اور یہ بھی جی چاہتا ہے کہ تمہیں لپٹ کر اتنا پیار کروں کہ تم پریشان ہو کر رو پڑو —!

شبنم کی آنکھوں میں بیک وقت غصّے اور محبّت کے جذبات تھے

میرا خیال ہے کہ تمہیں اپنی پہلی خواہش کو پورا کرنا چاہیئے —! انجم نے مسکرا کر کہا۔

شبنم چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔

" اچھا ایک بات تو بتا دو شبّو ——!

" پوچھو ——!

" تم نے وہ تحریر ڈاکٹر شعیب کو تو نہیں دکھائی ——!

" ابھی تو صرف انہیں ہی دکھائی ہے اب میں امّی، عمران اور اسلم باجی سب کو دکھاؤں گی ——!

شبّو ——! تمہیں ہارون بھائی کا واسطہ بیکار باتیں مت کرو ——!، شبنم نے کہا۔

" شبو ——! اگر تمہیں اس راز کا علم ہو بھی گیا تھا تو تمہیں چاہیئے تھا کہ تم اسے اپنے تک محدود رکھتیں۔!

" اپنے تک کیوں محدود رکھتی ——!

" اس لیے کہ دوسروں کو بتانے سے کیا فائدہ ——؟ اور پھر میرا تماشا بنوا کر تمہیں کیا مِل گیا ——؟

تم اپنے اس جذبے کو معمولی سمجھتی ہو بجّو ——! مگر یہی جذبے تو دوسروں کے دِلوں میں انسان کی قدر اور عزّت پیدا کرتے ہیں ——! مجھے کسی قدر دانی اور عزت افزائی کی خواہش نہیں ہے "!

" میں جانتی ہوں تم نے بہت بلندیوں کو چھو لیا ہے "۔ شبنم نے طنز سے کہا۔

" انجم پشیمان سی ہو گئی۔

" بہت کارنامے دکھا چکیں تم۔ اب مجھے بھی کچھ کرنے کا موقع دو ـــــ!

" کیا کرو گی تم شبو ـــــ؟ انجم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا

" جو میرا دل چاہے گا ـــــ!

شبو ـــــ کوئی احمقانہ کام مت کر گذرنا ـــــ!

" تم سے کیا مطلب ـــــ؟

" پھر کس سے مطلب ہے ـــــ؟

" اب جو کچھ میں کہوں گی تمہیں کرنا پڑے گا ـــــ!

" شبو ـــــ!

" اگر تم نے میری کسی بات کی مخالفت کی تو پھر میری صورت بھی دیکھنے کو نہیں ملے گی تمہیں ـــــ!

" کیوں ـــــ؟ تم کیا کرو گی ـــــ؟ انجم نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

" بس۔ تم خاموش رہو ـــــ! شبنم نے گھور کر اس کی طرف دیکھا انجم نے بڑی بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔

" گھر چلنے کا ارادہ نہیں ہے ـــــ؟ شبنم نے پوچھا۔

چلو۔۔۔! انجم نے مردہ سی آواز میں کہا۔

اور جب۔۔۔ وہ دونوں کمرے سے باہر نکلیں تو انہوں نے ڈاکٹر شعیب کو دروازے سے ہٹ کر برآمدے کی ریلنگ کے قریب جاتے دیکھکر ان کے قریب سے گذرتے ہوئے انجم کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا۔ پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ وہ سر جھکائے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ ڈاکٹر شعیب نے ان دونوں میں سے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ ان کی خوابیدہ نگاہیں سگرٹ کے مرغولوں سے الجھتی ہوئی ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔

" پل پل بیتتے لمحوں کے قافلے چپ چاپ آگے بڑھتے رہے اور ڈاکٹر شعیب اسی طرح ریلنگ کے قریب کھڑے سوچتے رہے پھر۔۔۔ کاشف نے ہی آکر چونکایا۔ وہ ڈرائنگ روم میں اپنے کھلونوں کو چھوڑ کر باہر آگیا تھا۔ اور ڈاکٹر شعیب کے قریب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

پاپا۔۔۔! انجم آنٹی گئیں۔۔۔؟

ہاں بیٹے۔۔۔! گئیں۔۔۔!

میں آنٹی کے پاس جاؤں۔۔؟

پہلے کھانا کھاؤ۔ پھر چلے جانا۔۔!

نہیں ۔ میں آنٹی کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔

شعیب نے جھک کر اسے گود میں اٹھایا اور اس کے رخساروں کو چومتے ہوئے بولے۔

تمہیں انجم آنٹی اچھی لگتی ہیں ۔۔ ؟

بہت اچھی لگتی ہیں پاپا ۔۔۔ !

اور شبنم آنٹی ۔۔۔ ؟

وہ بھی بہت اچھی لگتی ہیں ۔۔ !

کون سی آنٹی زیادہ اچھی ہیں ۔۔ ؟

پاپا ۔۔۔ ! دونوں بہت اچھی ہیں ۔ !

انجم آنٹی کو تمہاری امّی بنا دیں ۔۔ ؟

انجم آنٹی کو ۔۔؟ جی پاپا ۔ ! جلدی سے بنا دیجیے ۔ کاشف کا معصوم چہرہ مسرت کے بے پناہ جذبے سے پھول کی طرح کھل گیا۔

شبنم آنٹی کو نہیں ۔۔۔ ؟

آپ دونوں کو میری امّی بنا دیجئے ۔ کاشف نے انتہائی معصومیت سے کہا۔

ڈاکٹر شعیب باوجود پریشانی اور دکھ کے اس کی بات پر بے ساختہ ہنس دیئے۔

پاپا — ! گڈو — پپو بار راور سیمیں کی تو بس ایک ایک امّی ہیں میری تو دو امّی ہو جائیں گی — !

کاشف ہر بات سے بے خبر اپنی خوشی کا اظہار کیئے جارہا تھا۔

بیٹے — ! دونوں کو تو امّی نہیں بنایا جاسکتا۔

کیوں پاپا — ؟

تم ابھی چھوٹے ہو تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی۔

کاشف اپنی معصوم سوچوں میں ڈوبا ہوا ان کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

انجم آنٹی کو اگر تمہاری امّی بنادیں پھر تو تم نہیں روؤ گے — ؟

نہیں۔ میں کبھی نہیں روؤنگا — کاشف نے جلدی سے انکار میں سر ہلایا۔

ڈاکٹر شعیب اسے سینے سے لگائے لگاتے چپ چاپ کھڑے سوچتے رہے پھر کاشف نے ہی اس سکوت کو توڑا

پاپا — ! میں آنٹی کے پاس جاؤں — ؟

ہوں — شکور سے کہو۔ تمہیں چھوڑ آئے گا — !

ڈاکٹر شعیب نے اسے گود سے اتارتے ہوئے کہا۔

کاشف چلا گیا تو ڈاکٹر شعیب بوجھل قدموں سے اپنی خواب گاہ

میں آ گئے، ایزی چیئر پہ بیٹھتے ہوئے انہوں نے دوسرا سگریٹ سلگا لیا اور ان کے خیالوں میں پھر وہ شبیہیں آ بسیں۔ گزرتے ہوئے وقت کے لمحات نے انہیں ایک نئے حادثے سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ جتنا سوچتے تھے اتنے ہی ان کے خیالات الجھتے جاتے تھے۔ کوئی آخری اور قطعی فیصلہ کر لینے کی ہمت ان میں نہیں تھی لیکن بہرحال انہیں وہ فیصلہ ضرور کرنا تھا۔ اور پھر یہ بھی ضروری تھا کہ فیصلہ شبنم کی خواہش کے مطابق ہو۔

شبنم کے مقابلے میں ان کی انجم سے زیادہ بے تکلفی تھی۔ ان کی آنکھوں نے بھی دیکھا تھا کہ انجم صورت شکل کے لحاظ سے شبنم سے زیادہ اچھی ہے اس کی خوش مزاجی بھی انہیں پسند تھی لیکن اب اگر ان تمام باتوں کے باوجود ان کے دل میں انجم کے لیے وہ جذبات پیدا نہیں ہو سکے تھے۔ جو شبنم کے لیے تھے تو اس میں ان کا کیا قصور تھا۔۔۔؟ وہ انجم کی عزت بھی کرتے تھے۔ عمران اور شبنم کی بہن ہونے کے ناطے اس سے انہیں انسیت تھی۔ مگر وہ ایک جذبہ ۔۔۔ جسے محبت کہتے ہیں وہ انجم کے لیے ان کے دل میں جنم نہ لے سکا تھا۔

لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ اب ۔۔۔

جو انجم کا ایک نیا روپ ان کے سامنے آیا تھا اس نے ان کے دل و دماغ کو بہت متاثر کیا تھا۔ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو اتنی بلندیوں کو چھو سکتے ہیں ۔۔ ؟ انہوں نے سوچا۔

"سب سے زیادہ متاثر کن بات تو یہ تھی کہ اس نے دوسروں کو اس کی خبر بھی نہ ہونے دی۔

"اتنے سخت زہر کو چپ چاپ پی گئی۔ سچ تو یہ تھا کہ انجم کی ان باتوں نے ڈاکٹر شعیب کے دل میں، اس کی قدر و عزت کو بہت بڑھا دیا تھا۔

یہ ٹھیک ہے ڈاکٹر شعیب! کہ تم شبنم کو پسند کرتے ہو مگر شبنم کو تو تم ایک بھولا بسرا خواب سمجھو ۔۔۔ وہ تو ایک سایہ ہے ۔۔۔ ایک پرچھائیں ہے۔ سائے اور پرچھائیں کا تعاقب کرنے سے کیا حاصل ہوگا ۔۔ ؟

اور پھر ۔۔ ایسی صورت میں کہ اس کی وجہ سے ایک ہستی کی زندگی ویران ہو رہی ہے۔

" انہوں نے اپنے آپ سے کہا۔

اور انہیں خیال آیا کہ انجم کو جو وہ کچھ عرصہ سے اس قدر زرد، بیمار اور کھویا کھویا سا محسوس کر رہے تھے۔ تو اس کی وجہ یہ تھی۔

انہوں نے کئی دفعہ اسے ٹوکا بھی تھا مگر اس نے یہ کہہ کر بات کو مذاق میں ٹال دیا کہ ——— ڈاکٹروں کو ہر شخص بیمار ہی نظر آتا ہے اگر اب بھی اس راز پر سے پردہ نہ اٹھتا تو معلوم نہیں اس لڑکی کا انجام کیا ہوتا ——— ؟

"اس کا من کتنا گہرا ہے ——— ؟
ظاہر میں کچھ ہے اور باطن میں کچھ ——— ! اوپر سے یوں مسکراتی ہوئی، قہقہے لگاتی ہوئی ——— اور سینے میں غم کے طوفانوں کو چھپائے ہوئے ——— !

"ایسی لڑکی کو ٹھکرانا کہاں کا انصاف ہے ڈاکٹر شعیب ——— ؟
انہوں نے سوچا۔

"اور انجم کے بارے میں ان کی سوچیں لا متناہی ہوتی چلی گئیں پھر ——— یوں ہوا کہ اس عجیب حادثے کا علم امی اور عمران کو بھی ہو گیا ——— اسماء باجی کو بھی ہو گیا۔ امی دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر اپنی جگہ بیٹھی رہ گئیں۔ عمران گہری سوچوں میں ڈوب گیا اور اسماء باجی انجم کی صورت تکتی رہ گئیں۔

شبو، ڈاکٹر شعیب کے جواب کی منتظر تھی دو تین روز گزر گئے تھے مگر وہ بالکل خاموش تھے اور انجم اس جامد اور بے حس

سی خاموشی سے پریشان تھی۔

ان لوگوں کے ارادے اسے بے حد خطرناک نظر آرہے تھے اس نے بہت کوشش کی کہ شبنم اپنا فیصلہ بدل دے۔

"مگر شبنم اس سے کوئی بات کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس نے سوچا وہ ڈاکٹر شعیب کو سمجھائے کہ وہ شبنم کی باتوں میں آکر کوئی غلط قدم نہ اٹھائیں۔ لیکن ان کا سامنا کرنے کی ہمّت وہ اپنے آپ میں نہیں پا رہی تھی۔ اس نے اپنے دل کو بہت مضبوط کیا اور ایک شام ـــــ جب درختوں کے سائے طویل ہو چکے تھے اور مدھم سی سنہری دھوپ مکانوں کے آخری سروں تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے قدم ڈاکٹر شعیب کے گھر کی طرف اٹھ گئے۔

ڈاکٹر شعیب کچھ ہی دیر پہلے کلینک سے واپس آئے تھے اور اپنی سوچوں میں الجھے ہوئے خواب گاہ کے دریچے کے قریب کھڑے سگرٹ پی رہے تھے۔ انجم نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ انہوں نے دروازے کی طرف پلٹ کر دیکھا اور قدرے بلند آواز سے کہا ـــــ

"کون ہے ـــــ؟ اندر آجاؤ ـــــ!

"انجم پردے ہٹا کر اندر داخل ہو گئی۔

"تم ہو انجم —! آؤ —!
"انجم کی نظریں محض چند سیکنڈ کے لیے ان کی نظروں سے ملیں اور جھک گئیں۔ وہ ان کے قریب جا کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئی
"کیا بات ہے انجم —؟
"شعیب صاحب —! انجم کی آواز مدھم تھی۔
ہوں — کہو —! شعیب نے اس کی طرف جھک کر پوچھا
میں — میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں —!
"میں تمہاری بات سننے کا منتظر ہوں —!
"مجھے افسوس ہے کہ شبو نے آپ کو بلاوجہ ایک الجھن میں ڈال دیا —!
ڈاکٹر شعیب خاموش رہے۔
"لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کی جذباتی باتوں میں آ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھائیے —!
"تم مطمئن رہو انجم —! میں کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤں گا —
"ڈاکٹر شعیب کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔
"انجم کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔
"پلکیں لرز رہی تھیں اور ہونٹ آہستہ آہستہ کپکپا رہے تھے۔

ایک بات بتاؤ انجم —— !

جی پوچھئیے —— !

کیا تم سمجھتی ہو کہ میں انسان نہیں یا میرے سینے میں دل نہیں پتھر کا ٹکڑا ہے —— ؟

جی —— ؟ !! انجم نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

تمہارا یہ روپ —— جو اچانک ہی ہم سب پر ظاہر ہوا ہے۔ کیا ایسا ہی ہے کہ اس کو دیکھ کر کسی کا دل نہ پگھلے —— ؟

آپ کیا کہنا چاہتے ہیں —— ؟ انجم کچھ گھبرا سی گئی۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں انجم ! کہ پاکیزہ محبّت کا جذبہ تو پتھر دلوں کو بھی موم کر دیتا ہے۔

میرا دل تو بہت نرم و نازک ہے —— !

میں آپ کا مطلب سمجھ گئی ہوں۔ لیکن کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ ان باتوں کا کوئی اثر نہ لیں —— !

اب تو تیر کمان سے نکل چکا انجم —— !

جی —— !! ؟

میرا مطلب ہے جو اثر ہونا تھا ہو چکا —— !

ایسی بات نہ کہئیے۔ انجم نے التجا آمیز نگاہوں سے ان کی

طرف دیکھا اُس کا دل بڑی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
دیکھو انجم ــــ! میں اور تم ــــ دو پڑھے لکھے انسان ہیں۔
ہم خوابوں کی دُنیا میں نہیں رہتے بلکہ حقائق کی دنیا میں سانس لیتے ہیں تو پھر ہمیں زندگی کی حقیقتوں سے فرار نہیں حاصل کرنا چاہیئے ــــ!
انجم ان کی بات سنتے ہوئے کھلے ہوئے دریچے سے باہر دیکھتی رہی۔
یہ ٹھیک ہے کہ میرے دل نے شبنم کو پسند کیا۔
لیکن اس حقیقت سے تو نہ تم انکار سکتی ہو نہ میں کہ اس کے دل سے ہارون کی یاد نہیں نکلے گی ــ!
وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ہر بات کی شدّت میں کمی آجاتی ہے اور اکثر پرانی باتوں، پرانے لوگوں اور پرانی یادوں کی صرف دھندلاہٹیں باقی رہ جاتی ہیں ــ! انجم نے کہا۔
میں تمہاری بات مانتا ہوں مگر ــ!
مگر ــــ؟
کچھ نہیں ــــ!
میرا خیال ہے آپ کے خیالات بھٹک رہے ہیں۔

انجم نے کہا
نہیں ـــ ڈاکٹر شعیب نے کہا۔
شعیب صاحب ـــ!
ہوں ـــ!
ایک بار آپ جو فیصلہ کر چکے ہیں اس پر آپ کو قائم رہنا چاہیئے ـــ!
مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے ـــ!
میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ میں شبّو کو ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتی
ہوں ـــ!
اس کی خوشی اس بات میں ہے میں نہیں ۔۔۔۔!
وہ تو بیوقوف لڑکی ہے ـــ! خوامخواہ خوشیوں سے اور زندگی
سے دور بھاگنا چاہتی ہے ـــ!
تم بڑی عقلمند ہو ـــ! ڈاکٹر شعیب مسکرائے۔
انجم نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔
انجم ـــ! مجھے نہیں معلوم کہ تم میری اس بات کا یقین کروگی
یا نہیں کہ ۔۔۔۔۔۔۔!
انجم نے استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔
اگر مجھے پہلے تمہارے اس کا علم ہوتا تو میں ہرگز تمہیں یہ دکھ نہ دیتا۔

مجھے کوئی دکھ نہیں ہے ـــ!

مت جھوٹ بولو ـــ!

اگر آپ کو میری خوشی کا ذرا سا بھی خیال ہے تو آپ شبنم سے ـــ!

بھئی ـــ! تم دونوں بہنوں نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے ـــ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہاری خوشی کا خیال رکھوں یا اس کی خوشی کا ـــ؟

میری خوشی کا ـــ!

ہاں ـــ! تاکہ تم زندگی بھر اپنی لگائی ہوئی آگ میں جلتی رہو ـــ!

میں آپ کو کیسے بتاؤں مجھے کچھ نہیں ہوگا۔

میں بہت سخت جان ہوں ـــ!

جبھی اتنے سے دنوں میں اپنی یہ حالت بنالی ہے ـــ!

کیا حالت بنالی ہے ـــ!

ڈاکٹر شعیب نے اس سے کچھ کہے بغیر اسے دونوں شانوں سے پکڑ کر آئینے کے سامنے کر دیا۔ اور پھر اس اچانک حادثے نے انجم کو بالکل بے بس کر دیا۔

اس آئینے سے پوچھو اپنی حالت ـــ!

انجم کی جھکی پلکیں بمشکل تمام اٹھیں۔ مگر آئینے میں شعیب کے چہرے

پر اسے جو کیفیت نظر آئی۔
اس نے انجم کے دل کی دھڑکنوں کو تیز تر کر دیا۔ مگر اس نے جلدی ہی اپنی حالت کو قابو میں کر لیا۔ اور اپنے شانوں سے ان کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔۔۔!

میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ آپ کو شیبو سے ....!

ڈاکٹر شعیب نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

اب اگر تم نے ذراسی بھی میری مخالفت کی تو اچھا نہیں ہوگا۔۔۔!

انہوں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

انجم نے حیرت زدہ ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

شعیب کو تم بہت بُرا آدمی سمجھتی ہو۔۔۔؟

نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔!

تو پھر اب کچھ نہ کہنا۔۔۔!

انجم سر جھکائے کھڑی رہی۔

ڈاکٹر شعیب نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کا سر ہولے سے تھپتھپایا تو انجم کی پلکیں بھیگ گئیں۔ وہ ان کے بازو سے لگ کر سسک پڑی۔ شعیب نے جھک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا گلابی کپڑوں کا عکس بھی اس پر کوئی اثر

نہ کر سکا تھا۔

ڈاکٹر شعیب ——! تم کتنی بڑی ناانصافی کر رہے تھے۔

اس معصوم لڑکی کے ساتھ ——! انہوں نے دِل ہی دِل میں کہا اور والہانہ انداز سے جھک کر اس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

اب ہر بات کو اپنے دِل سے نکال دو انجم —— سوائے اس کے اور کچھ نہ سوچو کہ شعیب رضا اب صرف تمہارے ہی بارے میں سوچے گا ——!

تمہارے علاوہ اب کسی اور کو اپنے سوتج نگر کی رانی نہیں بنائیگا ——!

انجم کے آنسو اور بھی تیزی سے بہنے لگے۔

اور باہر کھڑی —— شبنم —— جو ڈاکٹر شعیب سے آج ان کا فیصلہ سننے آئی تھی۔ اندر آنے کی ہمّت نہ کر سکی۔ اپنے ہونٹوں پر پرسکون مسکراہٹ کی کلیاں بکھیرے چہرے پر خوشیوں کا جھلملاتا ہوا عکس لیے وہ واپس چلی گئی۔ اور —— اس رات انجم جب پرسکون نیند سو گئی تو شبنم اپنے بستر سے اٹھکر دریچے میں آ گئی۔ چاندنی کی برستی ہوئی پھواروں میں بھیگی ہوئی رات خاموش کھڑی تھی اور ہوائیں خنک تھیں ستاروں کے آگے بڑھتے ہوئے کارواں پر نظریں جماتے ہوئے اس نے یادوں کے دریچے کھول دیئے اور ماضی کے سہنے آنگن

میں بکھرے ہوئے مرجھائے پھولوں کو چننے لگی۔

ہارون کے متعلق سوچتے ہوئے اسے اس "رانی" کا خیال آیا جو ہارون کے "سورج نگر" پر حکمرانی کرتی تھی۔ مگر اب ایک بار پھر۔۔۔ وہ صرف اپنے ہی سورج نگر کی رانی رہ گئی تھی۔ جس کے خیالات لامتناہی تھے۔۔۔ مگر اس کا دل پھر بھی بہت مطمئن تھا۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اس نے زندگی کے اتنے سارے طویل برس صرف اپنے لیے نہیں گذارے۔ عارفہ کو ہارون کے سورج نگر کی رانی بنا کر اور انجم کو ڈاکٹر شعیب کے سورج نگر کی رانی بنا کر اب اس کے پاس اگرچہ کچھ نہیں بچا تھا مگر اس کا ذہن پرسکون تھا۔

اس نے سوچا کہ اسے غمزدہ ہونے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔؟

اس کے پاس اپنے افکار اور اپنے خوابوں کے محل ہیں۔ اس کے پاس اپنی یادوں کے جزیرے ہیں۔

اس کے پاس ہارون کے "مرحوم رقیب" ہیں جن کی صحبت میں وقت گذار کر اسے اور کسی بات کا احساس بھی نہیں رہے گا۔

افلاطون، ارسطو، جبران، کانٹ، نطشے، گوئٹے، اسٹیفن زویگ، میلارمے، لارنس، چارلس باڈیلیئر، ہائنے، میراجی اور ٹیگور ہیں۔

ان سب کے غم، خوشیاں، زندگی کے تجربات و حوادث اور خود اپنی زندگی کے تجربات و حوادث ہیں۔

سیاسی، سماجی، اقتصادی، قومی اور بین الاقوامی مسائل ہیں جن کے تانے بانے کو سلجھاتے ہوئے زندگی کی گھڑیاں اتنی جلدی اور چپکے سے گزر جائیں گی کہ احساس بھی نہ ہوگا۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ یوں سوچو تو زندگی اور موت کے درمیان فاصلہ بہت طویل ہے لیکن حقیقت میں یہ فاصلہ دو قدم بھی نہیں! اس نے سوچا اور دریچہ بند کر کے اپنے بستر پہ آ گئی۔

دوسرے روز دوپہر کو اس کے نام امینہ بھابھی کا خط آیا۔ اس دفعہ انہوں نے دھمکی آمیز انداز میں لکھا تھا کہ اپنی خیریت چاہتی ہو تو جلد از جلد ہمارے پاس آ جاؤ۔ وہاں بیکار وقت گنوانے سے کیا فائدہ؟

اور شبنم نے خط پڑھتے ہوئے سوچا۔ اسے یہاں سے چلا ہی جانا چاہیئے باہر کی دنیا کا بھی جائزہ لینا چاہیئے۔

اس نے اسی شام امینہ بھابھی اور ذیشان بھتیا کے نام خط لکھ دیا۔ اور ان کی بات مان لینے کی خوشخبری کے ساتھ انجم اور ڈاکٹر شعیب کی خوشخبری بھی انہیں لکھ دی۔

کچھ دن اور بڑی خاموشی سے گذر گئے۔ پھر — اس شام — وہ گھر میں تنہا تھی۔ انجم، عمران اور اسما رباجی شاپنگ کرنے گئے تھے۔ ڈاکٹر کلینک گئے ہوئے تھے اور امی کر پھوپھی اماں اپنے

ساتھ لے گئی تھیں۔ فرزد باورچی خانے میں کام کر رہا تھا۔ کاشف تھوڑی ہی دیر پہلے ساتھ والے گھر میں کھیلنے گیا تھا۔

وہ ابا میاں کی لائبریری میں بیٹھی "میگھ ملہار" پڑھتی رہی۔ پھر جب درختوں کے سائے طویل ہونے لگے تو وہ ابا میاں کی تصویر پر نظر ڈالتی ہوئی باہر آ گئی۔

جانے کیوں آج اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔۔۔؟ ایسا لگتا تھا جیسے بس اب اگلے ہی چند لمحوں میں اس کے دل کی دھڑکنیں ہمیشہ کے لیے رک جائیں گی۔

کچھ دیر وہ برآمدے کی ریلنگ کے قریب کھڑی بالکل بیکار اور فضول قسم کی باتیں سوچتی رہی۔ جب دل کی بے چینی بہت بڑھی تو اس نے فرزد کو بھیج کر کاشف کو بلوا لیا۔ وہ جامن کے درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھی کاشف کی پیاری پیاری باتیں سن کر مسکراتی رہی پھر کاشف فرزد کے ساتھ باورچی خانے میں چلا گیا۔

تب۔۔۔ اچانک ہی ایک گاڑی آ کر رکی۔ اس نے چونک کر دیکھا اور جب گاڑی میں سے جھلکتے ہوئے چہرے پر اس کی نظر پڑی تو اسے احساس ہوا کہ اس کی نگاہیں دھوکہ کھا رہی ہیں۔ وہ اسی طرح سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی۔ لیکن جب گاڑی سے اُترنے

والا شخص ایک خوبصورت سی بچی کو کندھے سے لگائے اس
کی طرف بڑھا تو وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔
درخت کے تنے سے ٹیک لگائے ہوئے وہ پلکیں جھپکائے بغیر
اسی طرف دیکھتی رہی۔
مجھے پہچانا نہیں شبّو —! ایک گھمبیر سی آواز اس کے کانوں سے
ٹکرائی —
ہارون —— آپ ——!!!؟ شبّو نے بمشکل تمام کہا۔
ہاں —! شبّو! وقت اور حالات ہمیں ایک بار پھر ایک
دوسرے کے قریب لے آئے ہیں —!
شبنم خاموش کھڑی ان کی طرف دیکھتی رہی اس کی کچھ سمجھ میں
نہیں آرہا تھا کہ ہارون کیا کہہ رہے ہیں۔
تم کیا سوچ رہی ہو —؟
جی — وہ — میں کچھ بھی نہیں —!
ہارون اس کی گھبراہٹ پر دھیرے سے مسکرا دیئے۔
آپ نے اپنے آنے کی کوئی اطلاع بھی نہیں دی!
ہوں —— ہارون نے کہا۔
عارفہ کہاں ہیں ——؟

عارفہ —! ہارون ایک لمحے کیلئے رُکے۔

شبنم —! عارفہ اب اس دنیا میں نہیں ہے —!

ہارون —! شبنم کی آواز قدرے بلند تھی۔

خدا نے اسے اسی ہی مختصر سی مدت کے لیے اس دنیا میں بھیجا تھا اس کی آنکھوں کی روشنی لوٹ آئی تو کچھ عرصے بعد زندگی اس سے روٹھ گئی۔

شبنم اداسی سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔

میری ہر تدبیر، ہر کوشش رائیگاں گئیں۔ میں اسے موت کے منہ سے نہ بچا سکا —!

ہارون کے چہرے پر دکھ کے سائے کانپ رہے تھے

اور اب ——— عارفہ کی امانت — یہ بچی تمہارے پیار کی مستحق ہے — مجھے یقین ہے تم کبھی اسے ماں کی کمی نہیں محسوس ہونے دو گی —!

شبنم نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے اس بچّی کی طرف دیکھا جو معصومیت اور حسن کی تصویر تھی اور بے پناہ سہمے ہوئے انداز میں ہارون کے سینے سے لگی شبنم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اسی لمحے کاشف وہاں آگیا۔ ایک اجنبی مرد اور اجنبی بچّی کو دیکھکر

وہ حیران ہوا اور شبنم کے قریب آ کر اس سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ہارون کی نظر اس پر پڑی تو ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

یہ تمہارا بیٹا ہے شبنم ــــ؟ انہوں نے پوچھا۔

یہی سمجھ لیجئے ــــ! شبنم کی آواز مدھم تھی۔

اوہ ــــ معاف کرنا شبنم ــــ! ہارون نے جلدی سے کہا۔

جانے کیوں ــــ؟ میں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ زندگی کی ان راہوں پر تم اب تک تنہا ہی چل رہی ہو گی ــــ تم یقین کرو انجانے میں اس راہ گزر پہ میرے قدم لوٹ آئے تھے ــــ!

شعیب کے دل کا درد ان کی آنکھوں میں سمٹ آیا۔

آپ میری بات کا غلط مطلب سمجھ بیٹھے۔ یہ انجم کا بیٹا ہے۔ مگر میرے دل میں بھی اس کے لیے وہی جذبات ہیں جو ایک ماں کے دل میں بیٹے کے لیے ہوتے ہیں ــــ!

انجم کی شادی ہو گئی ــــ؟

نہیں ــــ ہونے والی ہے ــــ!

تم کیسی باتیں کر رہی ہو شبنم ــــ؟ شادی ہونے والی ہے اور بیٹا انجم کا ہے ــــ! ہارون پریشان ہو کر بولے۔

جی ہاں ــــ! بالکل اسی طرح جس طرح یہ بچی میری ہے!

اوہ ۔۔۔ ہارون نے بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔
شبنم نے اس کی بچی کی طرف باہیں پھیلائیں ایک لمحے کے لیے اس نے ہارون کی طرف دیکھا اور پھر شبنم کی طرف اپنی نازک باہیں پھیلا دیں۔
شبنم نے اسے سینے سے لگا کر اس کے گھونگھریالے بالوں میں اپنا منہ چھپایا تو اس کے رکے ہوئے آنسو ہر بند کو توڑ کر بہہ نکلے۔
آنسوؤں کی گرم پھواروں میں بھیگتے ہوئے اس نے سوچا۔ کہ اس بچی سے زیادہ تو اس کے پیار کا کوئی مستحق نہیں۔ اگر اتفاق سے انجم کی وہ تحریر اس کے ہاتھ نہ لگی ہوتی تو آج حالات کتنے غمناک ہوتے اور ہارون ۔۔۔ جن کا قدم برسوں کی طویل مسافت کو طے کر کے جن کا وجود درد کے جلتے صحراؤں میں بھٹک کر اور غم کی تپتی ہوئی آندھیوں میں جھلس کر میرے قریب آئے ہیں۔
آج اس راہ گزر سے حرماں دیا اس کا مجسمہ بنے چپ چاپ لوٹ جاتے۔
تب ۔۔ میرے دل کو شاید نہ صرف زندگی کی آخری سانسوں تک بلکہ موت کے بعد بھی سکون نہ ملتا۔ اس نے اس بچی کو بڑی شدت سے اپنی باہوں میں جکڑ لیا اور اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

ہارون ہر جھکائے اداس کھڑے تھے اور کاشف شبو کی ٹانگوں سے لپٹا ہوا بڑی حیرت اور صدمے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور اس کی پیاری سی آنٹی کیوں آننا رو رہی ہیں — ؟

شبو — ! ہارون نے آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے شبنم نے اس بچی کو بے تحاشا پیار کرتے ہوئے بھیگی آنکھوں سے ہارون کی طرف دیکھا۔

مجھے احساس ہے کہ میں نے زندگی میں تمہیں سوائے دکھ کے اور کچھ نہیں دیا۔ لیکن تم یقین کرو کہ میں بھی کبھی پرسکون نہیں رہا۔ عارفہ کو میں جتنی محبت اور جتنا خلوص دے سکتا تھا۔ میں نے دیا۔ لیکن برسوں پہلے میرے "سوچ نگر" میں جو رانی آکر بس گئی تھی اس کی شبیہ میری نگاہوں میں کبھی نہیں دھندلائی۔ اس کی یادوں کے پھول کبھی نہیں مرجھائے۔

ہارون نے شبنم کی طرف والہانہ انداز سے دیکھتے ہوئے کہا۔

شبنم خاموش رہی۔

تم بھی تو کچھ بولو شبنم — !

میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتی کہ اُس اعتماد کی زنجیر نہ کبھی زنگ آلود ہوئی اور نہ ٹوٹی جو مجھے آپ پر تھا — !

شبو — !

ہارون کی آنکھیں خوابناک ہوگئیں۔

گذری ہوئی زندگی کے ہر لمحے میں مجھے یہی خیال آیا کہ آپ کے "سوچ نگر کی رانی" صرف میں ہوں — !

شبنم نے بڑے خلوص سے کہا۔

ہارون اس کے اس اعتماد پر اس کی طرف دیکھتے رہ گئے۔

اور پھر — ہارون نے قریب کھڑے کاشف کو گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے شبنم کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بے پناہ سکون اور اطمینان تھا۔ شبنم نے نیلگوں آکاش پر چمکتے ہوئے شام کے ستارے کی طرف دیکھا اور ہارون کے ساتھ اندر آ گئی۔